إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی ؐ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصۂ ~~اوّل~~ دوم

مجلد دوم - از ۶ھ تا ۱۱ھ جس میں اقامتِ امن، تاسیسِ خلافت، اشاعتِ اسلام، انتظاماتِ مذہبی، تکمیلِ شریعت، حجۃ الوداع، وفات، شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تذکرہ ہے،

تالیف

حجۃ الملۃ والدین شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مع اضافہ و تکملہ

از

سید سلیمان ندوی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی،

در مطبع معارف شبلی اعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع دوم ۱۳۴۱ھ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی ﷺ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصۂ اوّل دوم

مجلد دوم - از سنہ ۹ھ تا سنہ ۱۱ھ جس میں اقامتِ امن، تاسیس خلافت، اشاعتِ اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات، شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تذکرہ ہے،

تالیف

حجۃ الملۃ والدین شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۲ھ

مع اضافہ و تکملہ

از

سید سلیمان ندوی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف شاہی اعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع دوم سنہ ۱۳۴۱ھ

۱۶ آذر

شنبه دوم

۲۰۰۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ سیرۃ نبوی مجلد دوم

سیرۃ نبوی مجلد اول سنہ ۱۳۳۶ھ (سنہ ۱۹۱۸ء) کے اواسط مین شائع ہوئی تھی، اب مجلد دوم سنہ ۱۳۳۸ھ (سنہ ۱۹۲۰ء) کے اواسط مین شائع ہوتی ہے، شائقین کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد اس کی جلدین شائع وتی رہین لیکن شاید اُن مشکلات کا ان کو علم نہین جو عالمگیر جنگ نے زندگی کے ہر شعبہ مین پیدا کر دی ین، گو ایک سال سے زیادہ ہوا کہ **جنگ** کا عملاً خاتمہ ہو گیا لیکن باایں ہمہ حقیقت یہ ہے کہ صلح غاز نہین ہوا، اور اس خاتمۂ جنگ سے زندگی کے مشکلات مین ایک ذرہ کمی نہین ہوئی، جلد اول ی تکلیف دہ تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دوسری جلد خود مطبع **معارف** مین چھپے گی، لیکن مشکل ی کہ ہمارے پاس مشین نہ تھی، بڑی تلاش و جستجو سے مشین ہاتھ آئی تو کاغذ کا قحط نظر آیا، جلد اول مین اصناف کے کاغذ لگ چکے تھے، اُن کا ملنا دشوار ہو گیا، دیسی کاغذ کے ۲۰۰ ریم بھی بیک وقت ے، یہ دقت کسی طرح ختم ہوئی تو لوح (ٹائٹل پیج) کے کاغذ کی مشکل پڑی، لکھنؤ سے لیکر کلکتہ اور بمبئی ک کارخانے چھان مارے گئے، مگر خاطر خواہ کاغذ دستیاب نہ ہوا، آخر جو بھی مل سکا اور جس طرح بھی بنا ختتام کو پہنچی، والحمد للہ علیٰ ذلک،

پہلی جلد نبوت کے پُر آشوب عہد **غزوات** پر مشتمل تھی، اور دوسری جلد نبوت کی سہ سالہ امن ی تاریخ ہے۔ نبوت کی بست و سہ (۲۳) سالہ زندگی مین پہلی جلد بیس سال کے کارنامون کا ، اور یہ جلد بقیہ آخری تین سال کے واقعات کا ذخیرہ ہے، اور اس کے بعد اخلاق و

شمائل شریفہ اور ازواج مطہرات و اولاد کرام کا تذکرہ ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ آیا تو مجھے اس بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی، لیکن مصنف کے مسودہ مین اضافہ کی ہمت نہین ہوتی تھی، آخر کار مدت کے حیص بیص کے بعد مین نے طے کر لیا کہ لکھنا ہی چاہیے، چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً مولانا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی، جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ مین لکھی تھی، اُس کا عنوان "یادداشت اخیر" تھا، اُس یادداشت کو پڑھکر میری مسرت کی انتہا نہین رہی جب مین نے یہ دیکھا کہ جن ابواب کو مین ضروری سمجھتا تھا مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت مین انکا اضافہ ضروری قرار دیا تھا، اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا جسکو فرشتۂ غیب نے اُن کے دست و قلم سے میری تسلّی کے لیے پہلے ہی لکھوا دیا تھا

حلِّ این عقدہ ہم از روے نگار آخر شد

اخلاق کے باب کو مصنّف مرحوم نے تکمیل کو نہین پہنچایا تھا، بہت سے عنوانات سادہ، بہت سے عنوانات کو شروع کر کے آیندہ اضافہ کے لیے ناتمام بصورت بیاض چھوڑ دیا تھا، ... نے ان کو لکھکر بطور تکملہ کتاب مین شامل کر دیا، بہت سے ضروری حواشی بھی جابجا بڑھائے گئے ہین۔ چنانچہ جیسا کہ جلد اوّل کے دیباچہ مین ذکر کیا گیا ہے اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتین ہلالین کے اندر کر دی گئی ہین، تاکہ مصنف اور جامع کی عبارتین باہم مختلط نہونے پائین۔

جامع

سید سلیمان، ندوی غفرلہٗ

فہرست مضامین سیرۃ النبیؐ حصّۂ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کی امن کی زندگی

سنہ ۹ھ سنہ ۱۰ھ و سنہ ۱۱ھ

قیامِ امن، اشاعتِ اسلام، تاسیسِ خلافت، تکمیلِ شریعت،

قیامِ امن

(گذشتہ ابواب کے پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں رہتی کہ اس وقت تک گو اپنی صلاحیت و استعداد کے رو سے عرب کا ذرّہ ذرّہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظام شمسی کے تابع نہ تھا، تمام جزیرۂ عرب ایک واحد ملک، اور ایک متحد قوم تھا، تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملکی و قومی اتحاد کا نشان دیا، اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا جس طرح ہر گھر کا الگ الگ خدا تھا، اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جُدا رئیس تھے۔ جنوبی عرب میں حمیری اَذواء، اور ان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، شمالی عرب میں بکر، تغلب، شیبان، ازد، قضاعہ، کندہ، لخم، ...، بنو حنیفہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اوس، خزرج، ثقیف، اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ریاستیں تھیں، جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں، بکر و تغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی ابھی

...ور ابواب اضافہ از صفحہ ۱ تا ۱۰۔

خاتمہ ہوا تھا، کندہ اور حضرموت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس و خزرج لڑ لڑ کر اپنے ایک سردار کو کھو چکے تھے، خاص حرم اور داشہر حرم میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا، اور اس طرح تمام ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا۔

پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل، غارتگری اور خونریزی کے خطرات میں گھرا تھا، تمام قبائل غیر مختتم سلسلۂ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، انتقام، ثار، اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی، ملک کا ذریعۂ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گذرنا محال تھا، حیرۃ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں کافی اثر اور اقتدار رکھتے تھے، تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں آسانی نہیں پہنچ سکتا تھا، شہور حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے، باایں ہمہ لڑائیوں کے جواز کے لیے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیے جاتے تھے۔ **ابو علی قالی** نے کتاب الامالی میں لکھا ہے۔

وذلك لانهم كانوا يكرهون ان	یہ اس لیے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تین مہینے
تتوالى عليهم ثلاثة اشهر لا تمكنهم	متصل ان پر غارت گری کے بغیر گذر جائیں
الاغارة فيها لان معاشهم كان من	غارت گری ہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔
الاغارة (صفحہ ۴ جلد ۱)	

....

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعۂ معاش کے لیے یہی موسم، موسم بہار تھا، مکہ کے آس پاس اسلم و غفار وغیرہ قبائل آباد تھے جو حاجیوں کا اسباب چرانے میں بدنام تھے، گلے نہایت مز

...ڑا نامور قبیلہ تھا، لیکن دزدان طے بھی اپنی شہرت مین ان سے کم نہ تھے[1]، سلیک ابن السلکہ اور تابط شرا، عرب کے مشہور شعراء تھے، لیکن ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے فخریہ کارنامے تھے۔

ملک مین اضطراب اور بدامنی کا یہ حال تھا کہ عبد القیس جو بحرین کا ایک طاقتور قبیلہ تھا بشتہ ... مضری قبائل کے ڈر سے اشہر حرم کے سوا اور مہینون مین حجاز کا رخ نہین کر سکتا تھا[2]، فتح مکہ کے بعد بھی جب ملک مین سکون شروع ہو چکا تھا۔ مدینہ سے مکہ تک سفر خطرناک تھا، اور اب بھی لوگ ڈاکے ... لئے رہتے تھے[3]۔ ہجرت کے پانچ چھ برس کے بعد تک بھی شام کے تجارتی قافلے دن دہاڑے ... لیے جاتے تھے[4]، یہان تک کہ کبھی کبھی خود دار الاسلام کے چراگاہون مین بھی چھاپے مارے جاتے تھے[5]۔ آنحضرت صلعم جب لوگون کو ملک کے امن و امان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا جب صنعاء سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی، اور خدا کے سوا کسی کا اُس کو خوف[6] نہ ہوگا تو لوگون کو تعجب آتا تھا۔ ۹ھ مین ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤن نے لوٹ لیا۔ ... نے فرمایا کہ "عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان کے جایا کرے[7] گا"۔ اتنے بڑے ملک کا امن صرف حرم کی سرزمین ایسی تھی، جہان لوگون کو اطمینان میسر آسکتا تھا۔ خدا نے قرآن مجید مین اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ — ان کو چاہیے کہ اس گھر کے اُس مالک کو پوجین جس نے انکو

---

1. صحیح بخاری باب علامات النبوۃ 2. صحیح بخاری کتاب الایمان۔ 3. ابوداؤد کتاب الادب باب لحذر 4. طبقات ابن سعد جزء مغازی ۶۲ و ۶۴ و ۶۵۔ 5. دیکھو غزوہ سویق و غزوہ غابہ۔ 6. صحیح بخاری باب علامات النبوۃ 7. بخاری صفحہ ۱۹۰۔

مِنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (ایلاف) — بھوک مین کھانا دیا اور بدامنی کو دور کرکے انکو امن بخشا

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ — کیا یہ نہین دیکھتے کہ ہمنے ایک امن والا حرم اُنکے لیے بنایا

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت) — باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اُسکے چارونطرف سے آدمی اچک لیے جاتے

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنحضرت صلعم عام الحزن کے بعد تین برس تک متصل تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے اپنے امان مین لیکر صرف اتنا موقع دلا دو کہ خدا کی آواز لوگون تک پہنچا سکون لیکن کوئی ہامی نہین بھرتا تھا۔ عام مسلمان عرب کی فضا مین سانس تک نہین لے سکتے تھے، تلاش امن کے لیے افریقہ وحبش کے ریگستانون مین مارے مارے پھرتے تھے، جو عرب مین رہ گئے تھے وہ ہدف مظالم گوناگون تھے، قرآن مجید مسلمانون کی اسی حالت کا ذکر ان آیتون مین کرتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ — یاد کرو جب تم ملک مین تھوڑے اور کمزور تھے ڈرتے

تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (انفال) — تھے کہ لوگ تم کو اُچک نہ لین۔

اسی ملکی شورش اور بے امنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک مین کوئی تحریک بھی بغیر خود حفاظتی فوجی تدابیر کے کامیاب نہین ہو سکتی تھی، سرور عالم کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی اور اُسکے لیے تیغ وخنجر اور فوج ولشکر کی حاجت نہ تھی لیکن ایک طرف تو دشمن حملہ پر حملہ کرتے چلے آتے تھے؛ اور دوسری طرف مبلغین دعاۃ اسلام کی جانین معرض خطر مین رہتی تھین۔ تجارت کے قافلے جن پر اصل مین ملک کی ہر بات کا دار مدار تھا، غیر مامون تھے۔ چنانچہ اس قسم کے تفصیلی واقعات غزوات نبوی کے اسباب وانواع مین گذر چکے ہین۔

بیرونی خطرات

بہرحال یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی، بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے، ملک کے تمام سر-

بز صوبے، روم و فارس دو عظیم الشان طاقتوں کے پنجہ میں تھے، تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی
عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے، اور اُن کے زیر اقتدار برائے نام عرب رؤساء حکمران
،،حدود عراق میں آل منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیوں نے اندرون ملک میں بھی پیش قدمی
ع کردی تھی، حجاز میں اسلام کی جو تحریک پھیل رہی تھی اس کو بھی وہ اپنے ہی حدود میں سمجھتے تھے،
نہ سنہ ۶ھ میں شاہ ایران نے یمن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا تھا کہ "میرے غلام کو جو حجاز میں
نبوت بنا ہے گرفتار کرکے میرے پاس بھیج دو۔"

رومیوں نے حدود شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ آلِ غسّان اور چھوٹے چھوٹے عرب رؤساء
ں نے مدت سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، ان کی ماتحتی قبول کر لی تھی، سنہ ھ کے بعد رومی
سائی رؤسائے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی طیاریاں کر رہے تھے، جس کا ظہور واقعۂ تبوک
بتہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔

یہودیوں کی قوت

رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت
ین لی تھی، اور وہ مجبوراً حدود شام سے قلب حجاز تک پیچھے ہٹ آئے تھے، اور اپنے لیے مدینہ
نام تک متصل قلعے تعمیر کر لیے تھے، یہ مقامات اُن کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام
ریظہ، نضیر، قینقاع[1]، خیبر، فدک، تیما، وادی القری[1]، وغیرہ ان کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں،
مجید نے حسب ذیل آیات میں یہودیوں کے انھیں قلعوں کی طرف اشارہ کیا ہے،

البلدان یاقوت میں ان مقامات کے حالات پڑھو [2] کتب مغازی و سیر میں ان کے حالات دیکھو بخاری
ب قتل کعب بن اشرف و رافع بن خدیج۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى	وہ قلعہ بند آبادیون یا دیوارون کے پیچھے چھپ بغیر یون ملکر
مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (حشر)	مقابلہ نہین کرسکتے،
وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ	خدانے اُن یہودیون کو جنھون نے ان کی مدد کی تھی اُنکے
الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ (احزاب)	قلعون سے اتارا۔

زمانۂ قدیم مین مالی کاروبار کی وسعت نے اسپین اور دیگر ممالک یورپ مین ان کو جس طرح ملک کی پالیٹکس کا خطرناک عنصر بنا دیا تھا، بعینہ یہی حال اُنکا عرب مین بھی تھا ان بیند قلعون کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر مین نہین لاتے تھے۔ آنحضرت صلعم کو متعدد لڑائیان صرف ان کی شرارت سے لڑنی پڑین، بدر مین جب مسلمانون کو فتح حاصل ہوئی تو یہ فخریہ کہتے تھے "بیچارہ مکہ کے قریش لڑنا کیا جانین، مسلمانون کو ہمارے قلعون سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو"

غرض عرب کا ملک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات مین مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح و تدبیر کے لیے عام انسانی دست و بازو بیکار تھے، خدا کا غیر مرئی ہات محمدؐ رسول اللہ کی آستین مین پوشیدہ تھا۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى، ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر کوششون اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کرلی، عرب کے سیاسی ضعف کا تمام تر راز نااتفاقی اور باہمی جنگ وجدال مین مضمر تھا اور اس نااتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانون اور نسلون مین منقسم تھا، تمام ملک کے اجتماع اور اتحاد کے لیے ان مین کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا، محمدؐ رسول اللہ صلعم نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام کا رشتہ قائم کیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ، (حجرات) اور دفعۃً اس روحانی رشتہ نے خون، قرابت اور نسل کے

تار و پود اُدھیڑ دیئے اور صرف ایک کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی برقی رو، اب تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے،

خدائے پاک نے قرآن مجید مین اس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا،

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران)

خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے. خدا نے تمھارے دلون کو جوڑ دیا، پھر اُس کے لطف و محبت سے تم بھائی بھائی بن گئے،

خدا نے خود آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "محمدؐ! یہ تیرا کام نہ تھا، اس مین خود خداوند مقلب القلوب کا ہاتھ کام کر رہا تھا"

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

وہ خدا ہی ہے جس نے محمدؐ! اپنی نصرت اور مسلمانون کے ذریعے تجھکو قوت بخشی، اور اُسی نے مسلمانون کے دل باہم جوڑ دیئے اور اگر تو تمام دنیا کے خزانے بھی لٹا دیتا تو بھی انکے دلونکو نہ جوڑ سکتا لیکن خدا نے انکے دل باہم جوڑ دیئے وہ زبردست اور حکمت والا ہے

ہجرت کے بعد آنحضرت صلعم نے مہاجرین و انصار کے درمیان جو مواخاۃ اور برادری قائم کرائی تھی وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا،

قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات مین فتنہ و فساد فی الارض کو مکروہ ترین فعل انسانی قرار دیا، اور اس فعل کے مرتکب کے لیے سخت سزائین مقرر کین، چوری کے لیے قطع ید کی سزا متعین کی، رہزنی کے لیے قتل، پھانسی، قطع ید، اور جلا وطنی کی تعزیرین جاری کین، سورۂ مائدہ مین خونریزی اور قتل

سفاکی کے انسداد کے لیے قصاص کا قانون نازل ہوا،[1] ملک مین قیام امن کے لیے آنحضرت صلعم نے متعدد بار فوجین بھیجین، رہزن قبائل پر چھاپے مارے،[1] حجاز مین جن قبائل کا پیشہ چوری تھا وہ تائب ہوکر مسلمان ہوگئے،[2] فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے قوانین وضع ہوئے اور جابجا عمال کا تقرر ہوا،

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا۔ وہ انسانون کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی، ورنہ ایک پیغمبر کا فرض، ایک مقنن اور ایک عام مدبر کے فرائض سے بدرجہا بلند ہے، اسلام کے قانون تعزیرات نے جو کچھ کام کیا، قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیا صلعم کا فیض تلقین اس سے پہلے فرد قرار داد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا، قانون وخوف تعزیر صرف بازارون مین اور انسان کے عام مجمعون مین جرائم سے باز رکھ سکتا ہے، لیکن دعوت اسلام کے فیضِ اثر نے دلون کو بالکل خدا کے سامنے کردیا، جو رات کی تاریکیون مین بھی دیکھتا تھا، اور مقفل دروازون کی کھڑکیون سے بھی جھانکتا تھا۔ دفعۃً اب تمام ملک مین امن وامان تھا، اور عدی بن حاتم نے شہادت دی کہ انھون نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی پیشینگوئی کے مطابق صنعاء سے حجاز تک تن تنہا سفر کرتے تھے، اور خشیۃ الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ مین نہ تھا،[3] ایک یورپین مورخ جس کے قلم نے پیغمبر اسلام کی مدح کے لیے بہت کم جنبش کی ہے (مارگولیوس) وہ بھی ان الفاظ مین اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

> "محمد کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہین رہ گیا تھا آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دار السلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپ نے عرب کے

[1] دیکھو غزوات نبوی پر دوبارہ نظر۔ [2] صحیح بخاری ذکر غفار واسلم [3] صحیح بخاری

منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور
ان مین ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتون سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا[۱]"

بیرونی خطرات کے انسداد کے لیے خدا نے عجیب وغریب سامان پیدا کر دیے، قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیون نے اسلام کو پامال کرنا چاہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور چور تھے، ۳ھ سے لیکر ۷ھ تک متواتر لڑائیان پیش آئین اور آخر فتح خیبر پر ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہوگیا، رومیون نے اور حدود شام کے عیسائی عربون نے اسلام کے استیصال کا بیڑا اُٹھایا، عیسائی رؤسائے عرب مین سب سے زیادہ طاقتور اور پُرزور غسانی تھے، جو رومیون کے ہاتھ مین کٹ پتلی کی طرح کام کرتے تھے، بہرا، وائل، بکر، لخم، جذام اور عاملہ وغیرہ عرب قبائل اُنکے ماتحت تھے، ان کے علاوہ دومۃ الجندل، ایلہ، جرباء، اذرح، تبالہ اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی رئیس تھے، غسانیون کے حملہ کی ابتدا جس طرح ہوئی وہ اُوپر گذر چکا ہے، حارث بن عمیر جو شاہ بصرے کے دربار مین دعوت اسلام کا خط لیکر گئے تھے انکو غسانیون نے راستہ مین قتل کر دیا، آنحضرت صلعم نے تین ہزار مسلمانون کا ایک دستہ تادیب وانتقام کے لیے روانہ فرمایا، غسانی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر میدان مین آئے اور خبر تھی کہ رومی بھی اسیقدر فوج لیے ہوئے موقع سے قریب مواب مین پڑے ہین تاہم مُٹھی بھر مسلمان آدمیون کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانین کھو کر فوج کو میدان جنگ سے ہٹا لائے، اس جنگ کا نام غزوۂ موتہ ہے،

اس کے بعد ۹ھ مین غزوۂ تبوک پیش آیا، دم بدم خبرین آتی رہتی تھین کہ رومی حملہ آوری

---

۱ لائف آف محمدؐ مارگولیوس صفحہ ۱۷۴،

کے لیے عیسائی عربون کی ایک فوج گران ترتیب دے رہے ہین اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی فوج کو تقسیم کر چکے ہین۔ یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آراستگی مین مصروف ہین اور گھوڑون کی نعلبندی کرا رہے ہین، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے تیس ہزار صحابہ کے ساتھ پیش قدمی فرمائی اور بیس دن تک دشمنون کی آمد کا انتظار کرتے رہے، لیکن کوئی مقابل نہ آیا، تاہم اس پیشقدمی کا یہ فائدہ ہوا کہ غسانیون کے علاوہ تمام رؤسا نے رومیون کو چھوڑ کر اسلام کی حمایت قبول کر لی، سلہ مین زمانہ مرض الموت مین آنحضرت صلعم نے اسامہ بن زید کے زیر افسری رومیون کے مقابلہ کے لیے پھر فوجین روانہ فرمائین، لیکن اس مہم کا اختتام عہد صدیقی مین ہوا،

ایرانیون کی حکومت زندگی کے آخری دور کو پہنچ چکی تھی سلہ مین ~~وفات اسلام پہنچنے کے ساتھ~~ ہی بمقابلہ وجنگ یمن، عمان اور بحرین مین ان کی قبائے حکومت کا تار تار الگ ہو گیا،

غرض نو دس برس کی متواتر اور پیہم کوششون اور مافوق طاقت بشری تائیدات کے سبب سے اب تمام ملک مین امن و امان قائم ہو گیا، قریش اور یہود کی سازشون کا طلسم ٹوٹ گیا، قبائل کی خانہ جنگیان مٹ گئین، تمام رہزن اور ڈاکو جتھے رام ہو گئے، بیرونی خطرات کا انسداد ہو گیا، اب موقع ملا کہ صلح و آشتی کے ساتھ حسب فرمان الٰہی اصل مقصود کی طرف توجہ کی جائے،

لہ اوپر کے تمام واقعات کی تفصیل اور حوالے غزوۂ موتہ اور تبوک کے ذکر مین گذر چکے ہین۔

تبلیغ و اشاعتِ اسلام

سرورِ کائنات ؐ کا اصلی کام تمام عالم مین دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان، بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقۂ اسلام مین لانا تھا، اس کے لیے تیغ و خنجر اور فوج و عسکر کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی صدا، اطراف عالم مین پہنچ جانے پائے لیکن مکہ مین تیرہ برس تک اعداے اسلام اسی کے سدِ راہ رہے، حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور و دراز مقامات سے آتے تھے، آنحضرت صلعم ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھکو پیامِ حق پہنچانے سے روکتے ہین، تم اس کا موقع دلا دو اور خود دو، لیکن قریش کے اثر سے ہزارون لاکھون مین سے ایک بھی اسکی حامی نہین بھرتا تھا،

تاہم آفتابِ حق کی کرنین، ان کثیف بادلون مین سے بھی چھن چھن کر قلوب پر گرتی تھین اور اکناف و حوالی کو روشن کرتی جاتی تھین، اسلام کو صرف اشتہار و اعلان کی ضرورت تھی، اور یہ کام خود اعداے اسلام نے انجام دیا، جب حج کا زمانہ آتا تو روساے قریش عام گذرگاہون پر خیمے لگاتے، باہر کے لوگ اُن سے ملنے آتے اور چونکہ بعثت نبوی کا چرچا پھیل چکا تھا، لوگ اسکی حقیقت دریافت کرتے، اور نہ کرتے تو قریش خود حفظ ماتقدم کے لیے ان سے کہتے کہ ہمارے شہر مین ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودون کی توہین کرتا ہے، یہان تک کہ لات و عزے کو بُرا کہتا ہے"

بدعقیدہ کو عربی مین صابی" کہتے ہین، اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض، مثلاً نماز کی صورت، صابئین کے اعمال سے ملتے جلتے ہین، قریش نے آنحضرت صلعم کو صابی کا لقب دیا تھا، اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب مین آپ کا نام مشہور ہوگیا، صحیح بخاری کتاب المغازی مین ایک صحابی سے روایت ہے کہ "مین جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والون سے سنا کرتا تھا کہ مکہ مین ایک صابی پیدا ہوا ہے[1]"

ملک مین جب آپ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہور عام پر مخالف اثر پڑا اور ان مین سے کسی شخص نے آپ کی طرف رُخ نہین کیا، لیکن اتنا بڑا وسیع ملک اُن لوگون سے خالی نہین ہو سکتا تھا جنکو یہ شوق پیدا ہو کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ عرب مین ایسے لوگون کی خاصی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے، اور حق کے متجسس تھے، بعض لوگ اس حد سے ترقی کرکے حنفی بن گئے تھے جنکا تذکرہ آغاز کتاب مین گذر چکا ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین متعدد ایسے صحابہ کا تذکرہ کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرت صلعم کی تحقیق حال کے لیے مکہ مین آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے، حضرت ابو موسیٰ اشعری یمنی (اور طفیل بن عمرو دوسی یمنی) کے خاندان مین جو اسلام پھیلا اسکی ابتدا قیام مکہ ہی کے زمانہ مین ہوئی تھی،

طفیل بن عمرو کا اسلام،

(طفیل بن[2] عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا اور چونکہ عرب مین شعراء کا اثر بہت تھا، یعنی وہ قبیلہ کو جدھر چاہتے تھے جھونک دیتے تھے اس لیے قریش نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت صلعم کی خدمت مین نہ پہنچنے پائے، لیکن ایک دفعہ جب اُسنے اتفاقیہ آنحضرت صلعم کو قرآن مجید پڑھتے سنا تو

---

[1] کتاب المغازی صفحہ ۵۱۶۔ [2] اضافہ تا قصہ ابوذر۔

فوراً مسلمان ہوگیا[۱]، اور اُس کے اثر سے اُسی زمانہ مین قبیلۂ دوس مین بھی اسلام پھیلنے لگا[۲]، تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی، وہ رنجیدہ ہوکر آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور عرض کی یارسول اللہ! دوس نے نافرمانی کی اِن پر بددعا کیجیے، آپ نے ہاتھ اُٹھاکر دعا مانگی کہ "خدایا دوس کو ہدایت دے، اور اُن کو بھیج" اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا[۳]۔

عمرو بن عبسہ کا اسلام

عمرو بن عبسہ سلمی بھی انہین بزرگون مین ہین، جنھون نے لوگون کی زبانی یہ سنکر کہ مکہ مین ایک شخص پیدا ہوا ہے، جو بہت سی باتین بتاتا ہے، مشتاقانہ مکہ آئے، آنحضرت صلعم اُس وقت قریش کے مظالم کی بنا پر چھپے رہتے تھے، عمرو بن عبسہ کسی طرح آنحضرت صلعم کی خدمت مین پہنچگئے اور عرض کی کہ آپ کون ہین؟ آپنے فرمایا "مین پیغمبر ہون" اُنھون نے کہا "پیغمبر کس کو کہتے ہین؟" آپ نے فرمایا "خدا نے مجھے بھیجا ہے" اُنھون نے پھر پوچھا "کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟" ارشاد فرمایا "مجھے خدا نے یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے۔ بت توڑے جائین۔ خدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے" عمرو نے پوچھا "اِس مذہب کے کتنے پیرو ہین؟" آپ نے فرمایا "ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)" عمرو نے کہا "مین بھی آپ کی پیروی کرتا ہون" ارشاد ہوا کہ "ابھی تو یہ ممکن نہین تم دیکھتے ہو کہ مین کس حال مین ہون اور لوگون کا کیا حال ہے، میری کامیابی کا جب حال سنو تو میرے پاس آنا" چنانچہ عمرو واپس گئے اور ہجرت کے بعد جب لوگون کی زبانی آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو حاضرِ خدمت ہوئے[۴]

[۱] زرقانی۔ [۲] صحیح مسلم کتاب الایمان سے یہ مفہوم ہوتا ہے، [۳] صحیح بخاری باب قصۂ دوس۔ [۴] صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیہا۔

ضماد بن ثعلبہ کا اسلام

ضماد بن ثعلبہ، قبیلۂ ازد شنوءہ کے رئیس اور آپ کے زمانہ جاہلیت کے دوست تھے، وہ مکہ آئے تو سنا کہ محمدؐ کو جنون ہوگیا ہے، وہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے، وہ آپ کے پاس آئے کہ لاؤ میں تمہارا علاج کردوں آپ نے فرمایا الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ، ان فقروں نے ضماد پر غیر معمولی اثر کیا عرض کی، دوبارہ ارشاد فرمایئے، آپ نے پھر اعادہ فرمایا ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا اب وہ بالکل مسحور ہوگئے بولے "میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے زمزمے سنے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سنا یہ تو دریا کی تہ تک میں بھی اثر کر جائیگا، لایئے ہاتھ لایئے میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں" آپ نے انسے بیعت لی، پھر فرمایا اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت لو، چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کرلی۔

قبیلہ ازد کا اسلام

اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہوگئے ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا ادھر سے گذر ہوا تو افسر نے پوچھا کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے۔ ایک سپاہی نے کہا ایک لوٹا میرے پاس ہے، اسنے حکم دیا کہ واپس کردو[1])

حضرت ابوذر کا اسلام

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اس موقع پر خاص طرح پر ذکر کے قابل ہے

غفار کا قبیلہ جو قریش کی شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا جب یہاں یہ خبر پہنچی تو حضرت ابوذرؓ جو بت پرستی سے متنفر ہوچکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اسکی تعلیم اور تلقین کیا

---

[1] صحیح مسلم باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ

انیس مکہ میں آئے اور واپس جاکر بیان کیا کہ "وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے"، حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر جواب سے تسکین نہیں ہوئی، خود گئے، زاد سفر کے لیے مشک میں پانی، اور کچھ کھانے کو لے لیا، مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت صلعم کا نام پوچھ نہیں سکتے تھے۔ حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہوگئی، اُنھوں نے گھر پر لاکر مہمان رکھا لیکن تین دن تک اُن سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی، بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یہاں آنے کی کیا غرض ہے؟ اُنھوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و قرار لے لیا کہ کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے، حضرت علیؓ ان کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں لائے اور آپ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ، پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں گا اسکی تعمیل کرنا۔ لیکن اُن کو اسلام کا جوش تھا، عرض کی کہ "میں تو اسلام کا اعلان کرکے رہوں گا" غرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے کہ "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدًا رسول الله" اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے، اور ان کو مارنا شروع کیا حضرت عباسؓ نے آکر بچایا اور لوگوں سے کہا "تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمھاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہوکر گذرتا ہے اور یہ اسی قبیلہ کے آدمی ہیں" اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا۔ لیکن دوسرے دن حضرت ابوذرؓ نے حرم میں جاکر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا۔ اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہوچکا تھا۔ آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آگئے اور انھوں نے جان بچائی۔[1]

قبیلۂ غفار کا اسلام

حضرت ابوذر مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اُسی وقت

[1] یہ روایت تمامتر صحیح بخاری سے ماخوذ ہے۔ صحیح مسلم میں یہ واقعہ جس طرح منقول ہے۔ اس میں بہت سی باتیں اس سے الگ اور مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے۔

مسلمان ہوگیا۔ بقیہ آدمیون نے کہا کہ ہم اُس وقت اسلام کا اظہار کرین گے جب آنحضرت صلعم مدینہ مین آجائین۔ چنانچہ جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان[1] ہوگئی۔

قبیلۂ اسلم کا اسلام

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا۔ اور دونون قبیلون مین قدیم تعلقات تھے غفار کے اثر سے انہون نے بھی اسلام قبول کرلیا[2]، (حالانکہ یہ دونون قبیلے اسلام سے پہلے چوری[3] مین بدنام تھے۔ اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے)

اوس وخزرج کا اسلام

(موسم حج مین عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہوجاتا تھا، آپ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کے قیامگاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کی ایک معتدبہ جماعت نے اِسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ اسکے بعد جب حضرت مصعب بن عمیر داعی اسلام بناکر مدینہ منورہ بھیجے گئے

قیام مدینہ مین اشاعت اسلام

تو انکے فیض ملاقات سے چند ہی مہینون مین دو گھرانونکے سوا بقیہ تمام گھرانے مسلمان ہوگئے، ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل مین جیسا کہ اوپر گذرا غفار و اسلم نے اسلام قبول کرلیا، کچھ ہی دنونکے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا

بدر کے بعد بعض قریشیون کا اسلام

جسمین قریش کو شکست ہوئی اور ستر اشخاص مسلمانونکے ہاتھ مین قید ہوگئے، ان قیدیون کی رہائی کے لیے قریش نے مدینہ مین آمد و رفت شروع کی اس تقریب سے لوگون کو مسلمانون سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا۔ اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہوگئے،)

(ان مین) بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ ان کے کانون مین قرآن مجید کی آواز پڑگئی اور باوجود سخت عداوت کے ان کا دل پتھر سے موم بنگیا، جبیر بن مطعم بدر مین گرفتار ہوکر آئے تھے اور قیدیون کے ساتھ مسجد مین رہتے تھے۔ ایک دن آنحضرت صلعم یہ آیتین پڑھ رہے تھے

[1] (صحیح مسلم اسلام ابی ذر) [2] صحیح بخاری ذکر اسلم وغفار [3] حوالہ سابق،

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ۔

کیا یہ یون ہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے، یا ان لوگون نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا یا ان لوگون نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو یقین نہین ہے۔

جبیر بن مطعم کا اسلام

جبیر بن مطعم نے یہ آیتین سن لین تو ان کا بیان ہے کہ مجھکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کر گیا صحیح بخاری سورۂ طور مین یہ واقعہ مذکور ہے۔

پیشین گوئی روم کا اثر

(مکہ مین روم و فارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت صلعم نے جو پیشینگوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اُتری اور قرآن مجید کی پیشینگوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیون نے فارس پر فتح کلی پائی۔ اِس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلقِ کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا[1])

غرض اِس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا ۵ھ مین قریش، کنانہ، غطفان، اسد، اور دیگر قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ اس معرکہ کا نام احزاب ہے جسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ اِس شکست نے قریش کا عالمگیر اثر کسی قدر کم کیا۔ اور وہ قبائل جو قبول اسلام کے لیے آمادہ تھے لیکن قریش کے ڈر سے اُن کو اظہارِ اسلام کی ہمت نہین ہوتی تھی اُنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین وفود بھیجنے شروع کیے۔ سب سے پہلی سفارت جو آئی وہ قبیلہ

قبیلۂ مزینہ کا اسلام

مزینہ کی تھی جس مین چار سو آدمی شریک تھے، انھون نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ مین آجائین لیکن آپ نے فرمایا "تم جہان رہو مہاجر ہو[2]"

قبیلۂ اشجع کا اسلام

اسی زمانہ مین قبیلۂ اشجع کے سفراء جنکی تعداد سو تھی مدینہ مین آئے اور آنحضرت صلعم سے کہا کہ

---

[1] ترمذی تفسیر سورۂ روم [2] جزء طبقات ابن سعد متعلق وفود جزء اول قسم ثانی صفحہ ۳۰۔

ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے" آنحضرت صلعم نے
قبول فرمایا۔ اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول
کرلیا[1]۔

قبیلہ جہینہ کا اسلام

(جہینہ بھی انہیں قبائل کے آس پاس آباد تھے آنحضرت صلعم نے ان کو اسلام کی دعوت
دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لیکر مدینہ آئے اور مسلمان ہوئے اور اس کے بعد وہ اکثر غزوات
میں مسلمانوں کے شریک حال رہے[2]۔

غفار اسلم مزینہ اشجع اور جہینہ کی یہی اطاعت اور سابقیت اسلام تھی جسکی بنا پر آپ نے انکے
حق میں دعاے خیر فرمائی[3])

صلح حدیبیہ کا اثر

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں کفار اور مسلمان نہایت آزادی
کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس لیے منکروں کو خلوت وجلوت میں مسلمانوں کی تلقینات کے سننے
کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور مبارزات کے جس قدر لوگ اسلام لائے
تھے صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے افزوں تر ہوگئی چنانچہ جب ~~آنحضرت~~ صلعم ساتھ حدیبیہ کے

[1] جزو طبقات ابن سعد ذکر وفود صفحہ ۵۲ اصابہ تذکرہ ... صفحہ ۵۳ [2] بخاری جلد اول ذکر غفار و اسلم وجہینہ [3] بخاری
میں امام زہری کا قول ہے

فلما کانت الهدنة ووضعت الحرب اوزارها وامن الناس
کلهم بعضهم بعضا فالتقوا وتفاوضوا فی الحدیث والمنازعة
فلم یکلم احد بالاسلام یعقل شیئا الا دخل فیه فلقد
دخل فی تینک السنتین فی الاسلام مثل ما کان
فی الاسلام واکثر (ص ۱۵۱)

جب صلح ہوگئی اور لڑائی موقوف ہوگئی اور لوگ ایک دوسرے سے
... ملے جلے اور بات چیت ہوئی تو کوئی شخص ایسا نہ تھا
... اسلام قبول کر لیا چنانچہ
... ان دو برسون میں
... زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے)

ال اداے حج کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو صرف دو ہزار شخص ساتھ تھے۔ اب دو برس کے بعد ح مکہ کو چلے تو دس ہزار مسلمانون کا لشکر جرار ساتھ تھا۔

صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا کیونکہ اس معاہدہ مین صرف قریش اور کنانہ شریک ھے اس لیے جو لوگ براہ راست قریش کے زیر اثر یا ان کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے، وہ اب بھی ینہ پر حملہ کی طیاریان کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لیے آنحضرت صلعم کو کچھ کچھ فوجین بھیجنی پڑتی ن تاہم جن موقعون پر امن کا گمان ہوتا تھا وہان داعیان اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگون کو اسلام طرف بلائین لیکن چونکہ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے ان داعیون کے ساتھ تھوڑی بہت یست بھی ہوتی تھی اس لیے، ارباب سیر ان تبلیغی جماعتون کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے ہین۔

فتح مکہ کا اثر

تمام عرب تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا۔ اس لیے وہ انتظار کر رہے ے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے، عمرو بن سلمۃ ایک صحابی تھے جو مدینہ سے دور ایک گذرگاہ عام پر ہتے تھے ان کے یہ الفاظ صحیح بخاری مین منقول ہین[1]۔

نت العرب تلوم باسلامهم الفتح فيقولون لوه وقومه فانه ان ظهر عليهم فهو نبي ادق فلما كانت وقعة اهل الفتح بادر قوم باسلامهم

عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمد صلعم کو انکی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد صلعم ان پر غالب آگئے تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہین۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیشدستی کی۔

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ فتح مکہ۔

و[1] انما كانت العرب تربص بالاسلام امر
هذا الحيّ من قريش وامر رسول الله صلى
الله عليه وسلم وذلك ان قريشا كانوا امام
الناس وهاديهم واهل البيت والحرام
وصريح ولد اسمعيل بن ابراهيم عليهما
السلام وقادة العرب لا ينكرون ذلك
وكانت قريش هي التي نصبت لحرب رسول
الله صلى الله عليه وسلم وخلافه فلما افتتحت
مكة ودانت له قريش ودوخها الاسلام
عرفت العرب انه لا طاقة لهم بحرب
رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عداوته
فدخلوا في دين الله كما قال الله عز وجل الخ

اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے
تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا
اور کعبہ و حرم کے متولی اور حضرت اسمٰعیل کی خاص اولاد
اور عرب کے مانے تھے اور صرف قریش نے آنحضرت صلعم کی
مخالفت کے لیے جنگ برپا کی تھی تو جب مکہ فتح ہوگیا
اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام نے مکہ کو
پچھاڑ لیا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم کی جنگ اور عداوت کی طاقت
نہیں ہے، تو وہ خدا کے دین میں داخل
ہونے لگے جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن
میں کہا ہے (اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ
وَالْفَتْحُ)

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے میں جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی اب جب کہ باطل کا سنگ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے میں دیر نہ تھی

فتح مکہ کے بعد اب دعوت اسلام کے لیے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے داعی جہاں جائیں بے

[1] سیرت ابن ہشام ذکر واقعات سنہ ۹ھ و وفود۔ ۱۱

قتل کر دیے جائین اس بنا پر آنحضرت صلعم نے تمام اطراف عرب مین دعاۃ بھیجدیے کہ لوگون کو اسلام کے فضائل و محاسن بتا کر ان کو اسلام کی ترغیب دلائین۔

دعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کیے گئے،

(۱) حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغ اسلام کر سکین۔ حضرت خالد کو آنحضرت صلعم نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی لیکن تاکید تھی کہ بہ جبر پیش نہ آئین، چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کی دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہین کی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ حضرت خالد سپہ سالار اور فاتح تھے، واعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے، اِس بنا پر آنحضرت صلعم نے اب حضرت علی کو بھیجا اُنھون نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعۃً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وہ دعاۃ ہین جنکو علامۂ طبری نے ان لفظون سے تعبیر کیا ہے۔

قد کان رسول اللہ صلعم بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعوا الی اللہ عزوجل ولم یامرھم لقتال،	آنحضرت صلعم نے مکہ کے اطراف مین کچھ ٹکڑیان بھیجی تھین کہ لوگون کو خدا کی طرف بلائین لیکن اُنکو لڑنے کا حکم نہین دیا تھا۔

حضرت خالد کو قبیلۂ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا لیکن جب اُنھون نے کشت و خون کیا اور آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ کھڑے ہوگئے اور قبلہ رُخ دونون ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ خدایا! مین خالد کے فعل سے بری ہون، پھر حضرت علی کو بھیجا اُنھون نے ایک ایک مقتول کا خونبہا ادا کیا یہان تک کہ کُتّون کا بھی۔

(اشاعتِ اسلام کی غرض سے جو سلح جماعت اطراف ملک مین بھیجی جاتی تھی اس مین کبھی کبھی آپ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے۔ ان مین جو صاحب سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتے تھے اُن کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک بار اسی قسم کی فوج روانہ کرنا چاہی[۱] تو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا ان لوگون مین ایک کمسن نوجوان تھے آنحضرت صلعم اُن کے پاس آئے پوچھا تمھین کیا یاد ہے؟ اُنھون نے کہا کہ مجھکو سورۂ بقرہ اور فلان فلان سورتین یاد ہین آپ نے فرمایا تو تمھین اِن سب کے امیر ہو، (ترغیب وترہیب جلد اصفحہ ۲۵۹، بروایت ترمذی)

(۲) جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہان زکوۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لیے عمال بھیجے جاتے تھے، وہ اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس، زہد، اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے اور اس لیے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے، ان مین سے بعضون کے نام حسب ذیل ہین۔

نام	مقام	کیفیت
مہاجر بن ابی امیہ	صنعا یمن	حضرت ام سلمہ (زوجۂ نبوی) کے بھائی تھے۔
زیاد بن لبید	حضرموت	یہ اُن صحابہ مین ہین جو غزوۂ بدر مین شریک تھے
خالد بن سعید	صنعا یمن	سابقین اولین اور مہاجرین حبش مین ہین سب سے پہلے الی

(۱) اس روایت مین اگرچہ یہ تصریح نہین ہے کہ یہ فوج اشاعت اسلام کے لیے بھیجی گئی تھی صرف یہ الفاظ ہین۔

بعث بعثا وھم ذوو عدد یعنی آپ نے ایک بڑی جماعت بھیجی۔

تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف اشاعت اسلام تھا کیونکہ اگر یہی مقصود ہوتی تو حفظ قرآن کی ضرورت نہین ہوتی اور نہ آپ ہر ایک سے قرآن پڑھوا کر سنتے)

نام	مقام	کیفیت
		نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔
عدی بن حاتم	قبیلۂ طے (یمن)	مشہور صحابی ہین۔ حاتم طائی انہی کا باپ تھا۔
علاء بن حضرمی	بحرین	
حضرت ابو موسیٰ اشعری	زبید و عدن	ان کی دعوت اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے
		مشہور صاحب علم صحابی ہین،
حضرت معاذ بن جبل	جند	
جریر بن عبداللہ بجلی	ذوالکلاع حمیری	جریر مشہور صحابی ہین۔ ذوالکلاع حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے ایک موقع پر لاکھ آدمیون نے ان کو سجدہ کیا تھا، جریر کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی مین چار ہزار غلام آزاد کئے۔

(۳) (بعض لوگ مخصوص اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے، تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ملے ہین۔

نام	مقام دعوت	نام	مقام دعوت
علی بن ابی طالب،	قبیلۂ ہمدان و جذیمۂ مذحج	خالد بن ولید	اطراف مکہ
مغیرہ بن شعبہ	نجران	عمرو بن العاص	عمّان

سلہ اضافہ تا ذکر اسلام ابناسے یمن۔

نام	مقام	نام	مقام
وبر بن یحنس	ابناے فارس	مہاجر بن ابی امیہ	بطرف حارث بن عبد کلال شہزادۂ یمن
محیصہ بن مسعود	فدک		

(۴) دو ساسے قبائل بارگاہِ نبوت میں آکر مسلمان ہو جاتے تھے، اور کچھ روز یہاں قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے، ان اشخاص کے نام یہ ہیں۔

نام	مقام	کیفیت
طفیل بن عمرو دوسی	قبیلۂ دوس	
عروہ بن مسعود	ثقیف	
عامر بن شہر	ھمدان	
ضمام بن ثعلبہ	بنو سعد	
منقذ بن حبان	بحرین	
ثمامہ بن اثال	اطراف نجد	

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، فتح مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے دعاۃ اطراف مکہ میں بھیجدیے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی موقع کیطرف اشارہ کرتی ہیں

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ   جب خدا کی نصرت آئی [illegible] دیکھ لیا لوگوں [illegible]

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا ، فوج در فوج خدا کے مذہب مین داخل ہو رہے ہین۔

فتح مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج مین اعلان براءۃ ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بلا استثناء حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کر لیا[1]۔

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس برس مین صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام آگے نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان اِدھر اُدھر نظر آتے تھے لیکن ان دیوارون کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس مین ۹ھ تا ۱۱ھ مین اسلام کا اثر ایک طرف یمن۔ بحرین۔ یمامہ۔ عمان۔ اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا، یہ عرب کے وہ صوبے ہین جہان اسلام سے پہلے عربون کی بڑی بڑی حکومتین قایم تھین اور اس وقت بھی وہ روم و فارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتون کے زیر سایہ تھین۔ تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح اور امن کے سایہ مین اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائین خود بخود آنے لگین۔)

یمن (ملک عرب کے تمام صوبون مین یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے، اور نہایت قدیم زمانہ سے تمدن وتجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتین یہین قایم ہوئی تھین، ولادت نبوی سے تقریباً پچاس برس پہلے ۲۵ھ ق م مین حبشی عیسائیون نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادت نبوی کے چند سال بعد اہل ایران یہان کے مالک بن گئے تھے۔ ان کی طرف سے یہان ایک گورنر ہوتا تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔

یمن مین اسلام کی تحریک کے لیے متعدد عوائق موجود تھے۔ مثلاً اختلاف جنسیت کہ یمن

[1] طبری واقعات ۹ھ،

قحطانی تھے، داعی اسلام اسماعیلی، اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن و حکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور سے ان کی پیشروی کو تسلیم کرتا تھا، اور تمام عرب یمن وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ملک یمن جہاں کوئی باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اس خاندان سے شمار ہوتی تھی چنانچہ جب یمن سے قبیلۂ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا تو آنحضرت صلعم کو ایک عرب فرمان روا سمجھکر رئیس وفد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اور ہم ہم خاندان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا" ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں۔ نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے باپ سے انکار کرسکتے ہیں[1]"

یمن میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہوسکتا تھا کہ وہ پولیٹکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھا اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی یا عیسائی تھے۔ لیکن قبول حق کے لیے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی،

یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی، یمن میں دوس ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس طفیل بن عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہوگیا۔ اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لیے مکہ آیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کیا[2]، سنہ ھ میں آنحضرت صلعم خیبر میں تشریف فرما تھے۔ دوس کا قبیلہ مسلمان ہوکر دارالاسلام میں منتقل ہوگیا یمن کا ایک اور مشہور قبیلہ اشعر تھا، وہ بھی مہاجرین حبشہ کی ہجرت میں اسی زمانہ میں بلا تحریک خود بخود اسلام لایا۔ اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوا ابوہریرہ دوسی اور ابوموسیٰ اشعری انھیں قبائل کے

[1] (ابن حنبل۔ حدیث اشعث بن قیس و زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۴۰ مصر [2] ابن ہشام ذکر عرض الاسلام علی القبائل)

ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے تھے ،)

یمن مین ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرت صلعم نے (سنہ ھ کے آخر مین) اُن کو دعوت اسلام دینے کے لیے حضرت خالد کو بھیجا۔ خالد چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن ان لوگون نے قبول نہین کیا۔ بالآخر آنحضرت صلعم نے خالد کو بلا لیا اور حضرت علی کو بھیجا۔ حضرت علی نے ان لوگون کو جمع کر کے رسول اللہ صلعم کا نامہ مبارک پڑھکر سنایا، اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا۔ حضرت علیؓ نے جب اِس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت مین دی تو آنحضرت صلعم نے سجدہ کیا اور سر اُٹھاکر دو دفعہ فرمایا السّلام علی ھمدانؔ ،

(بعض روایتون مین ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اس کے قبول کے لیے تیار ہین۔ اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمھارے ساتھ ہین۔ عامر بن شہر جب دربار رسالت سے واپس آیا تو اُس کا دل نورِ اسلام سے معمور تھا، اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا۔ ممکن ہے کہ یہ دونون واقعے ہون۔ اور دونون کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔

لہ زرقانی بسند صحیح از بیہقی (اصل واقعہ بخاری جزء غزوات مین موجود ہے۔ لیکن ہمدان کی اس مین تخصیص نہین اور نہ انکے اسلام کا اس مین ذکر ہے) اس واقعہ کے متعلق اور بھی روایتین ہین لیکن وہ صحیح نہین چنانچہ خود مواہب لدنیہ نے تسلیم کیا ہے ان روایتون کا یہ مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگون نے حضرت علیؓ کے ڈر سے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن یہ راویون کا حسن ظن ہے واقعہ نہین (ایک روایت مین ہے کہ آپ نے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے ہمیشہ لڑا کرین اور اُن پر غارت گری کیا کرین۔ لیکن حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور ثقیف مکہ کے پاس طائف مین تھے۔ یہ حکم تو دو ہمسایہ قبیلون کو دیا جا سکتا تھا۔)

یمن مین حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے، ربیع الاول سنہ ۱۰ھ مین تین سو سوارون کی حفاظت مین آنحضرت صلعم نے پھر اُن کو یمن کے قبیلۂ مذحج مین تبلیغ اسلام کے لیے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرما دی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہون پیشدستی نہ کرنا۔ حضرت علیؓ جب مذحج کی سرزمین مین پہنچے تو مال گذاری وصول کرنے کے لیے اِدھر اُدھر لوگون کو متعین کیا، اِسی اثنا مین قبیلۂ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی، حضرت علیؓ نے اُنکے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن اُدھر سے اِس احسان کا جواب تیر اور پتھرون کی زبان سے ملا۔ یہ دیکھکر حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھیون کی صف آرائی کی مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑکر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانون نے اُن کا تعاقب نہ کیا کہ ان کا مقصود صرف مدافعت تھا، اِس کے بعد روساے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور اُنھون نے اسلام قبول کیا اور دوسرون کی طرف سے نیابۃً اسلام کا اعلان[1] کیا۔)

یمن مین فارس کے جو روسا قیام پذیر ہو گئے تھے۔ ان کو ابناء کہتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے سنہ ۱۰ھ مین وبر بن یحنس کو اُن کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا۔ وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھرانے کے بیٹون کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی، مرکبود، وہب بن منبہ کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ سب نے اسلام قبول کیا صنعا مین سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطا اور وہب بن منبہ[2] تھے۔

(عام[3] یمن مین تبلیغ اسلام کے لیے آنحضرت صلعم نے معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو نامزد

---

[1] حضرت علیؓ کی مہم یمن کا واقعہ تمام حدیث کی کتابون مین مذکور ہے لیکن یہ تفصیل ابن سعد جزو مغازی سے ماخوذ ہے
[2] طبری صفحہ ۱۷۶۳ - ([3] اضافہ تا بحرین۔)

فرمایا، دونون صاحب یمن کے ایک ایک ضلع مین بھیجے گئے چلتے وقت آپ نے ان لوگون کو جو باتین تعلیم فرمائین وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہین، آپ نے فرمایا" سہولت سے کام کرنا- سخت گیری نہ کرنا" لوگون کو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا- دونون ملکر کام کرنا تم کو ایسے لوگ ملین گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہین جب ان کے ہان پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا۔جب وہ اس کو تسلیم کرلین تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز وشب مین پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے جب یہ بھی مان لین تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔تم مین جو امیر ہون انسے لیکر جو غریب ہین ان کو دیدیجائے گی، دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کرلین تو چن چن کر اچھی اچھی چیزین نہ لے لینا مظلومون کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہین" حضرت ابو موسیٰ نے پوچھا یانبی اللہ! ہمارے ملک یمن مین جوَا اور شہد کی شراب بنتی ہے کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپ نے فرمایا ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام [۱] ہے")

نجران (یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب مین عیسائیت کا خاص مرکز تھا، آنحضرت صلعم نے مغیرہ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ ۶ھ سے پہلے اسلام لاچکے تھے۔ دعوتِ اسلام کے لیے نجران بھیجا، عیسائیون نے قرآن پر اعتراضات شروع کیے، یہ جواب نہ دیسکے اور واپس چلے آئے [۲]، اُسکے بعد آنحضرت صلعم نے دعوتِ اسلام کا ان کو خط بھیجا جس مین تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو۔ اور جزیہ دو [۳]۔ اہل نجران نے راہبون اور مذہبی پیشواؤن کی ایک جماعت کو دریافت

[۱] یہ پورا واقعہ بخاری جزء غزوات مین مذکور ہے۔ ہم نے بخاری کی مختلف روایتون کو یکجا کرلیا ہے [۲] ترمذی تفسیر سورۂ مریم۔ [۳] زرقانی بحوالہ بیہقی۔)

حال کے لیے مدینہ بھیجا۔ اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا،

نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی ان میں ایک قبیلہ حارث بن زیاد تھا جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لیے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا ربیع الآخر سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلعم نے خالد بن ولید کو وہاں دعوت اسلام کے لیے بھیجا حضرت خالد وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا حضرت خالد نے یہاں تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی[۱]،

یمن کے لیے خیر

اہل یمن کا بغیر کسی ترغیب و ترہیب کے خلوص دل سے قبول اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا، جو خاص رحمت الٰہی کا مستوجب نہو، جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ "کل اہل یمن آتے ہیں جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں[۲]" جب ہمدان مسلمان ہوا تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور ان کو غائبانہ سلامتی کی دعا دی[۳]" تمیم اور یمن کا وفد آیا تو آپ نے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا "تمیم بشارت قبول کرو!" بنو تمیم نے کہا "یا رسول اللہ! ہم نے بشارت تو قبول کرلی کچھ عطا بھی فرمائیے" آپ نے منہ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھکر کیا چیز ہوسکتی تھی پھر اہل یمن کی طرف رخ کرکے فرمایا "اے اہل یمن! تمیم نے بشارت قبول نہ کی، تم قبول کرلو" اہل یمن بے اختیار بول اٹھے "اے خدا کے رسول ہم نے قبول کیا[۴]" پھر آپ نے عام طور سے فرمایا "ایمان یمن کا ایمان ہے، اور دانائی یمن کی دانائی ہے"

مبلغین یمن اعنی حضرت علیؓ معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰؓ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے

(۱ زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ ۲ بخاری قدوم الاشعریین و اہل الیمن ۳ زرقانی بحوالہ بیہقی ۴ بخاری کتاب بدء الخلق و قدوم الاشعریین۔)

اور آنحضرت صلعم کے ساتھ حج ادا کیا، ان مبلغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نومسلم بھی حج و زیارت کو آئے،)

بحرین میں اسلام

بحرین سنہ۸ھ | بحرین ایران کی حدود حکومت مین داخل تھا، عرب کے قبائل وادیون مین آباد تھے جن مین مشہور اور با اثر خاندان عبد القیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے۔ ان مین سے عبد القیس کے قبیلہ مین سے منقذ بن حبان تجارت کے لیے نکلے، راہ مین مدینہ پڑتا تھا۔ وہان ٹھہرے آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو اُن کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی، انھون نے اسلام قبول کیا اور سورۂ فاتحہ اور اقرأ سیکھی، آنحضرت صلعم نے اُن کو ایک فرمان عنایت کیا، وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہین کیا لیکن ان کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی، انھون نے منقذ سے دریافت کیا، بحث و مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہوگئے۔ اور آنحضرت صلعم کا نامۂ مبارک لوگون کو سنایا۔ سب نے اسلام قبول کرلیا[1]۔

صحیح بخاری (کتاب الجمعہ) مین روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد مین ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی مین واقع ہے اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین مین ابتدائی زمانہ مین اسلام کی اشاعت ہوچکی تھی،

---

(۱) زرقانی بحوالہ کرمانی۔ قبیلۂ عبد القیس کی ایک سفارت کا ذکر صحیح بخاری مین ہے اور وہ اس زمانہ کے بعد کی ہے، بخاری کی روایت سے بھی اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عبد القیس اس سفارت سے پہلے ایمان لاچکے تھے اصابہ مین ابن شاہین سے جو روایت ہے وہ گو زرقانی کی روایت سے مختلف ہے اور رئیس سفارت کے نام مین اختلاف ہے تاہم اس قدر روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سفارت چھٹی ہجری سے پہلے کی ہے،،

اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگون نے چودہ[۱۴] شخصون کی ایک سفارت آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجی جسکے افسر منذر بن الحارث تھے ان کا قافلہ کاشانۂ نبوت کے قریب آیا تو یہ لوگ اسقدر بےتاب ہوئے کہ سواریون سے کود پڑے اور آنحضرت صلعم کے ہات چومے لیکن منذر کو پاس ادب ملحوظ تھا، اُنھون نے قیامگاہ پر جاکر کپڑے بدلے، پھر خدمت مین حاضر ہوکر دست بوسی[۱] کی،

سنہ ھ مین آنحضرت صلعم نے علاء حضرمی کو تبلیغ اسلام کے لیے بحرین بھیجا، اُس زمانہ مین یہان ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اُس نے اسلام قبول کیا اور اُس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہان مقیم تھے مسلمان ہوگئے[۲]

بحرین کے علاقہ مین "ہجر" ایک مقام ہے یہان ایران کی طرف سے سیبخت حاکم تھا آنحضرت صلعم نے اُس کے نام بھی خط بھیجا تھا، اور اُس نے بھی اسلام قبول کیا[۳]

عمان مین اسلام

عمان سنہ اس شہر پر قبیلہ ازد کا قبضہ تھا، اور عبید و جعفر یہان کے رئیس تھے سنہ مین آنحضرت صلعم نے ابوزید انصاری کو جو حافظ قرآن تھے اور عمرو بن العاص کو دعوت اسلام کا خط دیکر بھیجا دونون رئیسون نے اسلام قبول کیا اور وہان کے تمام عرب اُن کی ترغیب سے اسلام لائے[۴].

حدود شام مین اسلام

عرب شام سنہ ۹ شام کے اطراف مین جو عرب آباد تھے اُن مین متعدد ریاستین تھین، ان مین معان اور اُس کے اضلاع فروۃ بن عمرو کے زیر حکومت تھے لیکن وہ (فروۃ) رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے اُنھون نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہوگئے اور آنحضرت صلعم کی خدمت مین اظہار اسلام کے ساتھ ایک سفید خچر ہدیۃً بھیجا (سفید خچر) رومیون کو اُن کے اسلام کا

(۱) زرقانی بروایت بیہقی بسند جید، (۲) فتوح البلدان (۳) فتوح البلدان ذکر بحرین (۴) فتوح البلدان ذکر فتح عمان ۱

حال معلوم ہوا تو اُن کو گرفتار کرکے سُولی دیدی اُس وقت یہ شعر اُن کی زبان[1] پر تھا،

بَلّغ سراة المسلمین باننی (مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو۔

یسلمٌ لربّی اعظمی ومقامی کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار کی نام پر نثار ہی)

(شام اور عرب کے درمیان عذرہ، بلی، جذام وغیرہ قبائل آباد تھے، قبیلۂ بلی مین حضرت عمرو بن العاص رض کا ننہال تھا اِس لیے ایک جماعت کے ساتھ اُن اطراف مین بھیجے گئے۔ جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے تو اُن کو حملہ کا خوف ہوا۔ دربارِ نبوت مین اطلاع کی۔ وہان سے حضرت ابو عبیدہ رض کی ماتحتی مین بغرض حفاظت کچھ فوج بھیجدی گئی اِسی کو اہل سیر کی اصطلاح مین غزوہ ذات السلاسل کہتے ہین)

---

[1] ابن ہشام۔ اسلام فروہ۔ ذکر فروہ۔

وفودِ عرب

(جن لوگون نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کرلینے کے بعد خود بارگاہ نبوت مین جاکر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا، ارباب سیر "وفود" کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہین۔ اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔ ابن سعد مین ستتر وفود کا تذکرہ ہے۔ دمیاطی مغلطائی۔ زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہین لیکن مصنف سیرت شامی نے زیادہ استقصا کیا ہے۔ اور ایک سو چار وفود کے حالات بہم پہنچائے ہین۔ اگرچہ ان مین کہین کہین ضعیف روایتون سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام مبہم ہین تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحاق کی روایت سے کہین زیادہ ہے۔ حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان مین سے صرف ۳۴ وفود کی تفصیل کی ہے)

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلۂ اخیر کا انتظار کر رہا تھا، مکہ فتح ہوچکا تو یہ انتظار جاتا رہا۔ اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دار الاسلام مین جاکر کوئی فیصلہ کرے۔ اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہوچکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ مین سرکشی نہین کرسکتے لیکن خیبر وغیرہ کی نظیرون سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہین ہین۔ بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کرکے ان کی سابق حالت قایم رہ سکتی ہے۔

فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتین آنی شروع ہوگئین اور بجز چند کے باقی جسقدر سفارتین آئین انھون نے بارگاہ نبوت مین پہنچکر دیکھا کر اپ آئے تو ایمان کی دولت سے

مالامال آئے

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا، بنوتمیم، بنوسعد، بنوحنیفہ، بنواسد، کندہ، سلاطین حمیر، ہمدان، ازد، اور طے تھے، ان تمام قبائل کی سفارتیں دربار نبوت میں آئیں، ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں یعنی جنکا مقصد صرف یہ تھا کہ بہ حیثیت فاتح کے آنحضرت صلعم کے ساتھ معاہدہ کرلیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہوکر اُس کے حلقہ میں آجائیں۔

یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ھ و ۹ھ اور ۱۰ھ میں آئے لیکن تسلسل بیان کے لیے اس سے پہلے کے چند وفود کا ذکر کرنا بھی موزوں ہوگا۔

مزینہ | یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مضر تک پہنچکر قریش کے خاندان سے ملجاتا ہے۔ نعمان بن مقرن مشہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے، اسی قبیلہ سے تھے۔ اصفہان انہی نے فتح کیا تھا۔ ۵ھ میں اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بنکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے، اور اسلام لائے[1]۔ عراقی نے سیرت منظوم میں لکھا ہے۔

اوّل وفد وفد المدینہ — سب سے پہلا وفد جو مدینہ میں آیا وہ

سنۃ خمس وفدوا مزینہ — مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵ھ میں آیا،

بنوتمیم | بنوتمیم کے وفود بڑی شوکت وشان سے آئے، قبیلہ کے تمام بڑے بڑے روسا مثلاً اقرع بن حابس، زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید سب اس سفارت میں شامل تھے۔ عیینہ بن حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا،

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ، (ترجمہ نعمان بن مقرن) وابن سعد جزء وفود صفحہ ۳۸)

یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے، تاہم عربی فخر و غرور کا نشہ ابھی باقی تھا، دربار نبوت یعنی مسجد نبوی میں پہنچے تو آنحضرت صلعم گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آستانہ اقدس پر جاکر پکارے کہ محمد! (صلعم) باہر آؤ۔ آنحضرت صلعم باہر تشریف لائے، تو بولے کہ محمد! (صلعم) ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں، آپ نے اجازت دی عطارد بن حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیروان کے دربار سے حسن تقریر کے صلہ میں کمخواب کا خلعت حاصل کیا تھا اُٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پُر زور تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا

خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج و تخت، خزانہ ہائے گران بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز تر ہیں۔ ہماری برابری آج کون کرسکتا ہے، ہماری ہمسری کا جسکو دعویٰ ہو وہ خصائل اور فضائل گنائے جو ہم گنائے ہیں"

عطارد خطبہ دیکر بیٹھ گیا تو آنحضرت صلعم نے ثابت بن قیس کو جواب دینے کا اشارہ کیا، انھوں نے جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ تھا۔

اُس خدا کی تعریف جسنے زمین اور آسمان بنائے، اُسنے ہمکو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا، جو سب سے زیادہ شریف النسب سب سے زیادہ راست گفتار سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا وہ تمام عالم کا انتخاب تھا، اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی۔ اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور انکے بعد ہم (انصار) نے دعوت اسلام پر لبیک کہا، ہم لوگ انصار الٰہی اور وزراے رسالت ہیں

[illegible] ہیں ہو چکیں تو اشعار کی باری آئی تمیم کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان بن بدر نے

[illegible] اصابہ فی احوال الصحابہ۔

قصیدہ پڑھا

نحن الکرام فلاحی یعادلنا — ہم شرفاے قوم ہین،کوئی قبیلہ ہمارا ہمسہ نہین ہوسکتا

منا الملوک وفینا تنصب البیع — ہم مین تخت نشین ہین اور ہم کلیساؤن کے بانی ہین۔

روایتون مین آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ مین آکر خطبہ دیا تو اُسکی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ بنادیا اس وقت آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ان من البیان لسحرا یعنی بعض تقریرون مین جادو ہوتا ہے۔ اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبرقان تقریر کر چکے۔ آنحضرت صلعم نے دربار رسالت کے شاعر یعنی حسان بن ثابتؓ کی طرف دیکھا۔ انھون نے برجستہ کہا،

ان الذوائب من فھر واخوتھم — شرفائے قبیلہ فہر و برادران فہر نے لوگون کو

قد بینوا سنۃ للناس یتبعوا — وہ راستہ بنادیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہین۔

ارکان سفارت مین اقرع بن حابس عرب کا مشہور حکم تھا یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اُس کے پاس جاتا تھا اور اُس کے فیصلون پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا اُسکو یہ دعوی تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالت مین آیا تو آنحضرت صلعم سے کہا[1]

ان حمدی لزین وان — مین جس کی تعریف کردون وہ چمک جاتا ہے

ذمی لشین، — اور جسکو برا کہدون اسکو داغ لگ جاتا ہے

نظم ونثر کی معرکہ آرائی ہوچکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب اور شاعر دونون

---

[1] اصابہ تذکرہ اقرع بن حابس۔

ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہین، پھر سب نے اسلام قبول کیا۔

بنوسعد بنوسعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بناکر بھیجا، وہ جس طرح آنحضرت صلعم کے دربار مین آئے اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی اُس سے عرب کی اصلی سادگی اور آزادروی کا اندازہ ہوسکتا ہے صحیح بخاری مین متعدد موقعون پر اس کا ذکر ہے، کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے

حضرت انس بن مالک کہتے ہین کہ ہم لوگ دربار رسالت مین حاضر تھے، ایک شخص ناقہ پر سوار آیا، اور صحن مسجد مین آکر ناقہ سے اترا، پھر حاضرین سے پوچھا "محمد (صلعم) کس کا نام ہے؟" لوگون نے آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہین" پاس آکر کہا "اے عبدالمطلب کے بیٹے!" آپ نے فرمایا "مین جواب دیچکا" بولا کہ "مین تم سے کچھ باتین پوچھونگا، لیکن سختی سے پوچھون گا اُس پر ناراض نہونا!" ارشاد ہوا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو" بولا کہ "اپنے خدا کی قسم کھاکر کہو، کیا تمکو خدا نے تمام دنیا کے لیے پیغمبر بناکر بھیجا ہے" آپ نے فرمایا "ہان" پھر قسم دلا کر پوچھا کہ "کیا تمکو خدا نے پنجوقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟" اسی طرح زکوۃ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا اور آپ برابر "ہان" فرماتے جاتے تھے۔ جب سب احکام سُن لیے تو کہا کہ "میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور مجھکو میری قوم نے بھیجا ہے۔ مین جاتا ہون اور جو تمنے بتایا ہے مین اُس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کرون گا نہ کم۔" وہ جاچکا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر یہ سچ کہتا ہے تو اُسنے فلاح پائی"[1]

ضمام نے واپس جاکر اپنی قوم سے کہا کہ "لات وعزی کوئی چیز نہین" لوگون نے کہا "کیا کہتے ہو۔ تمکو جنون یا جذام نہو جائے" انھون نے کہا، خدا کی قسم وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہین نہ ضرر

[1] یہ روایت صحیح بخاری مین مختلف ابواب مین منقول ہے۔

مین توخدا اور محمد صلعم پر ایمان لاتا ہون" اُنکی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہین ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد بچے سب مسلمان ہوگئے تھے[1]۔

اشعریین ۷ھ | یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابوموسے اشعری اسی قبیلہ سے ہین ان لوگون نے جب آنحضرت صلعم کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن شخصون نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا اسی قافلہ مین حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے، یہ لوگ جہاز مین سوار ہو کر چلے لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش مین پہنچا دیا۔ وہان حضرت جعفر طیار موجود تھے، وہ اپنے ساتھ لیکر عرب کو روانہ ہوئے۔ اس زمانہ مین خیبر فتح ہوچکا تھا اور آنحضرت صلعم یہین تشریف فرما تھے چنانچہ یہین لوگون نے شرف باریابی حاصل کیا۔

یہ صحیح مسلم (فضائل اشعریین) کی روایت ہے۔ صحیح بخاری مین ہے کہ جب اشعریون کا وفد آیا تو آنحضرت صلعم نے صحابہ سے فرمایا کہ تمھارے ہان یمن کے لوگ آتے ہین جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہین۔

مسند احمد بن حنبل مین حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوش مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے۔

غدا نلقی الاحبۃ	(کل ہم دوستون سے ملین گے یعنی
محمدًا و حزبہ	محمدؐ اور پیروان محمدؐ سے۔)

(بارگاہِ نبوت مین پہنچے تو عرض کی "یا رسول اللہ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہین کہ اپنے

[1] ابن ہشام۔

مذہب کے کچھ احکام سیکھیں اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں۔ آپ نے فرمایا "سب سے پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا۔ اس کا تخت پانی پر تھا"[1]

دوس سنہ | دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے حضرت ابوہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہیں۔ اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمرو تھے وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت صلعم کے پاس نہ جائیں لیکن اتفاقاً ایک دفعہ حرم میں گئے آنحضرت صلعم نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن مجید سنکر متاثر ہوئے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مجھکو اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔ آپ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے۔ وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے اس لیے لوگوں نے تامل کیا۔ طفیل نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر یہ حقیقت بیان کی۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا "الٰہی دوس کو ہدایت دے"۔ پھر طفیل سے ارشاد فرمایا کہ جا کر نرمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ غرض دعائے نبوی کی برکت اور طفیل کی ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی خاندان جن میں حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے

بنو حارث بن کعب سنہ ۱۰ھ | یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا آنحضرت صلعم نے حضرت خالدؓ کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا یہ لوگ نہایت خلوص سے اسلام لائے آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا۔ چنانچہ قیس بن الحصین و یزید بن عبد المدان وغیرہ آنحضرت صلعم کی خدمت

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الخلق۔ [2] اصابہ و زاد المعاد ذکر وفود۔

مین حاضر ہوئے۔ چونکہ اکثر معرکون مین قبائل عرب پر غالب رہتے تھے آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمھارے غلبے کے کیا اسباب تھے، بولے کہ ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے، اور کسی پر ظلم نہین کرتے تھے آپ نے قیس کو اُن کا رئیس مقرر کیا۔[1]

قبیلۂ طے ۹ھ | یمن مین طے نہایت نامور قبیلہ تھا، اس قبیلے کے رؤسا دو تھے، زید الخیل، و عدی بن حاتم طائی تھے اور اُن کے حدود حکومت الگ الگ تھے۔

زید۔ زمانۂ جاہلیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش جمال، فیاض بہادر تھے ۹ھ مین یہ چند عزیز اشخاص کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اُنھوں نے مع اپنے ساتھیون کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا یہ دلاوری کی وجہ سے زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے آنحضرت صلعم نے اس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا۔[2]

عدی بن حاتم ۹ھ | عدی، مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے سردار، اور مذہباً عیسائی تھے سلاطین عرب کی طرح انکو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔ جس زمانہ مین اسلامی فوجین یمن گئین۔ یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ مین آئین۔ آنحضرت صلعم نے ان کو بڑی عزت و حرمت سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس گئین، اور کہا کہ جسقدر جلد ہو سکے آنحضرت صلعم کی خدمت حاضر ہو۔ وہ پیغمبر ہون یا بادشاہ ہر حال مین اُن کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدی مدینہ آئے آنحضرت صلعم مسجد مین تھے۔ عدی نے مسجد مین جاکر سلام کیا آپ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا۔ پھر اُنکو لیکر گھر کی طرف چلے۔ اسی اثنا مین ایک بڑھیا آگئی اُسنے آپ کو روک لیا اور دیر تک آپ سے

---

[1] اصابہ و زاد المعاد۔ [2] ایضاً۔

کسی کام کے متعلق باتین کرتی رہی، عدی خود رئیس تھے۔ شام مین رومیون کا دربار دیکھا تھا اُن کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اِس مساوات سے پیش آتا ہے۔ اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہین ہے۔ آنحضرت صلعم گھر مین تشریف لائے، چمڑے کا ایک گدا تھا، اُس کو عدی کی طرف بڑھایا، یہ اصرار کے بعد اُس پر بیٹھے۔ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "کیون عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے، لیکن یہ تو تمہارے مذہب (نصرانیت) مین جائز نہین ہے[1]،

پھر فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ بولے کہ نہین! پھر پوچھا کہ خدا سے کوئی بڑا ہے؟ بولے کہ نہین، آپ نے فرمایا کہ یہودیون پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہین[2]"

غرض عدی نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردہ کے زمانہ مین بھی اُن پر کچھ اثر نہین پڑا،

باپ کی سخاوت کا اثر ان مین بھی تھا ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سو روپیے طلب کیے، بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو، بخدا ہرگز نہ دون گا[3]،

وفد ثقیف (یاد ہوگا کہ) جب آنحضرت صلعم طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہ نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق مین بد دعا فرمائین، آپ نے جن لفظون مین دعا فرمائی تھی یہ تھی

اللھم اھد ثقیفا و ائت بھم — اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور انکو میرے پاس بھیج،

یہ دعا گویا شمۂ ربانی کا ایک اعجاز تھی۔ وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہوا، صداقت کے جلال نے آستانۂ اسلام پر اس کی گردن جھکا دی۔

---

[1] ابن ہشام اسلام عدی بن حاتم [2] مسند امام احمد حدیث عدی و ترمذی تفسیر فاتحہ [3] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عدی۔

طائف دو رئیسون کے قبضہ مین تھا جن مین ایک عروۃ بن مسعود تھے جنکی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام الٰہی اترتا تو ان پر اترتا۔ عروۃ اگرچہ اب تک اسلام نہین لائے تھے، لیکن مادۂ قابل رکھتے تھے، حدیبیہ کی صلح بھی ان ہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرت صلعم جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے اِن کو اسلام کی توفیق دی، آنحضرت صلعم مدینہ نہین پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمت اقدس مین حاضر ہوئے اور اسلام لاکر واپس گئے۔ واپس جاکر اُنھون نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگون کو اسلام کی ترغیب دی۔ لوگون نے اُن کو بہت برا بھلا کہا، صبح کو جب اپنے بالاخانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیرون کا مینھ برسا، یہانتک کہ وہ شہید ہوگئے، مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف مین جو مسلمان شہید ہوچکے ہین اُنھی کے پہلو مین دفن کیے جائین۔

(عروہ کا خون رائگان نہین جاسکتا تھا صخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سنکر کہ آنحضرت صلعم طائف کا محاصرہ کئے ہوئے ہین، کچھ سوار لیکر چل کھڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے اُس وقت پہنچا جب آپ طایف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے، صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طایف آنحضرت صلعم کی اطاعت قبول نہ کرلین گے، مین قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑونگا۔ آخر اہلِ طایف نے اطاعت قبول کرلی، صخر نے خدمتِ نبوی مین اطلاع کی تو آپ نے مسجد نبوی مین تمام لوگون کو جمع کیا، اور احمس کے لیے دس بار دعا فرمائی[1] چند روز کے بعد اہلِ طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لاچکا، اب ہم اکیلے کیا کرسکتے ہین۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کرکے آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجے جائین۔

---

[1] (ابوداؤد باب اقطاع الارضین)

اُن کی سفارت نے مدینہ کا رُخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ دوڑے کہ آنحضرت صلعم کو جاکر خبر کریں، راہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے، اُن کو معلوم ہوا تو مغیرہ کو قسم دلائی کہ یہ خوشخبری پہلے مجھ کو پہنچانے دو۔

مغیرہ نے اِن لوگوں کو تعلیم دی کہ دربار رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا لیکن یہ لوگ اپنی قدیم دستور کے موافق آداب بجا لائے۔

عبد یالیل، طائف کا مشہور رئیس، امیر الوفد تھا، آنحضرت صلعم نے اُن لوگوں کو (اگرچہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبوی میں اُتارا (کہ مسلمانوں کی عبادت و استغراق کو دیکھیں تاکہ متاثر ہوں) یہ لوگ صحن مسجد میں خیمے نصب کرا کر ٹھہرائے گئے۔ نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے۔ لیکن خود شریک نہیں ہوتے تھے، آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ خطبہ میں اپنا نام بھی لیتے تھے، اِن لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت صلعم نے سنا تو فرمایا کہ میں [illegible] شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادۂ الٰہی ہوں۔

[illegible] عثمان بن ابی العاص سب سے کم عمر [illegible] تھے تو اُن کو اسباب کی حفاظت کے لیے [illegible] میں چھوڑ آتے تھے [illegible] اُنکا [illegible] حاضر ہوتے [illegible] اور [illegible] اسلام [illegible]

له ابوداود باب ما جاء فی خبر الطائف

آنحضرت صلعم ہمیشہ ان لوگون کو اسلام کی تبلیغ کرتے (نماز عشا کے بعد ان کے پاس تشریف لیجاتے اور کھڑے کھڑے اُن سے باتین کرتے، زیادہ تر مکہ مین قریش کے ہاتھ سے جو اذیتین اُٹھائی تھین اُنکو بیان فرماتے۔ مدینہ مین آکر جو لڑائیان پیش آئین اُنکا بھی تذکرہ فرماتے[۱]۔) بالآخر اُن لوگون نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرطین پیش کین۔

۱ زنا ہمارے لیے جائز رکھی جائے۔ کیونکہ ہم مین سے اکثر مجرّد رہتے ہین۔ اور اس لیے انکو اس سے چارہ نہین۔

۲۔ ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعۂ معاش سود ہی، اس لیے سود خواری جائز رکھی جاسے

۳۔ شراب سے نہ روکا جائے۔ ہمارے شہر مین کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے، اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینون درخواستین نامنظور ہوئین۔ بالآخر ان لوگون نے کہا اچھا ہم یہ شرطین واپس لیتے ہین، لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بت، جسکا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپنے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائے گا، یہ سنکر اُن کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص اُن کے خدائے اعظم کو ہات بھی لگا سکتا ہے! بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دیگا۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو منات صرف ایک پتھر ہے۔ ان لوگون نے کہا عمر! ہم تمہارے پاس نہین آئے۔ یہ کہکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کی کہ ہم منات کو ہات نہین لگا سکتے۔ آپ جو چاہین کرین لیکن ہمکو اس

---

[۱] (ابو داؤد، باب تحزیب القرآن)

جرارت سے معاف رکھا جائے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی۔[1]

ان لوگوں نے نماز، زکوۃ، اور جہاد سے مستثنے ہونے کی بھی درخواست کی، نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی، وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے! لیکن زکوۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے، اور جہاد فرض کفایہ ہے، ہر شخص پر واجب نہیں اور واجب بھی ہو تو اسکے خاص مواقع ہیں روز کا کام نہیں۔ اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کرلیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آجائیگی حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلعم کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لاچکیں گے تو زکوۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کرینگے۔[2] (چنانچہ دو ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کرلیا ہو[3])

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت صلعم نے ابوسفیان اور مغیرۃ بن شعبۃ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جاکر توڑ آئیں مغیرہ نے طائف پہنچکر بتکدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔[4]

الا ابکین دفاع	(لوگوں پر رو، کہ بت پرستوں
اسلمها الرضاع	نے اپنے بتوں کو دشمنوں کے
لم یحسنوا المصاع	سپرد کر دیا، اور شمشیرزنی نہ کر سکے)

[1] زاد المعاد بحوالہ مغازی موسے بن عقبہ۔ [2] ابوداود کتاب الخراج والامارۃ باب ما جاء فی خبر الطائف، [3] اصابہ ترجمہ جبیر بن حیہ ثقفی [4] تاریخ طبری۔

(عربون مین کثیر الازواجی کی عام عادت تھی، قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن سلمہ کی دس بیویان تھین جب وہ مسلمان ہوا احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویون سے اُسکو مفارقت کرنی پڑی[1]۔)

وفد نجران ۹ھ

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے۔ جہان عیسائی عرب آباد تھے یہان عیسائیون کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا۔ جسکو وہ کعبہ کہتے تھے، اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، اس مین بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے جنکا لقب سید اور عاقب تھا عرب مین عیسائیون کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا، اعشیٰ اسی کی شان مین کہتا ہے۔

وکعبۃ نجران حتم علیک حتی تناخی بابوابھا

نزور یزید او عبدالمسیح وقیسا ھم خیر اربابھا

یہ کعبہ تین سو کھالون سے گنبد کی شکل مین بنایا گیا تھا۔ جو شخص اُسکے حدود مین آجاتا تھا وہ مامون ہوجاتا تھا۔ اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی[2]۔

آنحضرت صلعم نے ان کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اُس کعبہ کے محافظ اور ائمۂ مذہب ساٹھ آدمیون کے ساتھ مدینہ مین آئے۔ آنحضرت صلعم نے انکو مسجد مین اتارا، تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگون نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے روکا لیکن آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگون نے مشرق کی طرف منہ کرکے نماز ادا کی۔ ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا، نہایت محترم اور فاضل شخص تھا۔ قیصر روم نے اسکو یہ منصب عطا کیا تھا اور اُس کے لیے گرجے

---

[1] (جامع ترمذی و ابو داؤد کتاب النکاح) [2] یہ تمام تفصیل معجم البلدان مین ہے پہلا فقرہ فتح الباری سے ماخوذ ہے جہان وفد نجران کا ذکر ہے۔

اور مسجد نبوی میں ٹھہرے[1]

ان لوگوں نے آنحضرت صلعم سے مختلف مذہبی مسائل پوچھے اور آپ نے وحی کی رو سے ان کا جواب دیا۔

ان کے زمانۂ قیام میں سورۂ آل عمران کی ابتدا کی اسّی آیتیں اتریں۔ ان آیتوں میں انکے سوالات کا جواب تھا جس آیت میں دعوت اسلام کی تشریح تھی وہ یہ ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۔ (آل عمران)

کہدے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں تم میں دونوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ قرار دے پھر اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہدو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

آنحضرت صلعم نے جب انکو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب پوجتے ہو، یسوع کو خدا کا بیٹا کہتے ہو، کیونکر مسلمان ہو سکتے ہو؟ جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت صلعم نے وحی کے مطابق ان سے کہا کہ اچھا مباہلہ کرو، یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل و عیال کو لیکر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ

تو جو شخص تجھ سے علم آنے کے بعد بھی جھگڑا کرتا ہے اس سے

---

[1] زاد المعاد ابن قیم۔

مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝
(آلِ عمران)

کہدے کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتون کو اور خود اپنے آپ کو بلائین، پھر مباہلہ کرین اور خدا سے دعا کرین کہ ہم مین سے جو جھوٹا ہو، اُس پر خدا کی لعنت ہو۔

لیکن جب آنحضرت صلعم حضرت فاطمۂ زہراؑ اور امام حسن وحسین علیہما السلام کو لیکر مباہلہ کے لیے نکلے، تو خود اُنکی جماعت مین سے ایک شخص نے راے دی کہ مباہلہ نہین کرنا چاہیے؛ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائین گے، غرض ان لوگون نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

بنو اسد، ۹ھ | یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیون مین قریش کا دست و بازو تھا، طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی قبیلہ سے تھا۔ ۹ھ مین یہ لوگ بھی اسلام لائے، اور سفارت بھیجی لیکن ابتک اُن کے دماغ مین فخر کا نشہ باقی تھا، سفراء دربارِ رسالت مین آئے تو احسان کے لہجہ مین کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہین بھیجی بلکہ ہمنے خود اسلام قبول کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا
عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ
هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
(سُوْرَۂ حجرات)

یہ لوگ تمپر احسان رکھتے ہین کہ ہم اسلام لائے، کہدو کہ مجھپر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو۔ بلکہ خدا تمپر احسان رکھتا ہے کہ تمکو ایمان لانے کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔

بنوفزارہ سنہ ۹ھ | یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا، عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے، اس قبیلہ نے رمضان سنہ ۹ھ مین جب آنحضرت صلعم تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا، اور اسلام قبول کیا[1]،

کندہ سنہ ۱۰ھ | یہ حضرموت (یمن) کے اضلاع مین سے ایک شہر تھا، یہان کندی خاندان کی سلطنت تھی۔ اس زمانہ مین اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے، یہ سنہ ۱۰ھ مین اسی سوارون کے ساتھ بڑی شان وشوکت سے، حیرۃ کی چادرین جنکے سنجاف حریر کے تھے کاندھون پر ڈالے بارگاہ نبوی مین حاضر ہوئے، یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، آنحضرت صلعم نے انکو دیکھکر فرمایا "کیا تم اسلام نہین لا چکے ہو؟" بولے "ہان" آپ نے فرمایا کہ "پھر یہ حریر کیسا؟" ان لوگون نے فوراً چادرین پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دین[2]۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین اپنی بہن (ام فروہ) سے انکی شادی کردی تھی۔ نکاح ہوچکا تو فوراً اٹھکر اونٹون کے بازار مین پہنچے، اور جو اونٹ سامنے آیا تلوار سے اسکی کوچین اڑا دین، تھوڑی دیر مین بیسون اونٹ زمین پر پڑے تھے۔ لوگون کو حیرت ہوئی، انہون نے کہا، مین اپنی دارالریاست مین ہوتا تو اور ہی سروسامان ہوتا۔ یہ کہکر اونٹون کے دام دے دیئے۔ اور لوگون سے کہا یہ آپ کی دعوت ہے[3]۔

یہ جنگ قادسیہ و یرموک مین شریک تھے، اور صفین مین حضرت علیؓ کے ساتھ تھے،

عبدالقیس | یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گزر چکا، بحرین کا باشندہ تھا۔ یہان اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی سنہ ۸ھ مین یا اس سے آگے پیچھے زمانہ مین خدمت نبوی مین حاضر ہوئے

---

[1] زرقانی [2] ابن ہشام وفد کندہ [3] اصابہ۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہین فرمایا "مس حبالاخن ایاولا ندامی"، پھر ان لوگون نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہمارا ملک بہت دُور ہے (بحرین) اور بیچ مین کفار مضر کی آبادیان ہین، ہم اشہر حرم کے سوا اور مہینون مین نہین آسکتے چند ایسی باتین تلقین فرمائیے، جنپر ہمیشہ عمل کرین، اور اپنے اہل وطن کو بھی انکی تعلیم دین۔ ارشاد ہوا کہ مین تمکو چار باتون کا حکم دیتا ہون۔ خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور خمس دو، اور چار چیزون سے منع کرتا ہون، دُبّا، حنتم، نقیر، مزفّت،

دُبّا، حنتم، نقیر، مُزفّت، یہ عرب مین چار قسم کے برتن ہوتے تھے، جنمین رکھکر شراب بنائی جاتی تھی۔ آنحضرت صلعم کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ مین جو مخصوص عیوب ہوتے تھے، اُن کے پند و موعظت مین انھین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، لوگون کو تعجب تھا کہ حضور نے ان ظروف کا کیون مخصوص طور سے ذکر فرمایا، چنانچہ انہون نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟" ارشاد فرمایا "ہان کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کے تم اس مین پانی ڈالتے ہو، جب اُبال کم ہو جاتا ہے تو اُس کو پی کر اپنے بھائیون پر تلوار چلاتے ہو"، اتفاق یہ کہ وفد مین ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گذرا تھا۔ انکی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا۔ اور اُسکو وہ شرم سے چھپائے[1] تھے۔

بعض روایتون مین ہے کہ عبد القیس نے خود پوچھا[2] تھا کہ یا رسول اللہ! ہمکو کیا پینا چاہیے؟ اسکے جواب مین آپ نے ان چارون چیزون کا ذکر فرمایا[3]۔

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الایمان۔ [2] صحیح مسلم باب الایمان [3] بخاری مسلم اور دیگر کتب صحاح مین (دیکھیے حاشیہ صفحۂ آیندہ)

بنو عامر بن صعصعہ ۹ھ

(بنو عامر کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا، بنو عامر مین اُسوقت تین رئیس تھے، عامر بن طفیل، اربد بن قیس، اور جبّار بن سلمٰے، عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہان تھے، یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنون کا باعث ہوچکا تھا، اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا۔ جبار اور قبیلہ کے عام لوگ البتہ خلوص قلب سے صداقت کے طالب تھے۔

عامر مدینہ پہنچکر خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا، جبار اور مشہور صحابی کعب بن مالک مین پہلے کے مراسم تھے، اس لیے وہ تیرہ آدمیون کے ساتھ انھین کے گھر مہمان اترے، اور اسی تقریب سے کعب انکو لیکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلۂ کلام مین آنحضرت صلعم سے خطاب کرکے کہا "انت سیّدنا" حضور ہمارے آقا ہین۔ آپ نے فرمایا "السیّد اللہ" آقا خدا ہے، انھون نے پھر عرض کی، حضور ہم مین سب سے افضل اور سب سے بڑھکر فیاض ہین۔ ارشاد ہوا، بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو بہکا نہ لے جائے یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے[۱]۔

عامر بن طفیل نے کہا، محمدؐ! تین باتین ہین، اہل بادیہ پر تم حکومت کرو، اور شہر میرے قبضہ مین ہون۔ اگر یہ نہین تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ، اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو مین غطفان کو لے کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) بنو عبدالقیس کے اسی وفد کا ذکر ہے، ابن مندہ و دولابی وغیرہ نے اس قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جس مین ۴۰ آدمی شریک تھے۔ اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیے ہین، پہلا تو پیاسنہ ھ مین اور دوسرا سنہ ھ مین، حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی مین بعینہٖ یہی تحقیق کی ہے لیکن کتاب الایمان کی شرح مین دونون روایتون کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ [۱] اضافہ ۱۲۔ مشکوۃ باب المفاخرت بحوالۂ ابوداؤد۔

چڑھ آؤنگا" عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ مین اِدھر محمدؐ کو باتون مین لگاؤن گا، اُدھر تم ان کا کام تمام کر دینا۔ اب عامر نے جو دیکھا تو اربد مین جنبش تک نہ تھی، نبوت کے غیر مرئی جاہ وجلال نے اُسکی آنکھین خیرہ کر دی تھین، دونون اٹھکر چلے آئے، آنحضرت صلعم نے فرمایا "خدایا ان کے شر سے بچانا" عامر کو طاعون ہوگیا۔ عرب مین صاحب فراش ہونا شرم کی بات تھی، عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو، گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اُسی پر اُسنے دم توڑا،

جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہوکر دارالاسلام سے واپس آئے[1]

حمیر وغیرہ کی سفارت | حمیر مین مستقل سلطنت نہین رہی تھی، سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کولی تھین۔ اور بڑے نام بادشاہ کہلاتے تھے، عربی مین انکا لقب قَیل تھا۔ یہ لوگ خود نہین آئے، لیکن قاصد بھیجے کہ ہمنے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی زمانہ مین بہرا، نہو، بکار، وغیرہ کی سفارتین بھی آئین۔

---

[1] عام واقعات ابن اسحاق وزرقانی سے ماخوذ ہین۔ عامر کی تقریر اور اسکی موت کا واقعہ صحیح بخاری مین مذکور ہے۔

تاسیس حکومتِ الٰہی

استخلاف فی الارض

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

تیرہ و تار راتون کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے، گھنگھور گھٹائین جب چھٹ جاتی ہین تو خورشیدِ تابان ضیاگستری کرتا ہے، دنیا گنہگاریون اور ظلم وستم کی تاریکیون سے گھری ہوئی تھی کہ دفعتہً صبح سعادت نے ظہور کیا، اور حق وصداقت کا آفتاب پرتوفگن ہوا عرب جس طرح ایک خدا کو پوجنے لگا تھا۔ اب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا۔

خداے پاک نے وعدہ فرمایا تھا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	خدا نے تم مین سے ایماندارون اور نیکوکارون سے وعدہ کیا ہی
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	کہ انکو بے شبہہ زمین مین اپنی خلافت اسی طرح عطا کریگا
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ	جسطرح کہ گذشتہ امتون کو اُسنے اپنی خلافت عطا کی تھی،
لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	اور اُنکے اس مذہب کو جسکو اُسنے انکے لیے پسند کیا ہی یقیناً
مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ	قوت بخشے گا اور انکی بے امنی کو امن سے بدل دیگا کہ مجکو
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (نور)	پوجین اور کسی کو میرا شریک نہ بنائین۔

حکومت الٰہی و استخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہین لیکن جب دعوتِ الٰہی سیاستِ ملکی کی دیوارون سے آکر ٹکراتی ہے، یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی وانتشار

حال کے کانٹون مین الجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیمؑ[1] اور موسیٰؑ کے قالب مین آگے بڑھتا ہے اور قوم وملک کو نمارده وفراعنہ کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے پیغمبرون مین عیسیٰؑ اور یحییٰؑ بھی گزرے ہین جنکو حکومت کا کوئی حصہ نہین ملا تھا، اور موسیٰؑ اور داؤدؑ وسلیمانؑ بھی، جو قومون اور ملکون کی قسمت کے مالک تھے لیکن محمد رسول اللہ عیسیٰؑ ویحییٰؑ بھی تھے، اور موسیٰؑ وداؤدؑ بھی، عرب کے خزانے دست تصرف مین تھے لیکن کاشانۂ نبوت مین نہ کوئی نرم بستر تھا، نہ غذاے لطیف، نہ جسم مبارک پر خلعت شاہانہ تھا، نہ جیب وآستین مین درہم ودینار، عین اسوقت جب اُس پر **کسریٰ وقیصر** کا دھوکا ہوتا تھا، وہ گلیم پوش، مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا،

اسلام کی حکومت کی غرض وغایت جسکو خدا نے خود اپنے الفاظ مین ظاہر فرمایا ہی یہ تھی،

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا	مسلمان جن سے (بلا سبب) جنگ کیجاتی ہی، اب انکو بھی
وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۵	جنگ کی اجازت دیگئی کہ وہ مظلوم ہین، اور خدا انکی مدد پر
اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ	قادر ہی، وہ جو ناحق اپنے گھرون سے نکال دیئے گئے، سوا اس کے
حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَ	انکا اور کوئی قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار
لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ	ہی ہمارا خدا ہی۔ اگر دنیا مین ایک قوم کو دوسری قوم سے
لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ	بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہین، کلیسے، عبادت گاہین
وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا	مسجدین جنمین اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے، برباد کردی جائین۔

[1] حضرت ابراہیم اپنے قبیلہ کے شیخ تھے، چارسو غلامون کی فوج ساتھ رہتی تھی، شام واطراف بابل کے کئی بادشاہون سے انکو لڑنا پڑا اور خدا نے ان سے وعدہ کیا کہ انکی اولاد کو ارض مقدس کی حکومت عطا کریگا۔ (توراۃ۔ سفر تکوین)

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ
فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا
الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا
عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ
(سورۃ الحج)

جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اسکی مدد کرتا ہے۔ خدا طاقتور
اور غالب ہے۔ (مسلمان وہ ہین) جنکو اگر خدا زمین مین
قوت عطا کرے تو عبادت الٰہی کرین۔ مستحقین کی
مالی اعانت کرین (زکوۃ) لوگون کو نیکیون کی تاکید
کرین برائیون سے روکین۔ انجام کار خدا ہی
کے ہاتھ مین ہے۔

ان آیتون مین بالاجمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام مین غزوات کی ابتدا کیون، اور کیونکر ہوئی؟ اسلام کی حکومت کے کیا اغراض و مقاصد تھے، اور استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہین؟ اور دنیا کی عام حکومتون سے وہ کن امور مین ممتاز ہے؟ ان مباحث کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصون مین آئیگا۔ یہان عرب کے نظم و نسق کے متعلق عام اور جزئی باتین بیان کرنی منظور ہین۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب مین امن و امان قائم ہے۔ سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے ملک کے ہر گوشہ مین دعاۃ اسلام پھیلے ہوئے ہین۔ قبائل دور دراز صوبون سے بارگاہ نبوت کا رخ کر رہے ہین، فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا، جو رمضان سنہ ۸ھ کا واقعہ ہے؛ اسی کے بعد آنحضرت صلعم نے قبائل مین عاملین زکوۃ کا تقرر فرمایا لیکن اصل خلافت الٰہی کے تمام اجزا اواخر سنہ ۱۰ھ مین زمانہ حجۃ الوداع کے قریب تکمیل پائے۔

یورپ کی ناآشنا نگاہ مین اگرچہ آپ کی زندگی کا یہ دور محض ایک شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز منظر تھا لیکن آشنایان حقیقت کو شہنشاہ عرب پیوند لگے کپڑون مین، مدینہ کی گلیون

کے اندر غلامون اور مسکینون کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ تاج و تخت سے بے نیاز، قصر و ایوان سے مستغنی، حاجب و دربان سے بے پروا، مال و زر سے خالی، خدم و حشم کے بغیر دلون پر حکومت کرتا تھا، نہ اسکی حکومت مین پولیس تھی، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر، نہ کثیر التعداد ارباب مناصب نہ وزراے مشورہ، نہ امراے سیاست، نہ الگ الگ حکام و قضاۃ، وہ ایک ہی ذات تھی، جو ہر فرض و خدمت کی خود ذمہ دار تھی، لیکن باایں ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانون سے اونٹ کے ایک بال کا بھی زیادہ[1] مستحق نہین سمجھتا تھا، اس کے عدل و انصاف کے آگے فاطمہ جگر گوشہ نبوت اور عام مجرم برابر[2] تھے،

(آنحضرت صلعم کی بعثت کا اصل مقصد دعوتِ مذہب، اصلاحِ اخلاق، اور تزکیہ نفوس تھا، اس کے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمنی تھے، اس بنا پر انتظامات ملکی آپ نے اسی حد تک قائم کیے جہان تک ملکی بدامنی کے باعث دعوت توحید کے لیے عوائق پیش آتے تھے، تاہم یہ کام بھی کچھ کم اہم نہ تھا۔)

انتظام ملکی

عمر شریف اسوقت ساٹھ برس کی تھی، اس عمر مین اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے، ولاۃ، اور عمال کا تقرر، موذنین اور ائمہ کا تعین، محصلین زکوۃ و جزیہ کی نامزدگی، غیر قومون سے مصالحت، مسلمان قبائل مین جائدادون کی تقسیم، فوجون کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیون کا انسداد، وفود کے لیے تعین وظائف، اجراے فرامین، نو مسلمون کے انتظامات، مسائل شرعیہ مین افتا، جرائم کے لیے اجراے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ القاعد [2] صحیح بخاری کتاب الحدود۔

انتظامات، عہدہ دارون کی خبر گیری اور احتساب، دُور کے صوبون مین متعدد صحابہ گورنر اور والی بناکر بھیجدیئے گئے تھے لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے۔

خلافت الٰہی کے اِن فرائض واعمال نے آپ کے دل و دماغ پر جو بار عظیم ڈالا، اُسنے آپ کے نظام جسمانی کو چور چور کردیا، عام روایتون سے ثابت ہے کہ آپ آخر زندگی مین تہجد کی نماز بیٹھکر پڑھا کرتے تھے جو ضعف جسمانی کا اقتضا تھا لیکن یہ ضعف جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا اُسکا جواب حضرت عائشہؓ کی زبان سے سننا چاہیے، جن سے بڑھکر آپ کے اعمال زندگی کا کوئی ترجمان نہین ہوسکتا۔

عن عبد اللہ بن شقیق قال سالت	عبداللہ بن شقیق کہتے ہین کہ مین نے حضرت عائشہ سے پوچھا
عائشۃ افکان یصلّی قاعدًا قالت	کہ کیا آنحضرت صلعم بیٹھکر نماز پڑھتے تھے، انہون نے کہا ہان
حین حطمہ الناس[1])	لیکن اُسوقت جب لوگون نے آپکو چور چور کردیا تھا)

امیر العسکری (چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا کے امیر الجیش اگرچہ اکابر صحابہ ہوتے تھے لیکن جو بڑے بڑے معرکے پیش آتے تھے اُنکی قیادت خود آپ بنفس نفیس فرماتے تھے، چنانچہ بدر، اُحد، خیبر، فتح مکہ تبوک، مین خود آپ ہی امیر العسکر تھے، اس کا مقصد صرف فوج کا لڑانا، اور آخری فتح وظفر حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا، چنانچہ آپ نے مجاہدین اسلام کی جن جزئی سے جزئی بے اعتدالیون پر گرفت فرمائی ہے۔ وہ احادیث مین بتصریح مذکور ہین۔ اور اسلام کا قانون جنگ اسی دار وگیر کے ذریعہ سے وجود مین آیا ہے۔)

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ۔

افتا (آپ کے عہد مبارک مین اگرچہ متعدد صحابہ بھی بطور خود فتویٰ دیتے تھے لیکن زیادہ تر آپ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے، فتویٰ دینے کے لیے آپ نے کوئی خاص وقت مقرر نہین فرمایا تھا، بلکہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، غرض جس وقت لوگ آپ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے، آپ ان کا جواب دیتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے کتاب العلم مین، ان فتاوی کو اس قسم کے متعدد ابواب مین تقسیم کر دیا ہے، خلافت کا یہی فرض تھا جسکو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل صیغہ قائم کر دیا۔)

فصل قضایا (اگرچہ آپ کے عہد مبارک مین عہدۂ قضاوت قائم ہو چکا تھا اور حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو آپ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا تاہم مدینہ اور اُس کے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ کرتے تھے، اس کے لیے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

باب ما ذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن لہ بوّاب، | یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دربان نہ تھا۔

اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپ اطمینان و سکون کے ساتھ نہین بیٹھ سکتے تھے، عورتون کے معاملات عموماً زنانخانہ ہی مین پیش ہوتے تھے، احادیث کی کتابون مین آپ کے فیصلون کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر انکا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، عموماً احادیث کی کتاب البیوع مین دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ مین فوجداری کے مقدمات مذکور ہین۔)

توقیعات و فرامین (یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہد مبارک مین اگرچہ اور صیغون کا کوئی مستقل دفتر نہین

قائم ہوا تھا، تاہم توقیعات وفرامین کے لیے اسکی ابتدائی شکل قائم ہو چکی تھی، چنانچہ اس خدمت پر حضرت زید بن ثابت رضؓ، اور آخر مین معاویہ بھی مامور ہوئے، ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہ بھی وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دیتے تھے، آپ نے سلاطین وملوک کو دعوت اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے، غیر قومون کے ساتھ جو معاہدے کئے، مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے، عمال و محصلین کو جو تحریری فرامین عنایت کیے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا، بعض صحابہؓ کو جو جاگیرین لکھوائین، وہ سب اسی سلسلہ مین داخل ہین، زرقانی وغیرہ نے آپ کے احکام وفرامین تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے،)

مہمانداری (منصب نبوت کے بعد آپ کی ذاتی حیثیت تقریباً فنا ہو گئی تھی، اس لیے آپ کی خدمت مین جو لوگ حاضر ہوتے تھے انکا تعلق بھی خلافت الٰہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور آپ اسی حیثیت سے ان کی مہمانداری فرماتے تھے، مہمانون کی زیادہ تر تعداد قبول اسلام کے لیے آتی تھی، جنکی مہمانداری کے لیے آپ نے ابتداء نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو مامور فرما دیا تھا، چنانچہ جب کوئی تنگدست مسلمان آپ کی خدمت مین حاضر ہوتا اور آپ اس کو برہنہ تن دیکھتے تو حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ قرض لیکر اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرتے جب آپکے پاس کہین سے کچھ مال آتا، تو اس کے ذریعہ سے وہ قرض ادا کیا جاتا، یہان تک کہ اگر کوئی شخص آپ کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ مین صرف کیا جاتا، کبھی کبھی اس غرض کے لیے آپ تمام صحابہ کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دیتے، اور جو رقم وصول ہوتی وہ ان مفلوک الحال مہاجرین

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

کی اعانت مین صرف ہوتی، چنانچہ ایک بار مہاجرین کی ایک برہنہ پا برہنہ تن جماعت آپ کی خدمت مین حاضر ہوئی، ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے مین ایک تلوار حمائل تھی آپ نے اُن کی پریشان حالی کو دیکھا تو چہرے کا رنگ بدل گیا، فوراً حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ مین تمام صحابہؓ کو ان لوگون کی اعانت کی ترغیب دی، اسکا یہ اثر ہوا کہ ایک انصاری اُٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ اُن سے بہ مشکل اُٹھ سکتا تھا، لاکر آپ کے آگے ڈال دیا، اِس سے تمام لوگون مین اور بھی جوش پیدا ہوا۔ تھوڑی دیر مین اِن بے سرو سامان مہاجرین کے آگے غلہ اور کپڑے کا ڈھیر لگ گیا[1]۔

فتح مکہ کے بعد تمام اطراف ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی وفود آنے لگے، آپ بہ نفس نفیس انکی خاطر مدارات کرتے تھے، اوران کے لیے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے، قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا، آپ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے، کہ وفات کے وقت آپ نے جو آخری وصیتین فرمائی تھین، ان مین ایک یہ بھی تھا،

اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اُجیزھم[2] — جسطرح مین وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسیطرح دیا کرنا۔

وفود کے حالات آگے آتے ہین،

عیادت مرضیٰ (مریضون کی عیادت اور انکی تجہیز و تکفین مین شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اسکی ابتدا بھی ہوئی، چنانچہ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو یہ عام دستور ہو گیا کہ دمِ نزع، میت کے اعزہ آپ کو اطلاع دیتے، آپ اُن کے پاس آکر اُن کے

[1] مسند امام احمد حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۵۸۔ [2] صحیح بخاری جلد اول باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب۔

لیے دعاے مغفرت کرتے، لیکن بعض حیثیتون سے اسکا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہوگیا تھا، کیونکہ بعض صحابہ اس حالت مین اپنی جائداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے، اور آنحضرت صلعم اس موقع پر ان کا صحیح طریقہ بتاتے تھے، جن لوگون پر قرض آتا تھا، آپ اُن کے جنازہ مین شریک نہین ہوتے تھے، اس لیے اُن کے ورثہ یا دوسرے صحابہ کو مجبوراً یہ قرض ادا کرنا پڑتا تھا، اور اس طرح بعض معاملات و نزاعات کا فیصلہ ہوجاتا تھا، چنانچہ احادیث مین اس قسم کی متعدد مثالین موجود ہین۔)

احتساب (تمدن اسلام کے دور ترقی مین محکمۂ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شرا، اور معاملات داد و ستد کی نگرانی کرتا تھا لیکن آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین یہ محکمہ قائم نہین ہوا تھا، بلکہ خود ہی آپ اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کے جزئیات اخلاق اور فرائض مذہبی کے متعلق آپ وقتاً فوقتاً دار و گیر فرماتے رہتے تھے، تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے، عرب مین تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی، اور مدینہ مین آنے کے ساتھ ہی آپ نے ان اصلاحات کو جاری کردیا، لیکن تمام لوگون سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغۂ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ آپ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگون سے ان پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہین آتے تھے انکو سزائین دلاتے تھے، صحیح بخاری کتاب البیوع مین ہے،

لقد رأیت الناس فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم یبتاعون جزافا یعنی الطعام	حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ مین نے آنحضرت صلعم کے عہد مین دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے

ــه مسند جلد ۳ صفحہ ۶۶۔

یضاربون ان یبیعوہ فی مکانھم حتی یوؤ الی رحالھم، انکو اس بات پر سزا دیجاتی تھی کہ اپنے گھرون مین منتقل کرنے سے پہلے اسکو خود اسی جگہ بیچ ڈالین جہان اسکو خریدا تھا

کبھی کبھی تحقیق حال کے لیے آپ خود بازار تشریف لے جاتے، ایک بار آپ بازار مین گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا، اس کے اندر ہات ڈالا تو نمی محسوس ہوئی، دوکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اُسنے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے، ارشاد ہوا کہ "پھر اس کو اوپر کیون نہین کرلیا تاکہ ہر شخص کو نظر آ ئے جو لوگ فریب دیتے ہین، وہ ہم مین سے نہین ہین[۱]"

فرایض احتساب مین آپ کا سب سے بڑا فرض عمّال کا محاسبہ تھا یعنی جب عمّال زکوۃ اور صدقہ وصول کرکے آتے تھے تو آپ اس غرض سے ان کا جائزہ لیتے تھے کہ انہون نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہین اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے **ابن اللتیۃ** کو صدقہ وصول کرنے کے لیے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دیکر واپس آئے اور آپ نے ان کا جائزہ لیا۔ تو انہون نے کہا یہ مال مسلمانون کا ہے اور یہ مجھکو ہدیۃً ملا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیون نہین ملا" اس کے بعد آپ نے ایک عام خطبہ دیا جس مین اس کی سخت ممانعت فرمائی[۲]"

اصلاح بین الناس اسلام تمام دنیا کے تفرقون کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لیے آیا تھا، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا، اور جب آپ کو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی، تو آپ اصلاح کو تمام مذہبی فرایض پر مقدم رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو چند صحابہ کے

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳ کتاب الایمان [۲] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۸ کتاب الاحکام۔

ساتھ اُن مین مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے، آپ کو اس معاملہ مین دیر ہوئی اور نماز کا وقت آگیا، حضرت بلال رضؓ نے اذان دی، لیکن اذان کے بعد بھی آپ تشریف نہین لائے، تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد اُنھون نے حضرت ابُوبکرؓ کو امام بنا کر نماز شروع کر دی، آپ اِسی حالت مین تشریف لائے اور صفون کو چیرتے ہوئے اگلی صف مین جا کھڑے ہوئے، حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز مین اِدھر اُدھر نہین دیکھتے تھے لیکن جب لوگون نے زور زور سے تالیان بجانی شروع کین تو انھون نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنحضرت صلعم کھڑے ہین، آپ نے اگرچہ ہات سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہین لیکن آپکی موجودگی مین انھون نے امامت کرنا سوء ادب خیال کیا اس لیے پیچھے ہٹ آئے، اور آنحضرت صلعم آگے بڑھ کر انکی جگہ کھڑے ہوگئے۔[1]

ایک بار اہل قبا کے درمیان نزاع قائم ہوئی، اور نوبت یہان تک پہنچی کہ لوگون نے باہم سنگ اندازی کی۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ صحابہ کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے۔[2] بخاری کی دوسری روایتون مین ہے کہ آپ اتنی دور پیدل گئے تھے،

ابن ابی حدردؓ پر حضرت کعب بن مالک کا کچھ قرض تھا، انھون نے مسجد مین تقاضا کیا، حدرد قرض کا ایک حصّہ معاف کرانا چاہتے تھے لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے، بات زیادہ بڑھی اور شور و غل ہوا تو آپ گھر کے اندر سے نکل آئے، اور کعب کو پکارا، کعبؓ نے لبیک کہا، تو آپ نے فرمایا کہ "نصف معاف کر دو" وہ راضی ہوگئے تو آپ نے حدردؓ سے کہا کہ "جاؤ اور بقیہ حصہ ادا کر دو"

اس قسم کے سیکڑون جزئی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔

---

[1] بخاری جلد ا صفحہ ۳۷۰ کتاب الصلح۔ [2] بخاری کتاب الصلح۔

مدینہ مین اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لیے اکابر صحابہ اور ارباب استعداد کو مختلف عہدون پر نصب فرمایا، کتابت وحی، نامہ وپیام، اجرائے احکام و فرامین کے لیے سب سے پہلی ضرورت عہدہٗ انشا اور کتابت کی تھی، اسلام سے پہلے عرب مین عام طور پر لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا لیکن اسلام عرب کے لیے رحمتون کا جو خزانہ لایا تھا، اس مین ایک یہ شے بھی تھی۔

اسیران بدر مین نادار لوگون کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچون کو لکھنا سکھا دینا حضرت زید بن ثابت نے جن کے متعلق کتابت وحی کی مقدس خدمت تھی، اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی، ابو داؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دیجاتی تھی اس کا ایک جز کتابت کی تعلیم بھی تھی۔)

کتّاب (عہدہٗ انشا، گویا آنحضرت صلعم کی ایک حیثیت سے نیابت تھی، اس لیے مختلف اوقات مین بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مامور کئے گئے، جن مین شرحبیل بن حسنہ کندی سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے، یہ نہایت قدیم الاسلام تھے، مکہ مین انہی نے سب سے پہلے کتابت وحی کا فرض انجام دیا، قریش مین سب سے پہلے کاتب عبداللہ بن سعد ابی سرح تھے، مدینہ مین اسکی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعب رض کو حاصل ہوا۔

حضرت ابوبکر رض، حضرت عمر رض، حضرت علی رض، حضرت عثمان رض، حضرت زبیر رض، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن ارقم، حضرت ثابت بن قیس بن شماس حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدی، حضرت مغیرہ بن شعبہ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ۔ حضرت خالد بن ولید۔ حضرت خالد بن سعید بن العاص۔ حضرت علاء بن حضرمی۔ حضرت حذیفہ بن الیمان۔ حضرت

معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابت مختلف اوقات مین اس منصب پر مامور ہوئے،

اگرچہ تمام بزرگون کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی، چنانچہ صلحنامۂ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہات سے لکھا تھا، امرا اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہ لکھتے تھے؛ اور امراے عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا، وہ حضرت ابی بن کعب کا لکھا تھا، قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہِ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس نے لکھا تھا، لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابت کے متعلق تھی، اور صحابہ کے گروہ مین ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایان[1] ہے،

حضرت زید بن ثابت نے آنحضرت صلعم کے ارشاد سے ان تمام بزرگون پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا، کہ عبرانی زبان سیکھی جسکی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ مین آنحضرت صلعم کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا، جنکی مذہبی زبان عبرانی تھی، اس بنا پر آپ نے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اور انھون نے پندرہ دن مین اس مین مہارت حاصل کرلی۔)

حکام اور ولاۃ | (فصل قضایا، اقامت عدل بسط امن، رفع نزاع کے لیے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی، اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا، چنانچہ انکے نامون کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باذان بن ساسان، | بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین یمن مین سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد آنحضرت صلعم نے اُن کو

[1] ان بزرگون کے نام اور تفصیلی حالات زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۰۲ مین مذکور ہین۔

	یمن کا والی مقرر فرمایا،
شہر بن باذان،	باذان بن ساسان کے بعد آنحضرت صلعم نے اُن کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا،
خالد بن سعید بن العاص۔	شہر بن باذان مارے گئے تو اُن کے بعد آپنے اُن کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا،
مہاجر بن امیۃ المخزومی،	آپ نے ان کو کندہ وصدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے انتقال فرمایا۔
زیاد بن لبید الانصاری،	حضرموت کے والی تھے،
ابو موسےٰ اشعری،	زبید، عدن، رمع، وغیرہ کے والی تھے،
معاذ بن جبل،	والیٔ جند،
عمرو بن حزم،	والیٔ نجران،
یزید بن ابی سفیان،	والیٔ تیماء،
عتاب بن اسید	والیٔ مکہ،
علی بن ابی طالب،	متولی اخماس یمن،
عمرو بن العاص،	والیٔ عمان،
علاء بن حضرمی،	والیٔ بحرین۔

اِن ولاۃ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا،

آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین عرب کے جو حصے اسلام کے زیر اثر آئے، ان مین یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا، اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے اس کو پانچ حصون مین منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے، خالد بن سعید کو صنعاء پر، مہاجر بن ابی امیہ کو کندہ پر، زیاد بن لبید کو حضر موت پر، معاذ بن جبل کو جند پر، ابوموسیٰ اشعری کو زبید، زمعہ، عدن اور سواحل[1] پر۔

عموماً جب کسی مہاجر کو کہین کا عامل مقرر فرماتے تھے، تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے[2] تھے، ملکی انتظام فصل مقدمات اور تحصیل خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمال کا سب سے مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن و فرائض کی تعلیم تھی۔ اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے استیعاب، تذکرہ معاذ بن جبل مین ہے،

وبعثه رسول الله صلی الله علیه وسلم قاضیا الی الجند من الیمن یعلم الناس القرآن وشرائع الاسلام ویقضی بینهم وجعل الیه قبض الصدقات من العمال الذین بالیمن،

آنحضرت صلعم نے ان کو یمن کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگون کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دین اور جو عمال یمن مین تھے ان کے صدقات کے جمع کرنے کی خدمت بھی ان سے متعلق تھی۔

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت صلعم ان فرائض کی تعیین فرما دیتے تھے، معاذ

[1] استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل [2] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۰۶۔

بن جبل کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی۔

انك تاتی قوما من اهل الکتاب فادعهم الی شهادة ان لا اله الا الله وانی رسول الله فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله افترض علیهم خمس صلوات فی کل یوم ولیلة فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله افترض علیهم صدقة توخذ من اغنیاءهم وترد الی فقرائهم فان هم اطاعوا لذلك فایاك وکرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینها وبین الله حجاب،

تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو، پہلے انکو کلمہ توحید کی دعوت دو، اگر وہ اسکو قبول کرلیں تو اُن کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں اُن پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اسکو بھی مان لیں تو انکو بتاؤ کہ خدا نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے، جو اُن کے امراء سے لیکر ان کے غرباء پر تقسیم کردیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا، اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا، کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضرورت تبحر علمی، وسعت نظر اور اجتہاد کی تھی، اس بنا پر آپ اُن لوگوں کے تبحر علمی اور طرز عمل کا امتحان لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت معاذ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرمالیا، ترمذی میں ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لمعاذ بن جبل حین وجهه الی الیمن بم تقضی قال بما فی کتاب الله قال فان لم تجد بما فی سنة رسول الله قال فان لم تجد

رسول اللہ صلعم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کروگے، انہوں نے کہا قرآن مجید سے، آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ فیصلہ تمکو نہ ملے انہوں نے کہا احادیث سے، پھر آپ نے فرمایا اگر احادیث میں بھی آ سکے

قال اجتهد رائی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یحب رسول الله۔

تعلق، اب تم نہ ملے، تو انہون نے کہا مین اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا، اس پر آپنے فرمایا اُس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو خدا، اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

لیکن اہل عرب کے دلون کے مسخر کرنے کے لیے ان تمام چیزون سے زیادہ رفق و ملاطفت، نرمی اور خوشخوئی کی ضرورت تھی، جنکی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہوجاتی ہے، اسلیے آنحضرت صلعم گورنرون کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے، چنانچہ جب معاذ بن جبل کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونون کو عام طور سے وصیت فرمائی،

یسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفّرا وتطاوعا ولا تختلفا۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۳ کتاب الایمان)

آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا، لوگون کو بشارت دینا، اور انکو وحشت زدہ نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا

اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبل جب رکاب مین پانون ڈال چکے، تو اُن سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے،

احسن خلقك للناس (ابن سعد تذکرہ معاذ بن جبل)

لوگون کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا،

اگرچہ یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحمدل کیون نہ ہو، لیکن ابتدا مین جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضۂ اقتدار مین لاتی ہے تو سرکش لوگون کے مطیع کرنے کے لیے اس کو مجبوراً سختیان کرنی پڑتی ہین تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا لیکن آنحضرت صلعم کی اسی معتدل تعلیم کا یہ نتیجہ تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی وُلاۃ کے مظالم سے تنگ گران سے نہ دبا، یہان تک کہ اخیر زمانہ مین جب

صحابہ عمال حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت استعجاب ہوتا تھا، اور وہ آنحضرت صلعم کی تلقینات کے ذریعہ سے اُن کو روکتے تھے، چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ مین کھڑے کئے گئے ہین، اُنھون نے لوگون سے اسکی وجہ پوچھی، لوگون نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لیے ان لوگون کے ساتھ یہ سختی کی جارہی ہے، اُنھون نے یہ سنکر کہا،

اشهد لسمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الله یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا،[1]	مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا اُن لوگون کو عذاب دیگا جو لوگون کو دنیا مین عذاب دیتے ہین۔

محصلین زکوۃ وجزیہ

(عرب کا خلوص اور جوش ایمان اگرچہ خود اُن کو صدقہ وزکوۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کردیتا تھا، چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین خود پیش کرتا اور آپ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا، لیکن ایک وسیع ملک، اور ایک وسیع حکومت کیلئے یہ طریقہ کافی نہ تھا۔ اس لیے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم ۹ھ کو آنحضرت صلعم نے صدقہ وزکوۃ کے وصول کرنے کے لیے ہر قبیلہ کیلیے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کرکے لوگون سے زکوۃ اور خراج وصول کرکے آپ کی خدمتِ مبارک مین پیش کرتے تھے۔ عموماً خود رؤسائے قبائل اپنے اپنے قبیلون کے محصّل ہوتے تھے، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً انکا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہرحال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کے لیے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہرون مین متعین فرمایا۔

---

[1] مسلم باب الوعید الشدید لمن عذب الناس بغیر حق ۔ [2] اس فہرست کے نام اکثر ابن سعد جزو مغازی صفحہ ۱۱۵ مین مذکور ہین، عمر فاروق، محمیہ اور عبیدہ بن جراح کا ذکر بخاری کتاب الصدقات اور بعض کا ابو داؤد کتاب الخراج مین ہے۔ بقیہ کے لیے زاد المعاد ذکر مصدقین وامرائے نبوی اور فتوح البلدان بلاذری دیکھو۔

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بن حاتم	طے و بنی اسد	ابوجہم بن حذیفہ	بنو لیث
صفوان بن صفوان[1]	بنی عمرو	ایک ہذیلی	بنو ہذیل
مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ	عمر فاروق رضؓ	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی	غفار و اسلم	عبیدہ بن جراح	شہر نجران
عباد بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ	عبداللہ بن رواحہ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جہنی	جہینہ	زیاد بن لبید	حضرموت
زبرقان بن بدر	بنو سعد	ابوموسیٰ اشعری	سوبۂ یمن
قیس بن عاصم	"	خالد رضؓ	"
عمرو بن عاص	بنو فزارہ	ابان بن سعید	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابی	بنو کلاب	عمرو بن سعید بن العاص	تیماء
بسر بن سفیان الکعبی	بنو کعب	محمیہ بن جزء الاسدی	تحصیل خمس
عبداللہ بن اللتبیہ	بنو ذبیان	عیینہ بن حصن فزاری	بنو تمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے۔

(۱) ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے؟ بہ حفاظت کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی عام حکم تھا کہ ایاک وکرائم

[1] اصابہ باب صفوان

اموال الصدقہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سر مو تجاوز جائز نہین رکھتے تھے، بعض لوگون نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہون نے قبول نہین کیا، سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت صلعم کا محصّل آیا، مین جا کر اس کے پاس بیٹھا تو اُس نے پہلے جانورون کے اُن اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان مین اجازت نہ تھی، چنانچہ اُسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لیکر حاضر ہوا، اور اُسکی خدمت مین پیش کیا، لیکن اُسنے انکار کر دیا[1] اسیطرح جب ایک شخص نے ایک محصّل کو بچے والی بکری دی تو اُس نے کہا کہ ہمکو اس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے[2]۔

(۲) عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریون کے ریوڑ اور اونٹون کے گلے تک محدود تھی، جو جنگلون مین، بیابانون مین، پہاڑون کے دامنون مین چرتے رہتے تھے لیکن بجائے اس کے کہ دنیوی حکومتون کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوۃ کے جانور لاکر محصلین کے سامنے پیش کرتے، محصلون کو خود ان درون مین جاکر زکوۃ وصول کرنا پڑتا تھا، ایک صحابی کا بیان ہے کہ مین پہاڑ کے ایک درہ مین بکریان چرا رہا تھا، کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہوکر آئے اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلعم کے قاصد ہین۔ یہان تمہاری بکریون کا صدقہ وصول کرنے کے لیے آئے ہین مین نے ایک بچہ والی شیر دار بکری پیش کی، لیکن انھون نے کہا کہ ہمکو اس کے لینے کا حکم نہین۔ مین نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہون نے اسکو اپنے اونٹ پر لاد لیا اور چلتے ہوئے[3]،

(۳) اگرچہ صحابہؓ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال کے لینے سے خود احتراز

---

[1] نسائی صفحہ ۳۹۰۔ [2] نسائی صفحہ ۳۹۳، [3] نسائی صفحہ ۳۹۳۔

کرتے تھے، چنانچہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں تو انہوں نے انکو رشوت دینی چاہی تو انہوں نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ "اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو"[1] لیکن باایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ صلعم خود اُن کا محاسبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار آپ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا، جب وہ واپس آئے اور آپ نے اُن کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیۃً ملا ہے، یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ گھر میں بیٹھے رہتے کیوں نہیں ملا، اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا، اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔[2]

(۴) چونکہ آنحضرت صلعم نے اپنے خاندان پر صدقہ و زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا تھا، اس لیے خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا ایک بار عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے، آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہمارا سن نکاح کے قابل ہو گیا ہے تمام لوگوں کی طرح ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے تاکہ اس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کے لیے سرمایہ مہیا کریں لیکن آپ نے فرمایا کہ صدقہ آل محمد کے لیے جائز نہیں ہے، وہ لوگوں کا میل ہے۔[3]

(۵) عمال کا انتخاب خود رسول اللہ صلعم فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے خود پیش کرتے تھے ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ دو شخص آئے اور عامل بننے کی درخواست کی آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم لیا نہیں کرتے

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۱ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ [3] ابوداؤد کتاب الصدقات

انھون نے کہا کہ مجکو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہین آپنے ان دونون کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا کہ جو لوگ خود خواہش کرتے ہین ہم ان کو عامل مقرر نہین کرتے لیکن اُسیوقت حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کرکے روانہ فرمایا[1]،

(۶) عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ آپ نے عام منادی فرمادی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت مالی ہے، بقدر ضرورت کی تصریح خود آپنے فرمادی تھی[2]۔

من کان لنا عاملا فلیکتب زوجۃ فان	جو شخص ہمارا عامل ہو اسکو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیے
لم یکن لہ خادم فلیکتب خادما و ان	اگر اُس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا۔ اگر مکان نہ ہو تو گھر
لم یکن لہ مسکن فلیکتب مسکنا و من	کا، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا، تو وہ خائن
اتخذ غیر ذلک فھو غال،	ہوگا،

آپ کے زمانہ مین حضرت عمر فاروق کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملتا تھا، چنانچہ اُنکے عہد خلافت مین جب صحابہ نے زہد و تقویٰ کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انھون نے آنحضرت صلعم کے اسی طرز عمل سے استدلال کیا،

قضاۃ (ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے، مثلاً فصل مقدمات کا کام اگرچہ زیادہ تر آپ خود انجام دیتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ کے حکم سے حسب ذیل صحابہ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، ابی بن کعب، معاذ بن جبل،)

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۹، [2] ابوداؤد جلد ۲ باب ارزاق العمال مین دونون حدیثین ہین۔

پولیس (اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانہ مین بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہین ہوا، اور اسکی ابتدا بنوامیہ کی سلطنت مین ہوئی[1]، تاہم آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین بھی اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہوچکا تھا، چنانچہ آپ کے عہد مبارک مین قیس بن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے، اور اس غرض سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے[2]،)

جلاد (مجرمون کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیر، حضرت علی، مقداد بن الاسود، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت، ضحاک بن سفیان کلابی کے سپرد تھی[3]،)

غیر قومون سے معاہدے (عرب مین اب کفر اور شرک کا بالکل وجود نہ تھا، کہین کہین صرف مجوس نصاریٰ اور یہود کی آبادیان تھین، ان مین سے معتدبہ افراد نے گو نور ایمان سے قلوب کو روشن کرلیا تھا، لیکن مجموعی حیثیت سے وہ اب تک تاریکی مین تھے، تاہم خلافت الٰہی کی ہمہ گیر قوت سے وہ سرتابی نہ کرسکے، حجاز کے یہودیون کے، وا عرب کی تمام قومون نے بخوشی اسلام کی اطاعت قبول کی، اس لیے اسلام نے بھی ان کی جان ومال عزت وآبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور اس کے مقابلہ مین جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع عاقل بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی، اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت مین ادا ہونا ضروری نہ تھا، بلکہ عموماً جہان جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی، یا جو چیز بنتی تھی، وہی چیز جزیہ قرار پائی[4]

غیر قومون مین سب سے پہلے آنحضرت صلعم نے ۷ھ مین خیبر، فدک، وادی القرے اور تیمار کے یہودیون سے مصالحت فرمائی، اسوقت تک آیت جزیہ کا نزول نہین ہوا تھا، اس بنا پر

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۶ - [2] بخاری کتاب الاحکام۔ [3] زادالمعاد ابن قیم۔ [4] زاد المعاد ابن قیم جلد اول فصل جزیہ۔

باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے، وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے[1]، اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کرین گے، اور پیداوار کا نصف حصّہ خود لین گے اور نصف مالکون کو ادا کرین[2] گے،

سنہ ۹ ہجری مین جزیہ کی آیت نازل ہوئی، اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے، نجران کے عیسائیون نے مدینہ مین آکر مصالحت کی درخواست کی جسکو آپ نے منظور فرمایا شرائط صلح یہ تھے کہ "وہ مسلمانون کو سالانہ دو ہزار کپڑے دین گے، اور ان کو دو قسطین مین یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رجب مین ادا کرین گے، اگر یمن مین کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریۃً تیس زرہین تیس گھوڑے تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتیار دین گے اور مسلمان انکی واپسی کے ضامن ہونگے اس کے معاوضہ مین جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کرین گے، نہ اُن کے گرجے ڈھائے جائین گے، نہ اُن کے پادری نکالے جائین گے۔ نہ اُنکو اُن کے مذہب سے برگشتہ کیا جائیگا[3]"

حدود شام مین بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤن مین آباد تھے۔ رجب سنہ ۹ھ مین غزوۂ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا، جربا، اذرح، تبالہ، اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہین لائے بلکہ جزیہ دینا قبول کیا، انہین سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا، اور مسلمان جب اِدھر سے گذرین تو انکی ضیافت بھی انپر لازمی قرار دی[4] گئی۔

یمن کے جن یہودیون نے اسلام قبول نہین کیا ان پر بھی جزیہ کی یہی مقدار مقرر کی گئی۔

---

[1] زاد المعاد ابن قیم جلد اول، [2] بخاری و مسلم و ابوداؤد، ذکر خیبر و فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک و وادی القریٰ و تیماء [3] ابوداؤد کتاب الخراج باب اخذ الجزیہ [4] فتوح البلدان، بلاذری۔

ان کو ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کرسکیں تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کریں[1]۔ بحرین کے مجوسیون سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی[2]۔

اصناف محاصل و مخارج | (مختلف اغراض و مصالح کی بنا پر اسلام مین آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے، غنیمت، فی، زکوۃ، جزیہ، خراج، اوّل کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔

غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا۔ عرب مین قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصّہ خود لیتا تھا جسکو اصطلاح مین مرباع کہتے تھے، اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا لے لیتا تھا، تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا، غزوۂ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا۔ جس مین خمس یعنی پانچوان حصّہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح و اغراض کے لیے مخصوص فرمایا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ، (انفال)

اے پیغمبر لوگ تجھ سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہین کہدے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیون کی شخصی ملکیت نہین ہے، بلکہ مصالح کی بنا پر صاحب خلافت جسطرح مناسب سمجھے اس کو صرف کرسکتا ہے۔ اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (انفال)

مسلمانو! جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت ہاتھ آئے اسکا پانچوان حصّہ خدا، رسول، اہل قرابت، اور یتیمون اور مسکینون کا ہے۔

---

[1] ابوداؤد باب اخذ الجزیہ [2] ابوداؤد واخذ الجزیۃ من المجوس و تاریخ بلاذری ذکر بحرین۔

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس مین آنحضرت صلعم نے مال غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلمون کو عنایت فرمایا، ہمیشہ آپکا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حبّہ سپاہیون پر برابر برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سوارون کو تین حصّے اور پیادہ کو ایک حصّہ، بعض روایتون مین ہے کہ سوارون کو صرف دو حصّے ملتے تھے، خمس کا بھی عموماً بہت کم حصّہ ذاتی مصرف مین آتا تھا، آیت بالا مین جن ارباب استحقاق کا ذکر ہے زیادہ تر ان ہی پر صرف کردیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ[1]۔ صرف مسلمانون پر فرض تھی، اور وہ چار مدون سے وصول ہوتی تھی، نقد[1] روپیہ پھل[2] اور پیداوار، مویشی[3]، (بجز گھوڑا) اسباب[4] تجارت[2]، دوسو درہم چاندی، بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی، پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ۵ وسق (۳۰۰ صاع بہ تحقیق امام ترمذی) سے زیادہ ہو۔

سونا اور چاندی کا چالیسوان حصّہ وصول کیا جاتا تھا، مویشیون کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابون مین مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی دو قسمین کی گئین، ایک وہ جسکی سیرابی صرف بارش کے پانی سے کیجاتی تھی، اِس قسم کی اراضی کی پیداوار مین دسوان حصّہ (عشر) وصول ہوتا تھا، اور جسکو آبپاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا اس مین نصف عشر یعنی بیسوان حصّہ لیا جاتا تھا[3]۔ سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی[4]۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے جنکی تفصیل خود قرآن مجید نے کردی تھی۔ فقرا[1]، مساکین[2]، نومسلم[3]، غلام[4]

[1] ابوداؤد حکم ارض خیبر، بروایت مجمع، [2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ - [3] ترمذی کتاب الزکوٰۃ، [4] ترمذی کتاب الزکوۃ۔

جنکو خرید کر آزاد کرانا ہے، مقروض[۱]، مسافر[۲]، محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ[۳]، دیگر کار خیر، عموماً جہان سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی، وہین کے مستحقین پر صرف کردی جاتی تھی، صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہوگئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بناکر ایک مقام مین بھیجا، جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا، انھون نے جواب مین کہا کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے، وہی ہم نے کیا[۱]، معاذ بن جبل جب عامل بناکر یمن بھیجے گئے، تو زکوٰۃ کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا وصدقۃ توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم،

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ مین لیا جاتا تھا اسکی مقدار متعین نہ تھی، آنحضرت صلعم نے اپنے زمانہ مین ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتین اس مین داخل نہ تھین، ایلہ کے جزیہ کی مقدار ۳۰۰ دینار تھی، عہد نبوی مین جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی،

خراج، غیر مسلم کاشتکارون سے حق مالکانہ کے معاوضہ مین زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہوگیا ہو اس کا نام خراج ہے، خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیمار وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا، پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا جب وقت آتا تھا، آنحضرت صلعم کسی صحابی کو بھیجدیتے تھے، وہ باغون اور کھیتون کو دیکھکر تخمینہ لگاتے تھے، رفع اشتباہ کے لیے تخمینہ مین سے ثلث کم کردیا جاتا تھا[۲]، بقیہ پر حسب شرائط خراج وصول کیا جاتا، خیبر وغیرہ مین آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔

جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیون کی تنخواہ اور جنگی مصارف مین صرف ہوتی تھی، تمام صحابہ ضرورت

---

[۱] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ تحمل من بلد الی بلد [۲] ابوداؤد کتاب فی الخرص،

کے وقت والنٹیر سپاہی تھے، جو کچھ وصول ہوکر آتا، آنحضرت صلعم سب کو اُسی وقت تقسیم فرما دیتے، اوّل آپ اُن لوگون کو عطا فرماتے تھے، جو پہلے غلام رہ چکے تھے، ایک رجسٹر پر لوگون کے نام لکھے ہوتے تھے اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے، جو لوگ، صاحب اہل وعیال ہوتے تھے اُن کو دو حصّے اور مجرّد لوگون کو ایک[1] حصّہ ملتا تھا،)

جاگیرین اور افتادہ زمینون کی آبادی | (ملک عرب کا اکثر حصّہ ریگستانی، پتھریلا، شور، اور بنجر تھا، جو سرسبز قطعات تھے اُن پر بیرونی قومین قابض تھین، بقیہ افتادہ زمینین تھین، مدینہ اور طائف مین البتہ کاشتکاری ہوتی تھی۔ بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے، عربون کی غیر امون زندگی کا راز یہی تھا، کہ وہ مستقل پیشہ در نہ تھے، اس بنا پر قیام امن کے لیے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے، حجاز مین غیر قومون کے انخلا کے سبب سے یون بھی بہت سی زمینین خالی ہوگئین تھین جنکا انتظام ضروری تھا،

آنحضرت صلعم نے پہلے عام طور پر صحابہ کو اسکی ترغیب دی۔

من احیا ارضا میتۃ فہی لہ — جس شخص نے افتادہ زمینون کو آباد کیا وہ اسکی ملک ہے

من احاط حائطا علی ارض فہی لہ — جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اسکی ملک ہے

ترغیب عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے، بنو نضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ نبوت کی ملک قرار پائے، اور آپ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار مین تقسیم فرما دیا، خیبر کی زمین کچھ خاصہ رہی۔ اور بقیہ ان مہاجرین اور انصار مین تقسیم فرما دی جو حدیبیہ مین شریک

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفئی،

تھے، لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست رہا، پیداوار کا نصف حصّہ وہ خود لیتے تھے، اور نصف مالکون کو ادا کرتے تھے، اور جو زمینین آباد تھین ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ مین رہنے دیا، چنانچہ عک، ذوخیوان، اور ایلہ، اذرح، نجران وغیرہ مین اسی طرح معاملات طے پائے، افتادہ زمینین بھی صحابہ کو بطور جاگیر عطا فرمادین، حضرت وائل کو حضر موت مین ایک قطعۂ زمین عنایت فرمایا، بلال بن حارث مزنی کو قابل زراعت زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اور کانین مرحمت فرمائین، حضرت زبیر کو مدینہ کے پاس، اور حضرت عمر کو خیبر مین جاگیرین عطا کین، بنو رفاعہ کو دومتہ الجندل کے پاس زمین عنایت کی،

یہ جاگیرین اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھین کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کرسکتا تھا، ایک بار آپ نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ جہان تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جاگیر مین داخل ہوگی، چنانچہ اُنھون نے گھوڑا دوڑایا، جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچکر رُک گیا تو اُنھون نے اپنا کوڑا پھینکا، اور وہ جس نقطے پر گرا، وہی انکی جاگیر کا رقبہ قرار پایا، عرب کی خشک زمین مین سب سے زیادہ ضرورت چشمہاے آب کی تھی، چنانچہ ایک بار جب آپ نے حکم عام دیا، من سبق الی ماء لم یسبقہ الیہ مسلم فھو لہ، یعنی "جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرلے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہین کیا ہے" تو وہ اس کا ہے، تو تمام لوگون نے دوڑ دوڑکر اپنے اپنے چشمون کے حدود مقرر کرلیے،

اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگون نے دور دور سے آکر آنحضرت صلعم سے جاگیرون کی درخواست کرنا شروع کی، ابیض بن حمال یمن سے خدمت مبارک مین حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جسکو آپ نے منظور فرمالیا، لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے اونکو جو کچھ جاگیر مین عطا فرمائی ہے وہ

پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے، چونکہ وہ ایک پبلک چیز تھی اس بنا پر آپ نے اس کو واپس لے لیا۔

یہ تمام فیاضیان صرف اُنھین چیزون کے ساتھ مخصوص تھین جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہین ہوسکتا تھا، لیکن جو چیزین رفاہِ عام کے کام مین آسکتی تھین ان کو آپ نے اُسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا،

عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیون کے لیے چراگاہ متعین کر لیتے تھے، جنکو حمیٰ کہتے تھے، عرب مین پیلو کا درخت اونٹون کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، لیکن ابیض ابن حمال نے جب اس کو اپنے حمیٰ مین داخل کرنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا، لاحمی فی الاراک،

عرب مین یہ بھی دستور تھا کہ مویشیون کے چرانے کے لیے روسا، اور ارباب اقتدار اپنے لیے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے، اور وہان کسی دوسرے کو نہین آنے دیتے تھے، چونکہ اس سے عام لوگونکو تکلیف ہوتی تھی اس لیے اس طریقہ کو بھی روک[1] دیا،

اسی طرح عرب مین ایک مقام دہنا ہے، جس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ تھا، اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے، حریث بن حسان نے بکر بن وایل کے لیے اس زمین کی درخواست کی، آپ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا، اتفاق سے اسوقت ایک تمیمیہ موجود تھی، آپ نے اسکی طرف دیکھا، اس نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ اونٹون، اور بکریون کی چراگاہ ہے، اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتین اور بچے رہتے ہین، آپ نے فرمایا "بیچاری سچ کہتی ہے، فرمان نہ لکھو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہوسکتا ہے"

---

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الخراج کے مختلف ابواب مین مذکور ہین۔

مذہبی انتظامات

ملک مین امن وامان قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری ملکی انتظامات سرانجام پائے تھے، اُن سے زیادہ ضروری مسلمانون کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا، یہودیون مین مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا، اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجا آوری کا حق حاصل نہین ہوسکتا تھا، عیسائیون مین گو خاندان کی تخصیص نہ تھی، لیکن ان مین ایک خاص طبقہ پیدا ہوگیا تھا جسنے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا، ہندوؤن مین غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہین، دنیا کی دوسری قومون کا بھی یہی حال تھا، لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ صلعم نے دنیا مین قائم کی اس مین مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان، اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی، بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہوسکتا تھا،)

(عاۃ اور معلمین اسلام | ایک مشہور مغربی مورخ نے لکھا ہے کہ "مدینہ مین آکر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بنگیا تھا، اور اب اسلام کے معنی بجائے اس کے کہ خدا پر ایمان لایا جائے، یہ رہ گئے تھے کہ محمد (صلعم) کی حکومت تسلیم کرلی جائے"[1] اسلام کا مقصد وہ تھا جو خدا نے قرآن مجید مین بیان کیا ہے،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ (وہ لوگ جنکو ہم زمین مین اگر طاقت دین تو نماز قائم کرین۔ زکوٰۃ دین، اچھی باتون کا حکم دین،

[1] دیکھو ولیہوسن صاحب کا آرٹیکل اسلام پر، انسائیکلوپیڈیا،

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (حج) اور بُری باتون سے روکین۔"

اِس بنا پر ہر مسلمان، واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعی مذہب بھی اور ماہر شریعت بھی، یہی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب مین اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ شرفا مین لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا، یا ایک ایک گھر فقہ، حدیث اور تفسیر کا دار العلم بنگیا، تاہم چونکہ ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت نہین ملسکتا تھا، اس لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ مین کچھ ایسے لوگ موجود رہین جو تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دے سکین، اسی بنا پر قرآن مجید مین حکم آیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا	اور سب کے سب مسلمان تو سفر کرکے (مدینہ) نہین آسکتے اس لیے
نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا	ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیے تاکہ وہ شریعت اور دین
فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا	مین تفقہ حاصل کرین، اور تاکہ واپس جاکر اپنی قوم کو ڈرائین،
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ (توبہ۔ رکوع آخر)	شاید لوگ بُری باتون سے بچین۔

ان کی تعلیم و تربیت چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت طیار کی جاسے جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرت صلعم کی خدمت مین رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ مین ڈوب جائے جسکی گفتار، کردار، بات چیت، نشست برخاست، قول و عمل ایک ایک چیز تعلیم نبوی کے پرتو سے منور ہوجائے، تاکہ وہ تمام ملک کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے، اس لیے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی، اور آپ کی خدمت مین رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔

كان ينطلق من كل حي من العرب عصابة	عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت صلعم کے پاس

فیاتون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیسألونہ عما یرید ون من امرد ینھم و یتفقھوا فی دینھم[1]،

جاتا تھا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا، اور دین مین تفقہ حاصل کرتا تھا،

داعیانِ اسلام جو اطراف عرب مین بھیجے جاتے تھے اُن کو ہدایت کی جاتی تھی، کہ لوگون کو اس بات پر آمادہ کرین کہ وطن چھوڑ کر مدینہ مین آجائین، اور یہین بود و باش اختیار کرین، اس کا نام ہجرت تھا، اس بنا پر بیعت کی دو قسمین کردی گئی تھین، بیعتِ اعرابی اور بیعت ہجرت، بیعت اعرابی، صرف اُن بدوؤن کے لیے جنکو مدینہ مین رکھکر تعلیم دینا مقصود ہوتا تھا، مختصر مشکل الآثار مین روایت ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت صلعم نے اُن سے دریافت کیا کہ بیعت اعرابی کرتے ہو یا بیعت ہجرت، اس کے بعد مصنف لکھتا ہے،

ان البیعۃ من المھاجر توجب الاقامۃ عندہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصرف فیما یصرفہ فیہ من امور الاسلام بخلاف البیعۃ الاعرابیۃ[2]،

ہجرت کی بیعت کرنے سے یہ لازم ہوجاتا ہے، کہ آنحضرت صلعم کے پاس قیام کرے تاکہ آنحضرت صلعم ان کو اسلامی امور مین لگائین اور بیعت اعرابی مین یہ ضرور نہین۔

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھرون سے ہجرت کرکے مدینہ مین چلے آئے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری آئے تو اسّی شخصون کو لیکر آئے، اور مدینہ مین آباد ہوئے خلاصۃ الوفا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ مین جہینہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدین تھین، یہ

[1] تفسیر خازن سورۂ توبہ آیت وما کان المومنون لینفروا کافۃ،

وہی قبائل تھے جو ہجرت کرکے مدینہ مین آگئے تھے، اور چونکہ مسجد نبوی سب کے لیے کافی نہ تھی اس لیے الگ الگ مسجدین بنگئی تھین۔

تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے،

ایک یہ کہ دس بیس دن، یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل مین واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے، مثلاً مالک بن الحویرث جب سفارت لیکر آئے تو بیس دن تک قیام کیا، اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی جب چلنے لگے تو آپ نے فرمایا۔

ارجعوا الی اھلیکم فعلموھم ومروھم وصلوا کما رایتمونی اصلی (بخاری باب رحمۃ البہائم)

اپنے خاندان مین واپس جاؤ ان مین رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجکو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو۔

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا، یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ مین رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے، ان کے لیے صفہ کا خاص درسگاہ تھا، اور اس مین زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہوکر شب وروز، زہد وعبادت اور زیادہ تر خدمت علم مین مصروف رہتے تھے،

مشکوٰۃ کتاب العلم مین روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم مسجد مین تشریف لے گئے اس وقت مسجد مین دو حلقے تھے، حلقۂ ذکر، اور حلقۂ درس۔ آنحضرت صلعم حلقۂ درس مین جاکر بیٹھ گئے، اسوقت کی اصطلاح مین ان طالبان علم کو قُرّاء کہتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ مین ہر جگہ

یہی نام آتا ہے، عرینہ مین جولوگ تعلیم وارشاد کے لیے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید کردیا تھا وہ اسی درسگاہ کے تربیت یافتہ تھے، اورکتب حدیث مین انکا نام ای لقب (قُرّاء) کے ساتھ آیا ہے، ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگون مین سے جب کوئی شادی کرلیتا تھا تو اس جماعت سے نکل آتا تھا، اور ان کے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے،

اصحاب صفہ، اگرچہ اس قدر مفلس اور نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہین ہوتا تھا، جسکو گردن سے باندھ کر گھٹنون تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونون کا کام دیتا تھا، تاہم یہ لوگ پاؤن توڑ کر نہین بیٹھتے تھے، بلکہ جنگل مین جاکر لکڑیان چن[لے] لاتے تھے، اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کردیتے تھے اور آدھا اخوان طریقت مین تقسیم ہوتا تھا، اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا، بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کے متعلمین مین سے حضرت عبادۃ بن الصامت بھی تھے، جو مشہور صاحب علم تھے اور جنکو حضرت عمرؓ نے زمانۂ خلافت مین تعلیم فقہ و قرآن کے لیے فلسطین بھیجا تھا، ابوداؤد مین حضرت عبادۃ بن الصامت سے روایت ہے،

علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والكتاب فاهدى الیّ رجل منهم قوسا

مین نے اصحاب صفہ مین سے چند لوگون کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی، اس کے صلہ مین مجکو ایک شخص نے ایک کمان تحفہ مین دی۔

(صفحہ ۱۲۹، جلد دوم)

ایک روایت مین یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے عبادہ کو اس تحفہ کے قبول کرنے کی اجازت

[لے] صحیح بخاری غزوۂ بیر معونہ،

نہین دی۔ بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہان اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند امام ابن حنبل مین ہی؛

عن انس کانوا سبعین فکانوا اذا جنھم اللیل انطلقوا الی معالم لھم بالمدینۃ فیدرسون اللیل حتی یصبحوا، (مسند جلد ۳ صفحہ ۱۳۷)	حضرت انسؓ کہتے ہین کہ اصحاب صفہ مین سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس مین مشغول رہتے تھے،

عرب مین لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا، لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لیکر آیا، سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی، جنگ بدر کے ذکر مین گزر چکا ہے کہ اسیران جنگ مین سے جو لوگ فدیہ نہین ادا کرسکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ مین رہ کر لوگون کو لکھنا سکھا دین، ابوداؤد کی مذکورۂ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہی کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس مین لکھنا بھی داخل تھا، چنانچہ حضرت عبادہ قرآن مجید کے ساتھ، لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے،

مساجد کی تعمیر [1] (آنحضرت صلعم اگرچہ ترفہ و جاہ پرستی سے طبعاً نفور تھے، اور اس لیے اینٹ اور مٹی پر صرف زر ناپسند فرماتے تھے، تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفع ذکر اور تسبیح و تقدیس الٰہی تھا، اس بنا پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی، ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدین صرف نماز ہی پڑھنے کے کام مین نہین آتی تھین، بلکہ درحقیقت یہ تمام اہل قریہ یا اہل محلہ کو دن مین پانچ بار ایک جگہ جمع کرکے ان کے اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے

---

[1] اضافہ تا ختم باب "سوزنین"۔

کا ذریعہ بنتی تھیں، اس لیے آپ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے،

خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے، ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا، اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تھی،

ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں بہ سند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ کے زمانہ میں ۹ مسجدیں تھیں، جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں، ان کے نام یہ ہیں، [1] مسجد بنی عمرو، [2] مسجد بنی ساعدہ، [3] مسجد بنی عبید، [4] مسجد بنی سلمہ، [5] مسجد بنی رابح، [6] مسجد بنی زریق، [7] مسجد غفار، [8] مسجد اسلم، [9] مسجد جہینہ، ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے، [10] مسجد بنی حذرہ، [11] مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا) [12] مسجد بنی بیاضہ، [13] مسجد بنی الحبلی، [14] مسجد بنی عصیہ، [15] مسجد ابی فسیلی، [16] مسجد بنی دینار، [17] مسجد ابی بن کعب، [18] مسجد النابغہ، [19] مسجد ابن عدی، [20] مسجد بلحارث بن خزرج، [21] مسجد بنی حطمہ، [22] مسجد الفضیح، [23] مسجد بنی حارثہ، [24] مسجد بنی ظفر، [25] مسجد بنی عبدالاشہل، [26] مسجد واقم، [27] مسجد بنی معاویہ، [28] مسجد عاتکہ، [29] مسجد بنی قریظہ، [30] مسجد بنی وایل، [31] مسجد الشجرہ [1])

(روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ ہی مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا، آنحضرت صلعم نے غزوات میں معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے، صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے، چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ نے فرمایا "یہ تو فطری شہادت ہے" اس کے بعد آپ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کی آواز سنی تو فرمایا "آگ سے نجات ہوگی" صحابہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے

[1] یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۲۸ سے ماخوذ ہے،

چرواہے کی آواز[1] سُنے، تمام مجاہدینِ اسلام کو بھی یہی حکم تھا، چنانچہ ایک بار آپ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی،

اذا رأیتم مسجدا او سمعتم	اگر تم مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو
صوتا فلا تقتلوا احدا[2]	تو وہان کسی شخص کو قتل نہ کرو۔

ان روایتون سے ایک طرف تو عہدِ نبوت مین اشاعتِ اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہون نے الگ الگ مسجدین تعمیر کر لی تھین اور ان مین پنجوقتہ غلغلۂ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا،

اگرچہ اس وقت کی عام غربت، اور سادگی کیوجہ سے جو مسجدین تعمیر ہوئی تھین وہ ایک زمانۂ ممتد تک قائم نہین رہ سکتی تھین، اس لیے ان باقیاتِ صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، اور اُن کے ساتھ انکا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی، تاہم جو مسجدین مدتون قائم رہین ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگارون سے خالی[3] نہ تھا،

عرب کے عام قبائل سے پہلے بحرین کا ایک قبیلہ عبد القیس اسلام لا چکا تھا، اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی، چنانچہ اسلام مین مسجدِ نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد مین ادا کی گئی، بخاری کتاب الجمعہ مین ہے۔

عن ابن عباس انہ قال ان اول جمعۃ	حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ

---

[1] صحیح مسلم جلد اول کتاب الاذان باب الامساک عن الاغارۃ علی قوم فی دار الکفر اذا سمع فیہم الاذان [2] ابوداؤد کتاب الجہاد فی دعاء المشرکین [3] نسائی کتاب المساجد صفحہ ۱۱۸،

جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلعم في مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين،

مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ قبیلہ عبد القیس کی مسجد مین پڑھا گیا جو بحرین کے ایک گانون جواثی نامی مین واقع تھی،

اہلِ طایف جب اسلام لائے تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائین جہان انکا بت نصب تھا، حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور ہمنے عرض کی کہ ہمارے ملک مین ایک گرجا ہے تو آپ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہان یہ پانی چھڑک کر مسجد بنالو، چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کرلی[۲]،

اس قسم کی مسجدین اگرچہ عرب کے گوشہ گوشہ مین تعمیر ہوئی ہون گی، لیکن عموماً احادیث کی کتابون سے صرف ان مسجدون کا حال معلوم ہوسکتا ہے، جو مدینہ اور حوالی مدینہ مین تعمیر ہوئین، صحیح مسلم مین ہے کہ حوالی مدینہ مین انصار کے جو گانون آباد تھے، عاشورا کے دن آنحضرت صلعم نے ایک دن اُن مین منادی کرادی کہ جو لوگ روزہ دار ہین وہ اپنے روزے کو پورا کرلین اور جو لوگ افطار کرچکے ہین وہ بقیہ دن روزہ رکھین، اس اعلان کے بعد صحابہؓ نے اسپر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ خود روزے رکھتے تھے اور اپنے بچون سے روزے رکھواتے تھے، یہان تک کہ انکو گھر سے باہر مسجد مین لیجا کر رکھتے تھے، اور جب وہ کھانے کے لیے روتے تھے، تو ان کو اُون کے

---

[۱] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۵۵، ۴۴، بروایت ابوداؤد الطیالسی،
[۲] سنن نسائی، کتاب المساجد،

بنے ہوئے کھلونون سے بہلاتے تھے[1]

امام بخاری نے صحیح بخاری مین ایک مستقل باب باندھا ہے کہ "مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے یا نہین"؟ اور اِس باب کے تحت مین جو حدیث لائے ہین، اس مین بہ تصریح مسجد بنی زریق کا نام لیا ہے، حضرت انس بن مالک، آنحضرت صلعم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھکر اپنے محلہ مین آتے تھے، یہان لوگ مسجد مین منتظر رہتے تھے، وہ آکر کہتے تھے کہ مسجد نبوی مین نماز ہوچکی تب لوگ یہان نماز پڑھتے تھے[2]، ان روایتون سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائل کی مسجدین الگ الگ تھین، صحاح کی روایتون سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ اپنی قوم کی امامت کرکے آتے تھے، اور پھر دوبارہ آنحضرت صلعم کے ساتھ شریک جماعت ہوجاتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کا اسی پر عمل تھا، مدینہ مین جو قبائل آباد تھے، اُن کے علاوہ جو قبائل ہجرت کرکے آتے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کرلیتے تھے، چنانچہ طبقات ابن سعد مین ہے،

ولجهينة مسجد بالمدينة[3] — مدینہ مین جہینہ کی ایک مسجد ہے،

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدون کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلعم راہ مین جہان کہین نماز پڑھتے تھے وہان صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کرلیتے تھے، امام بخاری نے صحیح بخاری مین مستقل باب باندھا ہے جسکا عنوان یہ ہے، باب المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیها النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی وہ مسجدین جو مدینہ کے راستون اور اُن مقامات

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام، باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیة یومہ، [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۴۲،
[3] طبقات ابن سعد جزء رابع صفحہ ۱۷،

مین واقع ہین جہان آپ نے نماز پڑھی ہے، اور اس کے تحت مین اس قسم کی متعدد مسجدون کا نام لیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے ان کے حسب ذیل نام گنائے ہین،

مسجد قبا، مسجد الفضیح، مسجد بنی قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد البغلہ، مسجد بنی معاویہ مسجد الفتح، مسجد القبلتین، حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے[1] کہ مدینہ اور اطراف مدینہ مین جو مسجدین منقش پتھرون سے تعمیر ہوئی ہین اُن سب مین آنحضرت صلعم نے نماز ادا فرمائی ہے، کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی[2]

ائمۂ نماز کا تقرر | مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لیے الگ الگ امام مقرر کر دیے جائین، عموماً عادت شریف یہ جاری تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہو جاتا اس مین جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کر دیا جاتا، اور اس شرف مین چھوٹے بڑے، غلام آقا سب برابر تھے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ مین جو مہاجرین آچکے تھے اُن کے امام حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ تھے، جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا تو عمرو بن سلمہ جرمی اسوقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچّہ تھے لیکن چونکہ اپنے قبیلہ مین قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے اس لیے وہی امام قرار پائے،

امامت کے انتخاب کے لیے آنحضرت صلعم نے چند اصول مقرر فرما دیے تھے،

عن ابی مسعود الانصاری، قال قال رسول اللہ صلعم یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان	ابو مسعود انصاری سے مروی ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ

---

[1] فتح الباری جلد اول صفحہ ۱۰۴، [2] ایضاً،

کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا، (مسلم)

پڑھا ہو، اگر اس مین سب برابر ہون تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہو، اگر اس مین بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی، اور اس مین بھی سب برابر ہون توجسکی عمر زیادہ ہو،

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس مین حاضر ہوتا تو آپ پوچھتے کہ تم مین سب سے زیادہ حافظ قرآن کون ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپ اس کو اس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے، چنانچہ اہل طایف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے، اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا، تم مین جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے، مالک بن حویرث جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے تو آنحضرت صلعم نے یہی ارشاد فرمایا،

مدینہ مین، مدینہ سے باہر اطراف مین، عرب کے مختلف صوبون مین جہان جہان مسجدین تعمیر ہوئی تھین، ظاہر ہے کہ وہان ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہون گے، جن قبائل مین عمّال مقرر ہوتے تھے وہی اُن کے امام بھی ہوتے تھے[1]، بڑے بڑے مقامات مین یہ دونون عہدے الگ الگ ہوتے تھے، عمان مین حضرت عمرو بن العاص عامل تھے، اور ابو زید انصاری امام[2]، لیکن افسوس ہے کہ احادیث وسیر کی کتابون مین نام بنام انکی مستقل تفصیل مذکور نہین ہے، ضمنی واقعات مین جہانتک سراغ لگ سکا ہے وہ حسب ذیل ہے،

---

[1] مسند ابن حنبل، جلد ۴ صفحہ ۲۱۸،

[2] فتوح البلدان بلاذری،

نام	مقام تقرر	کیفیت
مصعبؓ بن عمیرؓ	مدینۂ منوّرہ	ہجرت نبوی سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے (ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ)
سالم مولی ابی حذیفہؓ	"	آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے، (بخاری وابوداؤد)
ابنؓ ام مکتوم	"	جب آپ مدینہ سے باہر غزوات مین تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہ بھی ہمرکاب ہوتے، لیکن چونکہ یہ آنکھون سے معذور تھے اس لیے مدینہ ہی مین رہتے تھے اس سبب سے اس موقع پر انہین کو آپ امام مقرر فرما جاتے (ابوداؤد)
ابوبکرؓ صدیق،	"	آنحضرت صلعم کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبوی مین امام ہوتے تھے، (صحیح بخاری)
عتبانؓ بن مالک	بنو سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے، (ابوداؤد ونسائی)
معاذؓ بن جبل	بنو سلمہ	" (بخاری وغیرہ)
ایک انصاری	مسجد قبا	" (بخاری)
عمروؓ بن سلمہ	بنو جرم	" (ابوداؤد، ونسائی)
اسیدؓ بن حضیر	۔	" (ابوداؤد)

نام	مقام تقرر	کیفیت
انس رض بن مالک (یا کوئی دوسرے صحابی)	بنو نجار	اپنے قبیلہ کے امام تھے، امام کا نام مشکوک ہے، (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)
مالک رض بن حویرث	•	؍ (ابوداؤد)
عتاب رض بن اسید	مکۂ معظمہ	؍ (نسائی)[1]
عثمان رض بن ابی العاص	طائف	؍ (ذکر وفد طائف)
ابوزید انصاری	عمان	؍ (بلاذری ذکر عمان)

مؤذنین (عام طور پر اذان کے لیے کوئی خاص شخص منتخب نہین کیا جاتا تھا، تاہم چند مثالون سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدون مین یہ عہدہ الگ آپ نے قائم فرمایا تھا، چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ مین اس عہدہ پر آنحضرت صلعم نے اِن صاحبون کو ممتاز فرمایا تھا،

بلال بن رباح	مدینہ منورہ	مؤذن مسجد نبوی
عمرو بن ام مکتوم قرشی	؍	؍
سعد القرظ	عوالی مدینہ	مؤذن مسجد قباء
ابو محذورہ جمحی قرشی[2]	مکہ مکرمہ	مؤذن مسجد حرام)

---

[1] کتب مذکورہ کی کتاب الصلوۃ سے یہ نام ملتقط ہین۔ [2] نسائی صفحہ ۱۸۰،

تاسیس وتکمیل شریعت

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

آج ہمنے تمہارا مذہب کامل کردیا، اور اپنی نعمت تمپر تمام کردی، اور اسلام کو تمہارے لیے مذہب بنا دیا

(یہ تمام انتظامات اور نظم ونسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا، بلکہ جیسا کہ بہ تفصیل اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یہ اس لیے تھا کہ ملک مین امن وامان پیدا ہو، اور ایک منتظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو، تاکہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلامزاحمت اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکین، صحیح بخاری مین ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے،

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ ان کافرون سے جہاد کرو، یہانتک کہ فتنہ

وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ، نہ رہے، اور مذہب تمامتر خدا کے لیے ہوجائے،

انھون نے فرمایا کہ "یہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین تھا، جب اسلام کم تھا، آدمی اپنے مذہب کی بنا پر فتنہ مین مبتلا ہوجاتا تھا، لوگ اس کو قتل کردیتے تھے، اب جب اسلام ترقی کرگیا تو کوئی فتنہ نہین[1] رہا")

ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمامتر (انھین فتنون کی دار وگیر، مخالفین کی شورشون اور ہنگامون کی مدافعت اور ملک مین امن وامان قائم کرنے مین گزرا، اسی لیے) آٹھ برس کی وسیع مدت مین فرائض اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایان نظر آتی ہے، وہ صرف جہاد ہی

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۷۰ تفسیر سورۂ انفال)

یہی وجہ ہے کہ تاریخ مین ایک ایک غزوہ کی تفصیل سیکڑون صفحے مین ہے، لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق دو دو چار چار سطرون سے زیادہ واقعات نہین ہین، وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تو اس قدر لکھدیتے ہین کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتین دو سے چار ہوگئین۔

اِس کی وجہ یہ نہین کہ خدانخواستہ اربابِ سیر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہین رکھتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر مین فرض ہوئے، اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے انکی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ مین ہوتی رہی جسکے لیل ونہار زیادہ تر مخالفین کے تیر باران کے روکنے مین بسر ہوگئے؛

(جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا، وہ اس وجہ سے نازل نہ ہوسکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا، خالص مذہبی فرائض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اُسی زمانہ مین نازل ہوتے رہے اور بتدریج جیسے جیسے اُن کے مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے، وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے، سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول مین یہ تھا کہ اُن سے مقصود محض عربون کو انکا بتادینا نہین تھا بلکہ عملاً انکی زندگی کو ان پر کاربند بنادینا تھا، اس لیے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج، ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا، اِسی نکتہ کو حضرت عایشہؓ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ "پہلے عذاب وثواب کی آیتین نازل ہوئین جب دلون مین استعداد اور رقت پیدا ہوگئی تو احکام نازل ہوئے، ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو، تو کون مانتا؟"[1]

الغرض ان مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اوسوقت تکمیل کو پہنچے

[1] صحیح بخاری باب تالیف القرآن۔

جب تمام ملک مین امن وامان قائم ہوگیا،) مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہین ہوا، مدینہ منورہ مین روزے فرض ہوئے، لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی، اسکی وجہ یہی تھی، رات دن کی معرکہ آرائیون سے مالی حالت اِس حد تک پہنچنے کہان پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے، فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس مین قدم نہین رکھ سکتے تھے، اس لیے اسوقت تک حج بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے، اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا، لیکن اسکی تکمیل تدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی، ۵ شنہ ہجری تک نماز مین بات چیت کرنا جائز تھا، اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز مین جواب دیتے تھے، جیساکہ ابوداؤد وغیرہ مین متعدد روائیتن مذکور ہین[1]۔

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا اور تمام ملک مین امن وامان قائم ہوگیا، تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظام شریعت کی تکمیل کا موقع آیا، احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے ابھی شروع ہی نہین ہوئے تھے، مثلاً زکوٰۃ، حج، حرمت ربا، وغیرہ بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی ارکان قائم ہوگئے تھے، لیکن تکمیل نہین ہوئی تھی[2]۔

---

[1] ابوداؤد باب رد السلام فی الصلوٰۃ، (۲) اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی تکمیل کی تاریخ جلد اوّل کے واقعات متفرقہ کے تحت مین بھی ضمناً گزر چکی ہے، ناظرین ایک دوجگہ احکام کی تاریخ اور سنین مین یہان سے اختلاف پائین گے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جلد اول مین عام مورخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہان احادیث اور کتب شان نزول سے استقراء کرکے جو امر محقق نظر آیا ہے، اسکی تفصیل کی گئی ہے اور اصل یہ ہے کہ احکام کے سنین اور تاریخین کتب حدیث مین بالتصریح مذکور نہین ہین، محدثین اور ارباب روایت کے قیاسات اور استنباطات ہین اور اسی بنا پر باہم ان مین اختلافات ہین۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح اور معتبر دلائل کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کرین۔ والعصمۃ بید اللہ) س

عقائد اور اسلام کے اصول اوّلین

(اسلام کے فرائضِ اوّلین عقائد ہین، یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر وغیرہ پر ایمان لانا، آنحضرت صلعم پر اوّل اوّل جو وحی نازل ہوئی یعنی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، اس مین خدا کی بڑائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی، لیکن دوسری بار جو وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی،[۲]

يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (مدثر) — اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ، لوگون کو ڈرا، اپنے پروردگار کی بڑائی کر، اور بتون کو چھوڑ دے،

اس کے بعد مکۂ معظمہ کے قیام کے زمانہ مین جس قدر آیتین نازل ہوئین وہ بیشتر عقائد کے متعلق تھین، شرک اور بت پرستی کی بُرائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سمان اور جنت و دوزخ کا پُر اثر بیان، رسالت کے خواص اور اسکی ضرورت کے دلائل، مکہ مین تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے،[۳]

غرض عقائد کے تمام اجزا اگرچہ آغاز اسلام ہی مین لوگون کو سنائے جا چکے تھے، لیکن مکی آیتون کے استقصا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان اب تک الگ الگ ہوتا تھا، عقائد کا مسلسل بیان سورۂ بقرہ، اور سورۂ نسا مین ہے، اور یہ دونون سورتین مدینہ مین نازل ہوئین، مکی سورتون مین زیادہ تر زور، توحید، قیامت کے اعتقاد اور رسول کی صداقت پر صرف ہوا ہے، لیکن مدینہ آکر اسلام کے تمام عقائد اور اصول اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے،

ایمان اور اسلام کے اصول اولین کے متعلق سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت یہ ہے،

---

[۱] اضافہ تا ختم باب "تیمم" [۲] صحیح بخاری تفسیر سورۂ مدثر، [۳] صحیح بخاری باب تالیف القرآن،

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ، وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ،

جو بن دیکھے ایمان لاتے ہین، نماز کھڑی کرتے ہین، ہمنے جو روزی دی ہو اس سے خرچ کرتے ہین اور جو اُن باتون پر ایمان رکھتے ہین جو (اے محمدؐ) تجھ پر اتاری گئین اور جو تجھ سے پہلے نازل ہوئین، اور ان کو آخرت پر بھی یقین ہو،

وسط سورہ مین یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہین،

لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ،

لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی خدا پر، روز قیامت پر، فرشتون پر، کتاب پر، پیغمبرون پر ایمان لائے، [۱]

اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہین، یہ آئتین تحویل قبلہ کی آیت کے ساتھ سلسہ ہجری مین نازل ہوئین،

اِسی کی تفصیل سورہ کے آخر مین کی گئی ہے، یہ آیتین ہجرت کے چند سال بعد غالباً نازل ہوئی ہین، جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ[۲] کی روایتون سے ثابت ہو،

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ،

پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اترا، اور تمام مسلمان خدا پر، خدا کے فرشتون پر، اسکی کتابون پر، اور اُس کے پیغمبرون پر سب ایمان لائے،

سورۂ نسا کی آیت یہ ہے جس مین بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہین اُنکے کیا عقائد ہونے چاہئین،

[۱] صحیح بخاری تفسیر یمحق اللہ الربوا، [۲] اسباب النزول سیوطی، بحوالہ صحیح مسلم و مسند احمد،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ	اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر، اسکے رسول پر
وَالْكِتٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى رَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ	اور اس کتاب پر جو اسنے اپنے رسول پر اُتاری، اور اس کتاب
الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللهِ	پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اُس کے
وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	فرشتون کا اور اسکی کتابونکا، اسکے پیغمبرونکا، اور روز آخرت کا
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيدًا،	انکار کریگا وہ سخت گمراہ ہوا،

احادیث کتاب الایمان مین بہت سے ایسے واقعات مذکور ہین جنہین لوگون نے آپ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کیے ہین، اور آپ نے سائل کی، یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیے ہین، آپ نے فرمایا کہ "مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ مین اسوقت تک لڑون جب تک لوگ یہ گواہی نہ دین کہ خدا ایک ہی، محمد خدا کا پیغمبر ہے، نمازین پڑھین اور زکوٰۃ دین"

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضر خدمت ہوا، اور دریافت کیا کہ اسلام کی حقیقت کیا ہی؟ آپ نے تین چیزین بتائین "رات دن مین پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ"

عبد القیس کے وفد نے سشہ ہجری مین حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم دشمنون کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ نہین حاضر ہو سکتے اسلیے ایسے احکام بتا دیے جائین جو ان لوگون کو بھی سنا دیے جائین، جو شرف حضوری حاصل نہین کر سکتے آپ نے فرمایا،

شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ، وان محمدا	اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہی ہی محمدؐ خدا کے پیغمبر ہین
رسول اللہ، واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ	نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، اور مال غنیمت مین سے پانچوان
وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس،	حصّہ دینا،

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع مین تشریف فرماتے، اِس اثنا مین ایک شخص نے آکر سوال کیا، ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتون پر، خدا کی ملاقات پر، اس کے پیغمبرون پر اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر یقین ہو" اس نے پوچھا اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا "اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو" اس نے پھر دریافت کیا کہ "احسان کسکو کہتے ہین؟" ارشاد ہوا کہ "خدا کی اسطرح عبادت کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہین دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔

یہ اصول اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے۔ غالباً یہ سوال وجواب فتح مکہ یعنی سنہ ۸ھ سے پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ اس مین حج کا ذکر نہین ہے، تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ تکمیل عبادت کے لیے خضوع وخشوع کی قید بھی اضافہ کیجا سکی، اصولِ اسلام کا آخری اعلان یہ ہے،

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان،	اسلام کی بنا پانچ باتون پر ہے، اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہین، محمدؐ اُسکا پیغمبر ہے، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا،

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی، آپ نے فرمایا "کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخین ہین، ان مین ایک شاخ حیا ہے" ایک دفعہ فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اسکی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے" ایک اور صاحب کے جواب مین فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجون کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو" یہ بھی فرمایا کہ "اسوقت تک تم مومن نہین جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرو

جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو"۔[1]

غرض اسلام کے تمام اصول و فروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہونچی گئی، اور آخر ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا[2]،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ،) — آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی،)

عبادات

(اوپر یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے، ان میں سے توحید و رسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ، عبادات میں داخل ہیں، انمیں سب سے اول شے نماز ہے، نماز کی صحت کے لیے متعدد شرطیں ہیں، سب سے اول اور ضروری شرط طہارت ہے)

طہارت (طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس، ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو، طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا،

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ، (مدثر) — اے چادر اوڑھنے والے اٹھ، اور ڈرا، اور اپنے کپڑے پاک کر، اور ناپاکی کو چھوڑ دے،

اگرچہ مفسرین نے عموماً کپڑے کی طہارت سے "دل کی طہارت" اور "ناپاکی" سے "بت پرستی" مراد لی ہے، تاہم اس سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے، نماز سے پہلے

---

[1] یہ تمام حدیثیں صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہیں [2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

وضو کرنا فرض ہے، اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے، تاریخ و سیر اور بعض روایات حدیث مین ہے کہ وضو کا طریقہ آغاز وحی ہی مین حضرت جبریل نے آپ کو سکھایا تھا، حاکم نے مستدرک مین حضرت ابن عباس سے ایک روایت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے بھی وضو فرماتے تھے، لیکن قرآن مین وضو کا حکم باتفاق محدثین مدینہ مین نازل ہوا،

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ	مسلمانو! جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو منھ اور کہنیون تک
فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ	ہاتھ دھولو، سر پر مسح کرو، اور گھٹنون تک پاؤن
فَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ،	دھو ڈالو،

یہ آیت سورۂ مائدہ مین ہے اور اس سورہ کی اکثر آیتین ہجرت کے چار پانچ سال بعد کی ہین، اس آیت کے متعلق بخاری مین تصریح ہے کہ وہ آیت تیمم کے ساتھ اتری ہے، آیت تیمم سنہ ۶ھ مین نازل ہوئی، اسی بنا پر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو پر عمل تو پہلے سے تھا لیکن قرآن مین اسکی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد نازل ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے، کچھ حصہ بھیگتا تھا، کچھ نہین بھیگتا تھا، سنہ ۷ھ مین یا اس کے بعد کسی سفر مین آپ مکہ سے واپس آرہے تھے، کچھ لوگ چھچھلے تالاب کے پاس پہنچے، اور جلدی جلدی ہاتھ منھ دھولیا، ایڑیان کچھ بھیگین کچھ خشک رہین، آپ نے فرمایا،

وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ	ان ایڑیون پر دوزخ کی پھٹکار ہو، وضو کو کامل کرو،

---

[۱] ابن ہشام و فتح الباری، بحوالہ مغازی ابن لہیعہ و امام احمد و ابن ماجہ، [۲] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ و طبرانی فی الاوسط، [۳] صحیح مسلم باب وجوب غسل الرجلین،

اس وقت سے "اِسباغ وضو" یعنی سکون وطمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار پاگیا، اسباغ وضو کے فضائل آپ نے بیان فرمائے، ابتداءً وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے لیکن آخر عام مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت ضروری[1] نہ رہا، اور اسکا اعلان آپ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا[2]۔)

تیمم (وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہی لیکن ہر وقت سفر مین اسکا ملنا مشکل ہی، نیز بیماری کی حالت مین پانی کا استعمال کبھی مضر ہے اس لیے ۵ ہجری مین تیمم کی آیت نازل ہوئی،

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ	اگر تم بیمار ہو یا سفر مین ہو، یا تم مین سے کوئی جائے ضرور
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ	سے آئے، یا تمنے عورتون سے مقاربت کی ہو، اور پانی
فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا	میسر نہ آئے تو طاہر مٹی لیکر اُس سے تیمم یعنی منھ اور ہاتھون
فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا	کا اُس سے مسح کرلو، اللہ تمپر کسی طرح کی تنگی کرنا نہین چاہتا
يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ	بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمکو پاک وصاف کردے، اور
يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ	اپنا احسان تمپر پورا کردے، تاکہ تم شکر
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (مائدہ)	گزار ہو،

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق (۵ ہجری) سے آپ واپس آرہے تھے، ام المومنین حضرت عائشہؓ ساتھ تھین، مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المومنینؓ کا ہار کہین گرگیا، سارا قافلہ وہین اُتر پڑا، نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا، تمام صحابہ پریشان خاطر تھے، آنحضرت صلعم

[1] فتح الباری بحوالہ ابوداؤد واحمد، [2] صحیح مسلم،

کو خبر ہوئی، اتنے مین یہ آیت نازل ہوئی، مسلمانون کو اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی، اسید بن حضیر ایک صحابی نے کہا "اے آل ابی بکر تم لوگون کے لیے سرمایۂ برکت ہو")

نماز نماز[1] آنحضرت صلعم کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی، (چنانچہ دوسری ہی وحی مین حکم ہوا،

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (مدثر) اپنے پروردگار کی بڑائی (تکبیر) بیان کر،

اس تکبیر سے مقصود بجز نماز کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن چونکہ تین برس تک دعوت اسلام مخفی رہی اور کفار کے ڈر سے علانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا، اس لیے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا، دن مین کوئی نماز فرض نہین ہوئی، چنانچہ سورۂ مزمل مین جو ابتدائی سورتون مین سے ہے یہ حکم بتصریح مذکور ہی،

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ
أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ
الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا
ثَقِيلًا إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً

اے کملی اوڑھ کر سونے والے! رات کو تھوڑی دیر کے علاوہ ساری رات اُٹھکے نماز پڑھاکر، آدھی رات تک یا اس سے بھی کچھ کم کر، یا اس سے بھی کچھ بڑھا دے، اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، ہم تجھپر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے

---

[1] نماز کے بیان تاریخ مین محدثین مختلف الرائے ہین، ابن حجر نے فتح الباری (جلد اوّل صفحہ ۳۹۳) مین جو خلاصۂ مباحث نقل کیا ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہی "ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ معراج سے پہلے رات کی غیر موقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہ تھی، حربی کی راے ہے کہ صبح و شام دو دو رکعتین فرض تھین، امام شافعی نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی (دیر تک) نماز فرض تھی، بعد ازین فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی، اس کے بعد نماز پنجگانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کردیا"، ہم نے نماز کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ انھین چند سطرون کی تفصیل ہے جسکی تطبیق قرآن مجید کی چند آیتون سے کردی گئی ہے، اس تفصیل سے یہ گرہ بھی کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید مین اوقات نماز کے مختلف بیانات کیون ہین) س

وَاَقْوَمُ قِیْلًا، اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا
وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ
تَبْتِیْلًا ۵)

ہین، رات کا اُٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہی اور یہ وقت دعا کیلئے
بھی یادہ ہی دنکو تجکو زیادہ شغل رہتا ہی اپنے پروردگار کا نام لے سب
ٹوٹ کر اسی کا ہو رہ۔)

اس کے بعد صبح وشام کی دو دو رکعتین اور فرض ہوئین ۔

(وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا وَمِنَ
اللَّیْلِ فَاسْجُدْ لَہٗ وَسَبِّحْہُ لَیْلًا طَوِیْلًا (دھر)

صبح وشام خدا کا نام لیا کر، اور رات کے وقت دیر تک
اسکو سجدہ کیا کر اور اسکی تسبیح بیان کر،

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا، ایک سال تک قائم رہا، چنانچہ حضرت عایشہؓ بیان کرتی ہین کہ آپکا اور اکثر صحابہ کا ایک سال تک اسی حکم پر عمل رہا، نماز پڑھتے پڑھتے انکے پانون سوج جاتے تھے ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہو گئی،[1] اور حکم ہوا،

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ
اللَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَائِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ
مَعَکَ ط وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ عَلِمَ
اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ فَتَابَ عَلَیْکُمْ فَاقْرَءُوْا مَا
تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ
مَّرْضٰی وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ
یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ،

تیرا پروردگار جانتا ہے کہ دو تہائی رات سے کم، اور آدھی رات
اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہی اور کچھ لوگ وہ تیرے ساتھ
خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہی اُسنے جان لیا کہ تم اسکو
گن نہین سکتے، تپر اُسنے مہربانی کی، اب جتنا ہو سکے اُتنا ہی
قرآن نماز مین پڑھو، اُسنے جان لیا کہ تم مین بیمار بھی ہونگے
مسافر بھی ہونگے، جو خدا کی روزی ڈھونڈھنے کو سفر کرینگے
اور لوگ خدا کی راہ مین سفر جہاد کرین گے پس اب جتنا
ہو سکے اتنا ہی پڑھو،

---

[1] ابوداود باب فی صلوۃ اللیل ومسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۴،

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے۔ نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد، فجر، مغرب، اور عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں،

أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ، (هود)	دن کے دونوں (ابتدائی اور انتہائی) کنارون میں (یعنی فجر و مغرب) اور تھوڑی رات گذرنے کے بعد نماز پڑھا کرو،

معراج میں جو نبوت کے پانچویں[1] سال ہوئی پانچ وقت کی نمازیں فرض[2] ہوئیں، (اور سورۂ اسراء میں جو معراج کے بیان پر مشتمل ہے یہ آیت اُتری،

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ، إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا، وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ،)	نماز کے اوقات زوال آفتاب سے لیکر ظلمت شب تک ہیں، (ظہر، عصر، مغرب، عشاء) اور صبح کی نمازیں سب جمع ہوتے ہیں، اور رات کو تہجد پڑھ، یہ تیرے لیے مزید ہے۔)

لیکن رکعتیں دو ہی رہیں، مدینہ منورہ میں آکر جب نسبتہً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہوگئیں[3]،

بااین ہمہ نماز میں خضوع و خشوع اور تمکین و وقار کے لیے جو ارکان ضروری ہیں اُن کے لیے جس اطمینان کی ضرورت تھی وہ مدت تک نصیب نہیں ہوا، اس لیے فوراً وہ ارکان اور آداب لازمی نہیں قرار پائے، بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تکمیل کی گئی، پہلے لوگ نماز میں آنکھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے، بالآخر آنحضرت صلعم نے فرمایا،

---

(۱) ہماری تحقیق میں معراج نبوت کے نوین سال ہوئی، (۲) فتح الباری مصری جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ (۳) صحیح بخاری باب الہجرۃ

مَا بَالُ اقوام یرفعون البصر الی السماء فی صلواتھم[1]	یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا کرتے ہیں۔

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آجاتا تو کسی سے کہدیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے، پاس پاس کے آدمی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے جب مہاجرین حبش سنہ ۲ھ میں واپس آکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلعم نماز میں مشغول تھے، معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا، لیکن جواب نہیں ملا، نماز کے بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو[2]" اُس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہوگیا،

معاویہ بن حکم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز ادا کی، ایک صاحب کو چھینک آئی میں نے یرحمک اللہ کہا، لوگوں نے تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا میں نے کہا "آپ لوگ کیا دیکھتے ہیں؟" لوگوں نے زانو پر ہات مارے، اُس وقت میں سمجھا کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہیں، میں چپ ہوگیا، آنحضرت صلعم نے نماز سے فارغ ہوکر (خلق احمدی سے) مجھکو نہ سزا دی نہ ڈانٹا، نہ بُرا کہا، صرف یہ فرمایا کہ "نماز تسبیح و تکبیر اور قرأت کا نام ہے، اس میں بات چیت جائز نہیں[3]"

تشہد[4] کا جو طریقہ اب ہے پہلے نہ تھا، بلکہ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے، السلام علی فلان و فلان، بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جو اب نماز میں معمول بہا ہیں[5]۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم چھوٹے بچوں کو نماز میں کندھے پر چڑھا لیتے سجدہ میں جاتے وقت اُتار دیتے، دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے، حضرت عائشہ باہر سے آتیں اور

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ، [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، [3] ایضاً [4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشہد

دروازہ کھٹکھٹاتیں، آنحضرت صلعم نماز پڑھتے ہوئے، عین اسی حالت میں جاکر دروازہ کھول[1] دیتے، اِن حدیثوں کی بنا پر بہت سے فقہا کی یہ رائے ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل میں جائز ہیں، نفل کی تخصیص اس لیے کہ جن نمازوں میں آنحضرت صلعم نے افعال کیے وہ فرض نہ تھیں، بلکہ نفل تھیں، لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں، ایک حدیث میں صاف موجود ہے کہ آنحضرت صلعم امامہ بنت ابو العاص کو کاندھے پر چڑھائے مسجد میں آئے، اور نماز ادا[2] کی، ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں اُسی زمانہ کی ہیں جبکہ نماز میں بات چیت اور اس قسم کے حرکات ممنوع نہیں قرار پائے تھے،

رفتہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حد کو پہنچی کہ وہ تمامتر خضوع وخشوع ومراقبہ ومحویت بنگئی،

قرآن مجید میں آیت اُتری قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ۔،

یعنی فلاح پانے والے مسلمان، وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں" اس بنا پر نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع وخشوع کے خلاف کرنا منع ہوگیا، نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا، یہان تک کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم کے سامنے نماز ادا کی، اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہیں ادا کیے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ "تم نے نماز نہیں پڑھی، جاکر پھر پڑھو" اُس نے دوبارہ اِسی طرح ادا کی، آپ نے پھر فرمایا کہ "نماز نہیں ہوئی" تیسری دفعہ اُسنے پوچھا کہ کیونکر پڑھوں، آپ نے رکوع، سجدہ، قیام سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کیے جائیں، چنانچہ صحیح بخاری[3] وغیرہ میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ [2] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ، [3] صحیح بخاری باب امر النبی صلعم من لا یتم الصلوٰۃ بالاعادۃ،

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم مسجد مین جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے، اتفاقاً شام سے تجارت کا قافلہ آیا، دس بارہ آدمیون کے سوا جسقدر لوگ نماز مین شریک تھے، اُٹھ کر قافلہ کی طرف دوڑے اس پر یہ آیت اُتری[1]،

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا	اور جب لوگ تجارت، یا کھیل تماشا دیکھ پاتے ہین تو ٹوٹ کر
إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ	اُس پر گرتے ہین اور تجھکو کھڑا چھوڑ دیتے ہین، کہدے کہ جو کچھ
خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ	خدا کے ہان ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے،

اور یا آنحضرت صلعم کی تربیت و تعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ (ایک انصاری نماز کی حالت مین تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہین لیکن نماز نہین توڑتے کہ جو سورہ اُنھون نے شروع کیا تھا اُسکی لذت معنوی اس درد زخم سے زیادہ تھی، اس سے بڑھکر یہ) کہ حضرت عمر فاروق نماز مین زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہین، یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑکر نہین دیکھتا، کیونکہ خشیت الٰہی اور محویت کا عالم جو دلون پر طاری ہے وہ اور کسی طرف متوجہ نہین ہونے دیتا۔

نماز جمعہ اور عیدین

مکہ مین چار شخصون کا یکجا ہوکر نماز ادا کرنا ناممکن تھا، اس لیے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی (کیونکہ جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے) لیکن مدینہ منورہ مین انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی، اور کوئی شخص اداے نماز مین خلل انداز نہین ہوسکتا تھا، اس لیے آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آچکے تھے، اسعد بن زرارہ کی تحریک سے بنی ساخہ کے محلہ مین اُنھون نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز[2] ادا کی، مصعب بن عمیر امام[2] تھے، اور کل چالیس مسلمان نمازی[2] تھے، اس کے بعد آنحضرت صلعم جب

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع و تفسیر آیت مذکور، [2] ابوداؤد و ابن ماجہ و دارقطنی کتاب الجمعۃ نیز عبدالرزاق و احمد و خزیمہ بحوالہ فتح الباری،

مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا مین قیام فرمایا، یہان سے روانگی کے لیے آپ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا، بنی سالم کے محلہ مین پہنچے تو نماز کا وقت آگیا، چنانچہ آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے نماز جمعہ یہین ادا فرمائی، یہ اواخر ربیع الاول سنہ ۱ھ کا واقعہ ہے[1]، مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصون مین مسلمانون کی یکجا تعداد سب سے زیادہ جواثی مین تھی، جو بحرین مین واقع تھا، حضرت ابن عباس کی روایت ہی کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہین قائم ہوئی[2]،

لیکن بظاہر نماز جمعہ کا اہتمام مسلمانون مین پہلے اتنا نہ تھا جتنا کہ ہونا چاہیے، ابھی اوپر گذر چکا ہی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم مسجد مین جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے، اور ایک روایت مین ہی کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلہ کے بیوپاری آگئے، سب لوگ اُٹھکر اُدھر چلے گئے، جماعت مین صرف بارہ[3] آدمی، اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی[4] رہ گئے، اس پر یہ آیتین نازل ہوئین،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا،	ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے پکارا جائے تو یاد الٰہی کی طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہی، اگر تم کو علم ہو، جب نماز سے فراغت ہو جائے تو زمین مین چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو، اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو، تاکہ فلاح پاؤ، جب لوگ تجارت اور کھیل تماشہ دیکھ پاتے ہین تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہین، اور تجھکو اے پیغمبر! کھڑا چھوڑ دیتے ہین، کہدے کہ

[1] طبری صفحہ ۱۲۵۶ - [2] صحیح بخاری باب الجمعہ، [3] صحیح بخاری باب الجمعہ [4] دار قطنی کتاب الجمعہ،

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (جمعہ)

جو کچھ خدا کے پاس ہو وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔

اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کی دولت کا خزانہ بھی اُن کے آگے ہیچ ہوگیا۔ خدا نے انکی مدح فرمائی،

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ،

یہ وہ لوگ ہین جنکو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہین کرتی،

عید کی نماز بھی مدینہ ہی مین آکر قائم ہوئی، لیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال عید کی نماز نہین ہوئی، بلکہ ۲ھ مین مسنون[1] ہوئی جسکی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز، روزہ رمضان کے تابع ہے، اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے،)

صلوٰۃ خوف (نماز کسی حالت مین قضا نہین کی جا سکتی، خوف کی حالت مین مثلاً جنگ مین یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیے جائین، پہلے ایک جماعت تمام ہتیارون سے مسلح ہوکر امام کے پیچھے کھڑی ہو، اور قصر نماز ادا کرے، پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ مین تھی وہ پیچھے ہٹے، اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے، امام اپنی جگہ پر قیام کرے، راویون مین اختلاف ہے کہ ہر جماعت دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے، یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھے، یا صرف ایک ہی رکعت اس حالت مین فرض ہے، ابوداؤد نے صلوۃ الخوف کی تمام صورتین بروایت صحابہ الگ الگ لکھدی ہین، ہمارے نزدیک ان مین کوئی اختلاف نہین ہے،

[1] طبری صفحہ ۱۲۸۱ - یورپ -

یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہی، امام جسوقت جو مناسب سمجھے کرے، اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو، تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا، سورۂ نسا مین صلوۃ الخوف کی صورت بہ تفصیل مذکور ہے۔

صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوۃ الرقاع سنہ ۵ ھ مین نازل ہوا، اسی غزوہ کا نام بعض راویون نے غزوۂ نجد بتایا ہے، ابو داؤد مین ابو عباس زرقی کی ایک روایت ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ صلوٰۃ الخوف کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام عسفان مین نازل ہوئی یعنی سنہ ۶ ھ مین لیکن زیادہ تر رواۃ حدیث اور اہل سیر غزوۃ الرقاع ہی کو اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہین۱،)

روزہ اسلام سے پہلے قریش عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے، (اس دن خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۲) آنحضرت صلعم بھی اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، اور عجب نہین کہ آپ کی تبعیت مین دوسرے صحابہ بھی روزہ رکھتے ہون، سنہ ۵ نبوی مین یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفر نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس مین روزہ کا ذکر بھی موجود ہے، وہ غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا، اس کے بعد) جب آنحضرت صلعم مدینہ مین تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہین، آپنے لوگون سے وجہ پوچھی، لوگون نے بیان کیا کہ حضرت موسےؑ نے اسی روز فرعون کے ہات سے نجات پائی تھی، آپنے فرمایا "تو ہم کو موسےٰ کی تقلید کا زیادہ حق ہے" چنانچہ آپ نے (یہان بھی) عاشورا کا روزہ رکھا "(اور صحابہ کو بھی رکھنے کا حکم دیا) پھر سنہ ۲ ھ مین رمضان کے روزے فرض ہوئے، تو عاشورا کا روزہ مستحب ہوگیا، یعنی جسکا جی چاہتا تھا، رکھتا تھا، اور جو نہین چاہتا تھا نہین رکھتا تھا۳ (لیکن آپنے بہ نفس نفیس اس دن کا

(۱؎ دیکھو کتب احادیث صلوٰۃ الخوف اور طبری جلد ۳ صفحہ ۴۵، ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۳) (۲؎ مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۴۴ (معجم کبیر طبرانی) ۳؎ ابو داؤد کتاب الصوم،

روزہ برابر رکھا، سنہ ۱۱ھ میں لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہیں فرمایا کہ آیندہ سال ۱۰ کے بجائے ۹ کو روزہ رکھوں گا، لیکن افسوس کہ آپ نے اسی سال وفات پائی[۱]،

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نماز عشا کے بعد پھر نہیں کھاتے تھے، اور اس کو حرام سمجھتے تھے عورت کے ساتھ ہم بستری بھی منع تھی، ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے[۲] لیکن اسلام کے تمام احکام میں سب سے مقدم یہ اصول ملحوظ رہتے تھے،

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ)	خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا،
لا صرورة في الاسلام (ابوداؤد واحمد)	اسلام میں جوگی پن نہیں ہے،

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی،

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ	روزے کی راتوں میں تمہارے لیے عورتوں سے لطف
وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ	اٹھانا حلال کر دیا گیا ہے، (جب تک صبح کی سپید لکیر (رات کی)
مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (بقرہ)	سیاہ لکیر سے الگ نہ ہو جائے تم کھاتے پیتے رہو،)

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے، اوّل اوّل روزہ ان پر شاق ہوا[۳]، اس لیے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی، اول اول آنحضرت صلعم جب مدینہ میں تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے

(۱) یہ تمام واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ابوداؤد کتاب الصوم میں بہ تفصیل مذکور ہیں) (۲) ابوداؤد کتاب الصوم، باب مبدء فرض الصیام و اسباب النزول للسیوطی صفحہ ۲۷، (۳) صحیح بخاری میں ہے نزل رمضان فشق علیھم،

اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلادے، رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اُتری،

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ جو رمضان کا مہینہ پائے، وہ ضرور روزہ رکھے،

اب بالتعیین روزہ فرض ہوگیا، اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی، البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر مین ہو، اُس کے لیے یہ حکم ہوا کہ اُسوقت روزہ توڑ دے، اور اُن کے بدلے کسی اور وقت قضا کردے، چونکہ اورتمام قومون مین خصوصًا عیسائیون مین رہبانیت بڑی فضیلت کی بات سمجھی جاتی تھی، اِس لیے جو لوگ زیادہ خدا پرست تھے وہ روزہ مین زیادہ سختی برداشت کرتے تھے، لیکن آنحضرت صلعم وقتاً فوقتاً اس سے روکتے رہتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم سفر مین تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی تھی اور اس پر لوگون نے سایہ کر رکھا ہے، سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ سخت گرمی مین اِس شخص نے روزہ رکھا ہے، آپ نے فرمایا کہ "سفر مین روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہین[1]"

بعض لوگون نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھین بیچ مین افطار نہ کرین آپ نے اِس سے منع فرمایا،

روزہ کا مقصد عام طور پر صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تکلیف مین ڈالنا ثواب کی بات ہے، اِس لیے آنحضرت صلعم نے ہر طرح کی آسانیون کا حکم دیا، سفر اور بیماری مین روزہ رکھنا فرض نہ تھا، راتون کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی، سحر کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے، تاکہ دن بھر قوت باقی رہے،

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان، [2] صحیح بخاری کتاب الصوم،

روزہ کا مقصد صرف معاصی سے کف نفس تھا، اور روزہ اس کا معین تھا، اِس لیے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "جو شخص روزہ مین جھوٹ فریب نہین چھوڑتا، خدا کو اسکی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہین[۱]"

زکوٰۃ — خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام مین ابتدا ہی سے معمول بہ تھی، مکہ مین جو سورتین اُترین ان مین زکوٰۃ کا لفظ تصریحًا مذکور ہے، اور خیرات نہ دینے والون پر نہایت عتاب ہے،

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝	تُنے اُس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے، یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور مسکین کے کھانا کھلانے کی لوگون کو ترغیب نہین کرتا،

مدینہ منورہ مین زیادہ تاکیدی آیتین نازل ہوئین، ۲ھ مین عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب قرار پایا[۲]، ہجرت کے ابتدائی زمانہ مین عام مسلمان اور خصوصًا مہاجرین سخت فقر و فاقہ مین مبتلا تھے، حدیثون مین صحابہ کے فقر و تنگ دستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہین، اِسی زمانہ کے ہین، اِس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیے، ورنہ عذاب ہوگا، چنانچہ خاص آیت نازل[۳] ہوئی،

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۝	جو سونا چاندی جمع کرتے ہین، اور خدا کی راہ مین خیرات نہین کرتے،

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے،

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۝	لوگ تجھسے پوچھتے ہین کہ کیا خیرات دین کہدے کہ جو کچھ مصارف ضروری سے بچ رہے

---

[۱] ایضًا بحوالہ بالا، [۲] طبری مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۲۸۱، [۳] صحیح بخاری مقولہ حضرت عبداللہ بن عمر،

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے لیکن عمدہ مال کو محفوظ رکھتے تھے، بے کار، یا ردی چیزین خیرات مین دیتے تھے، اُس پر حکم ہوا،

یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۵ — مسلمانو! اپنی کمائی مین سے اور اُس چیز مین سے جو ہمنے تمہارے لیے زمین مین پیدا کیا، اچھا حصّہ خیرات دو۔

مزید تاکید کے لیے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا اُس کو ثواب نہ ملے گا،

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ — تم لوگ ثواب نہین پا سکتے جبتک کہ وہ چیز خیرات نکرو جو تمکو عزیز ہے،

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے وہ صرف اس لیے بازار مین جاکر مزدوری کرتے اور کندھون پر بوجھ لادکر لوگون کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کرین[1]

بااین ہمہ سنہ ۸ھ تک زکوۃ فرض نہین ہوئی، فتح مکہ کے بعد اسکی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کیے گئے اور آنحضرت صلعم نے تمام ممالک مقبوضہ مین زکوۃ کے وصول کرنے کے لیے (محرم سنہ ۹ھ مین) محصّلین مقرر کیے[2]، زکوۃ کے مصارف حسب ذیل تھے،

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْہَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُہُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (توبہ)

زکوۃ ان مصارف کے لیے ہے، فقرا، مساکین، زکوۃ کے وصول کرنے والے، مؤلفۃ القلوب، غلام، جنکو آزاد کرانا ہے، مقروض، مسافر، اور خدا کی راہ مین، یہ خدا کا فرض ہے۔ اور خدا علیم و حکیم ہے۔

[1] بخاری کتاب الزکوۃ، [2] طبری مطبوعہ یورپ جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۲ (ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۱۱۵)

زکوٰۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرامین نبوی مین منقول ہی، فقہ مین کتاب الزکوٰۃ انھین فرامین سے ماخوذ ہے،

حج | دنیا مین سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا پرستی کے لیے عبادت گاہ عام بنایا اور تمام دنیا کو وہان آکر عبادت کرنے کی دعوت دی،

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ ۵، (حج)	اور جب کہ ہمنے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرا اور ہمارے گھر کو طواف کرنیوالون اور قیام اور رکوع اور سجود کرنے والون کے لیے پاک و صاف رکھ اور حج کی منادی کر دے تو لوگ ہر طرف سے دوڑے آئین گے کچھ پیدل اور کچھ دبلی اونٹیون پر سوار، تاکہ فائدہ اٹھائین، اور تاکہ ایام مقررہ مین خدا کا ذکر کرین۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعوت عام پر دنیا نے لبیک کہا، اور ہر سال عرب کے دور و دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے، لیکن ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا، کہ جو گھر خالص توحید کے لیے تعمیر ہوا تھا وہ تین سو ساٹھ بتون کا تماشا گاہ بنگیا، دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہان سے نکلنے پر مجبور ہوا، اور پورے آٹھ برس تک اِدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا،

بالآخر ظہور حق کا وقت آیا، مکہ فتح ہوا، اور جانشین ابراہیم اور اُن کے متبعین کو موقع ملا کہ شعار ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے، چنانچہ ۹ھ مین حج فرض ہوا، تاہم آنحضرت صلعم نے اِس سال یہ فرض

اوانہین کیا کہ عرب ننگے ہوکر طوافِ کعبہ کرتے تھے، اور آنحضرت صلعم ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہین فرما سکتے تھے، اِس لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ایامِ حج مین روانہ کیے گئے کہ کعبہ مین جاکر منادی کردین کہ آیندہ سے کوئی شخص عریان ہوکر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا[1]۔

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسئی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذوقعدہ مین آگیا تھا، چنانچہ سنہ ۹ ہجری کا حج اسی مہینہ مین ادا ہوا، لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا، اس لیے آنحضرت صلعم نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اسوقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آگیا[2]،

حج کے اصلاحات حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم رکھی تھی لیکن اسکی صورت بالکل بدل دی تھی، اور اس مین اس قدر بدعات اضافہ کردیے تھے کہ وہ ثواب کے بجائے عذاب کا کام بن گیا تھا، سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے، لیکن اہلِ عرب جب حج مین جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجاے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے، اس بنا پر یہ آیت اُتری،

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ — پھر جب حج کے ارکان پورے پورے کرو تو خدا کا ذکر کرو،

كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۝ (بقرہ) — جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے بڑھکر،

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ مناۃ جو بت تھا اس کا طواف کرتے تھے، اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے تب بھی صفا و مروہ کا طواف نہین کرتے تھے، حالانکہ حج کے مقاصد مین سے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب لایحج البیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان، [2] آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کے خطبہ مین یہ الفاظ فرمائے تھے، الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات والارض السنۃ اثنا عشر شھرًا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذو القعدہ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان،، اس سے اسی طرف اشارہ تھا، [3] اسباب النزول للواحدی،

ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگارین قائم رکھی جائین، اور صفا و مروہ کا طواف اسی عہد کی یادگار رہے۔ اسی بناپر یہ آیت اُتری،

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ — صفا اور مروہ خدا کی یادگارین ہین اس لیے جو شخص

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ — حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دونون مقامون کا بھی

اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا، — طواف کرنا چاہیے۔[1]

ایک طریقہ یہ جاری ہوگیا تھا کہ اکثر لوگ (آجکل کی طرح) جن کے پاس زادسفر نہین ہوتا تھا، یون ہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہین، ان لوگون کو اکثر راہ مین گداگری اور دوستون کی دستگیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا، اس بناپر یہ آیت نازل ہوئی،

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى[2] — اور گھر سے زادسفر لے کر چلو کیونکہ اچھا زادسفر تقوی ہے۔

احرام حج مین سر کے بالون کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے، لیکن اس مین اہل جاہلیت نے بہت سختی کردی تھی یہانتک کہ بعض صاحبون کے بالون مین اس قدر جوئین پڑگئین کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہوگیا، تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے، اسلام مین چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اسکی عبادات اور احکام تکلیف مالایطاق نہ بنجائین اس لیے حکم ہوا،

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ — تو جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر مین کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ، — منڈلے) تو فدیہ ادا کردے یعنی یا روزہ یا خیرات یا قربانی،

---

[1] قرآن مجید مین جناح کا جو لفظ ہے اس کا عام ترجمہ "حرج" یا "نقصان" ہے اس بناپر ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ صفا اور مروہ کے طواف مین کچھ حرج نہین، لیکن جناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنون مین بھی آیا ہے۔ [2] بخاری کتاب الحج باب "تزودوا فان خیر زاد التقوی"۔

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لیکر کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1]،

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ،	خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہین پہنچتا، بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔

اس آیت مین صرف اس فعل سے نہین روکا گیا، بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا کہ قربانی خود کوئی مقصود بالذات چیز نہین بلکہ اصل چیز جسکو خدا قبول کرتا ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے،

رسوم حج مین ایک بڑی چیز جو قریش نے اصول اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی، یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا نہین جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہلِ حرم ہین، ہم حدود حرم سے باہر نہین جا سکتے، یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے، اس لیے وہ صرف مزدلفہ تک جاکر ٹھہر جاتے تھے، باقی تمام عرب عرفات مین جمع ہوتے تھے اور وہان سے چلکر مزدلفہ اور منیٰ مین آتے تھے، چونکہ اسلام کا اصولِ اصلی مساوات عامہ ہے، اور عبادت مین سب یکسان ہین، اسلیے حکم آیا کہ[2]

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ	پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو، جس طریقہ سے اس نے تمکو ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے بیشک تم گمراہ تھے، پھر وہین سے چلو جہان سے اور لوگ چلتے ہین۔ اور خدا سے معافی مانگو

[1] تفسیر بیضاوی (یہ رسم یہودیون سے آئی تھی، لاویین ۱۷-۶ تاریخ دوم ۲۹-۲۲) [2] صحیح بخاری جلد اکتاب الحج صفحہ ۲۲۶،

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وہ غفور رحیم ہے۔

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے، اس لیے اُس پر سوار نہین ہوتے تھے، اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے، یہ رسم اسلام کے زمانہ تک قائم رہی، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے ایک صاحب کو سفرِ حج مین دیکھا کہ قربانی کے اونٹ ساتھ ہین لیکن خود پیدل جا رہے ہین، آپ نے اُن سے فرمایا کہ "سوار ہو لو"، بولے "یہ قربانی کے اونٹ ہین" آپ نے دوبارہ فرمایا، انھون نے دوبارہ وہی عذر کیا، آپ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ "بیٹھ لو" [1]

ایک قسم کا حج ایجاد کر لیا تھا جسکو حجِ مُصْمِتْ کہتے تھے، یعنی جو شخص حج کرتا تھا وہ آغازِ حج سے اخیر تک منہ سے کچھ بولتا نہ تھا، اسلام نے اِس تکلیف مالایطاق سے منع کیا، صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے قریش کی ایک عورت کو جسکا نام زینب تھا، دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہین کرتی، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مُصْمِتْ کی نیت کی ہے، حضرت ابوبکر نے اس سے کہا کہ "یہ جائز نہین، یہ زمانۂ جاہلیت کی بات ہے [2]"۔

(سب سے بڑی بیحیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (حُمس) کے سوا عام عرب مرد و زن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے، حدودِ حرم مین آکر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اُتار ڈالتے تھے اور عاریۃً کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے، اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے، عورتین بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھین اور یہ شعر گاتی جاتی تھین،

اَلْیَوْمَ یَبْدُوْ بَعْضُہٗ اَوْ کُلُّہٗ ۔۔۔ وَمَا بَدَا مِنْہُ فَلَا اُحِلُّہٗ

آج کچھ حصہ اوس کا یا پورا کھلے گا ۔۔۔ اور جو کھلا ہے اسکو مین حلال نہین کرتی

[1] بخاری
[2] بخاری باب الحج
[3] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲۴

اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1]،

یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ — اے آدم کے بیٹو مسجدون مین کپڑے پہن لیا کرو،

(اس بناء پر ۹ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر صدیق کو بھیجا، انہون نے عین موسم حج مین اعلان کیا کہ آیندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے گا[2])

معاملات

شریعت کی تکمیل مین جو تدریج ملحوظ رہی اس کے لحاظ سے (وراثت نکاح وطلاق) وقصاص وتعزیرات (وغیرہ) کے احکام بعثت سے بہت بعد آئے (سبب یہ ہے کہ ان احکام کے اجراء کے لیے ایک نافذ الامر قوت کی ضرورت تھی، جو اب تک اسلام کو حاصل نہین ہوئی تھی، غزوۂ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشوونما شروع ہوا) ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال مین جو احکام نازل ہوئے وہ تحویل قبلہ، فرضیت روزہ، زکوٰۃ فطر، نماز عید اور قربانی تھی، تیسرے سال سے جب اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریث کا قانون قرآن مجید مین نازل ہوا،

وراثت مسلمان جب ابتداءً مدینہ آئے ہین تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے، ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے، اس حالت مین اقرباء اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہوسکتا تھا، اس لیے) آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار مین مواخاۃ (برادری) قائم کردی جسکے رو سے یہ قاعدہ مقرر ہوگیا، کہ کوئی انصاری مرتا تو اسکی وراثت مہاجرین

[1] (یہ پورا واقعہ اور شان نزول نسائی، کتاب مناسک الحج مین ہے [2] صحیح مسلم وصحیح بخاری اور تمام حدیث کی کتابون مین باب لایطوف بالبیت عریان مین مذکور ہے۔)

کو ملتی[1]، عرب مین پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس مین عہد کر لیتے کہ ہم دونون آپس مین ایک دوسرے کے وارث ہون گے، ان مین سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا لیکن (سنہ ۳ ہجری مین قرآن کی اِس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا،)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (انفال) — قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہین،

اس کے روسے مواخاۃ کی بنا پر وراثت موقوف ہوگئی، اور خاندان اور ذوی الارحام مین وراثت محدود ہوگئی،

(آیت توریث کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا، یعنی مرنے والا اپنے مال و جائداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس مین سے اتنا اُس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے، مرنے کے بعد اُسی طریقہ سے اسکی جائداد تقسیم کر دی جاتی، مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کر جانا فرض تھا)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۟الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ، (بقرہ) — مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہی کہ جب تم مین سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ دارون کے لیے بطریق مناسب وصیت کر جائے، متقی لوگون پر یہ فرض ہی،

جو لوگ حالت مسافرت مین مرجاتے، اُن کے لیے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن مین مقرر کیا گیا، گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا، چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ مین اسکی پوری تفصیل ہی، غزوۂ بدر کے بعد مسلمانون کی تعداد مین کافی ترقی ہوگئی خاندان کے خاندان مسلمان ہوگئے، اس لیے وراثت

---

[1] یہ مفسرین کا بیان ہی، لیکن صحیح بخاری وغیرہ مین حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہی کہ یہ حکم حسب ذیل آیت کریمہ سے منسوخ ہو، وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ، وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ، (نساء) دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور،

کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی، پھر وصیت کے قاعدہ مین بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا، مثلاً جہاد مین سیکڑون مسلمان شریک ہوئے، اب کس کو معلوم ہے کہ کس کو شہادت ہوگی، اس حالت مین وصیت نہ کر جانے سے رشتہ دارون مین جسکا قابو چل جاتا وہ جائداد پر قبضہ کرلیتا، چنانچہ غزوۂ اُحد مین یہی موقع پیش آیا، سعد بن الربیع جو بہت دولتمند صحابی تھے، (اس جنگ مین) شہید ہوئے، انکی بیوی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئین، کہ سعد آپ کی خدمت مین شہید ہوئے، انھون نے دو لڑکیان چھوڑی ہین لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائداد پر قبضہ کرلیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "خدا فیصلہ کرے گا" پھر (غالباً ۳ھ مین) یہ آیت نازل ہوئی[۱] جس مین وراثت کے تمام احکام مذکور ہین،

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ الخ،	خدا تمکو تمہاری اولاد کی نسبت حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیون کی برابر حصہ ملے (آخر تک)

آنحضرت صلعم نے سعد کے بھائی کو بلاکر فرمایا کہ سعد کے متروکہ مین سے دو تہائی انکی بیٹیون اور آٹھوان حصہ انکی بیوی کو دو، اس کے بعد جو بچ رہے وہ تمھارا حق ہے،

(۱) آیت میراث کے شان نزول مین احادیث مین تین واقعے مروی ہین، اول یہ کہ حضرت جابر سنہ ۸ھ مین بیمار پڑے تو آیت اتری یہ روایت تمام صحاح ستہ مین ہے لیکن درحقیقت اس روایت مین راویون سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے کیونکہ وراثت سنہ ۸ھ سے پہلے جاری ہوچکی تھی۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت جابر اس وقت تک لاولد تھے اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابر کا واقعہ وراثت کی ایک خاص صورت لاولدیت یعنی (کلالہ) سے متعلق ہے، جیسا کہ مسلم کی دوسری روایتون مین (کتاب الفرائض) اسکی تصریح ہے، دوسرا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسان کے بھائی عبدالرحمن کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کجہ کی فریاد پر یہ آیت اتری، یہ روایت طبری وغیرہ کی ہے جو گو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن ربیع کے علاوہ اور واقعے بھی اس قسم کے پیش آئے ہون، تیسرا شانِ نزول یہی سعد بن ربیع کا واقعہ ہے، جو ابو داؤد، ترمذی، حاکم اور مسند احمد مین مذکور ہے۔) س س،

اہلِ عرب عورتون کو وراثت سے محروم رکھتے تھے، اور کہتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہی جو تلوار چلائے، دنیا کی اور اکثر قومون مین بھی یہی دستور تھا، یہ پہلا دِن ہے کہ اِس صنفِ ضعیف کی دادرسی کی گئی،

وصیّت | احکام وراثت کے بعد بھی وصیّت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقّین وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا، اِس لیے وصیّت کی تحدید کی ضرورت تھی، سنہ ۱۰ ہجری مین حضرت سعد (عامر کے والد) بیمار ہوئے، آنحضرت صلعم اُن کی عیادت کو گئے، انھون نے عرض کی کہ مین مر رہا ہون اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے، چاہتا ہون کہ دو تہائی مال خیرات کر دون، آنحضرت صلعم نے اجازت نہین دی، اُنھون نے کہا تو نصف، آپ نے اس کو بھی قبول نہین کیا، اُنھون نے کہا ایک تہائی، آپ نے فرمایا یہ بھی بہت ہے "وارثون کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھرین[1]" تاہم یہ مقدار آپنے جائز رکھی، اُسوقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہو گئی،

وقف | (وقف، شریعت کا بہت بڑا مسئلہ ہے، اسلام نے اِس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا، اُس کا دوسرے مذاہب کے قوانین مین شائبہ تک موجود نہین ہی، اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقۂ وقف کا موجد ہے، اسلام مین وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہی آنحضرت صلعم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ مین مسجد نبوی کی بنیاد جس زمین مین رکھی تھی وہ دو تیمیون کی ملکیت تھی، آپ نے قیمت دینی چاہی لیکن انھون نے کہا،

لَا وَاللہِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَہٗ اِلَّا اِلَی اللہِ، نہین ہم خدا کی قسم قیمت نہ لینگے، ہم اسکی قیمت خدا ہی سے لینگے،

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا، اور نہایت سادہ صورت مین تھا، چنانچہ امام بخاری اِس حدیث کو

[1] بخاری جلد ۱ کتاب الوصایا،

وقفِ مشاع (پبلک وقف) کے ثبوت مین لائے ہین، اس کے بعد ۳ھ یا ۴ھ مین جب یہ آیت نازل ہوئی،

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ | تم نیکی اسوقت تک نہین پا سکتے جب تک وہ خدا کی راہ مین نہ دیدو جو تم کو سب سے محبوب ہے،

تو ابوطلحہ صحابی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور عرض کی "یا رسول اللہ صلعم بیرحا[1] مجھکو سب سے زیادہ محبوب ہے، مین اسکو خدا کی راہ مین صدقہ کرتا ہون، اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہون، آپ جس مصرف مین چاہین اسکو رکھین" چنانچہ آپ کے مشورہ سے انھون نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا،

اب تک وقف کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ صرف یہ تھے کہ "وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت مین دیا گیا" لیکن ۷ھ مین غزوۂ خیبر کے بعد اسکی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی، خیبر مین حضرت عمر کو ایک زمین ملی تھی، حضرت عمر نے اس کو وقف کرنا چاہا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا،

ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها | اگر چاہو اصل جائداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کر دو،

چنانچہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائداد وقف ہوئی،[2]

انہ لا یباع اصلها ولا یوھب ولا یورث | اصل جائداد نہ بیچی جائے نہ ہبہ کیجائے اور نہ وراثت مین بانٹی جائے)

نکاح وطلاق | نکاح کے متعلق جو اصلاحی احکام آئے ان کی تفصیل اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی، یہان اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب مین کئی قسم کے نکاح کے طریقے جاری تھے

---

[1] ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ مین واقع تھی، [2] یہ تمام حدیثین بخاری باب الوقف مین ہین۔

جن مین سے ایک کے سوا، سب زنا کے مشابہ تھے، سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا، متعہ[1] جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آتا تھا، بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا، یہان تک کہ سنہ ۷ ھ غزوۂ خیبر مین قطعاً حرام ہوگیا، اگرچہ اسپر بھی اسکی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت مین منبر پر کہا کہ "مین متعہ کو حرام کرتا ہون، یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک مین شائع نہین ہوسکی مین آج اسکا اعلان کرتا ہون"

(نکاح اور طلاق کے دیگر احکام شلاً محرّمات شرعی کا بیان، منھ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا، کثرت ازدواج کی تحدید، تعداد طلاق کی تعیین، زمانۂ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقۂ طلاق جس مین اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے، اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغگوئی کا دعویٰ کرنا، یہ تمام تفصیلین اصلاحات کے تحت مین آئین گی، یہان صرف اسقدر بتا دینا کافی ہے کہ یہ تمام احکام قرآن مجید مین مذکور ہین، اور ان کے نزول کا زمانہ سنہ ۵ ھ اور سنہ ۶ ھ ہجری ہے،)

حدود و تعزیرات (دنیا[2] کے مادی خزانہ مین انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہین، حدود اور تعزیرات کے اکثر قوانین، ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی مین اتر چکا تھا، معراج کے سلسلہ مین جو اخلاقی احکام بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوئے ان مین سے ایک یہ بھی تھا،

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ	خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اسکو ناحق نہ مارو، اور جو
وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ	ناحق مارا جائے تو اسکے وارث کو ہمنے اختیار دیا، چاہئے کہ

(۱) محدود الوقت نکاح (۲) اضافہ تا ختم باب حلال وحرام)

سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ کَانَ مَنْصُوْرًا (بنی اسرائیل) — وہ قصاص مین زیادتی نہ کرے، اس کی مدد کی جائے،

عرب مین اسلام سے پہلے بھی قتل وقصاص کے کچھ قوانین موجود تھے، یہود جو اس ملک مین ممتاز حیثیت رکھتے تھے، تورات کے حدود وتعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا، لیکن حقیقت یہ ہو کہ عرب مین چونکہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی، اس لیے وہ ان احکام کا نفاذ نہین کر سکتے تھے، مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصل مقدمات کے لیے بارگاہِ نبوت کی طرف رجوع کیا، آپ اُنکے مقدمات عمومًا توراۃ کے احکام کے مطابق فیصل کر دیتے تھے،

عرب مین ایک شخص کا قتل صدہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا، اس لیے غزوۂ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤن مین حاکمانہ زور آچلا تھا، قصاص کا حکم نازل ہوا، یاد ہوگا کہ اطراف مدینہ مین بنو قریظہ اور بنو نضیر دو یہودی قبائل رہتے تھے، ان دونون مین بنو نضیر معزز سمجھے جاتے تھے، اسلیے کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کر ڈالتا تو اس کو بنو نضیر مار ڈالتے تھے، اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قریظی قتل ہو جاتا تو چھوہارون کے سو وسق خونبہا دیدیتے، مدینہ مین آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کے بعد اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، لوگون نے اس کا مرافعہ آپ کی خدمت مین پیش کیا، اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتین اترین، ان مین سے ایک آیت[1] یہ ہی،

وَکَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ — ہمنے انکو تورات مین حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان،

---

[1] ابوداؤد کتاب الدّیات،

وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۵ — اور زخمون کے بدلے ویسے ہی زخم،

یہ حکم گو یہودیون کے لیے تھا، لیکن ایک اور آیت نے اِس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا،

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی الخ — مسلمانو! تم پر مقتولین مین مساوات اور برابری کا حکم دیا جاتا ہے،

اِس حکم نے مساوات اور عدل کے پلّے کو دنیا مین ہمیشہ کے لیے برابر کر دیا،

یہودیون مین خون بہا (دیت) کا قانون نہ تھا[1]، لیکن عرب مین یہ قانون تھا، اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا،

فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ۵ (بقرہ) — اسکے بھائی (یعنی اولیاے مقتول) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسکی پابندی خوبی کیساتھ کرنا اور بطور احسن اسکو ادا کر دینا چاہیے

اب تک قتل عمد اور قتل شبہ (یعنی غلطی سے قتل) مین کوئی تفریق نہ تھی، ۳ھ مین ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، ایک اور مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی قتل ہوا، آنحضرت صلعم نے مقتول کے بھائی کو خونبہا دیکر راضی کر لیا، اِس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا، اور غداری سے اِس انصاری کو قتل کر کے قریش مین جا کر مل گیا، ان واقعات کی بنا پر قتل شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے،

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً — کسی مسلمان کو سزاوار نہین کہ کسی دوسرے مسلمان کو مار ڈالے، لیکن غلطی سے اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ کتب علیکم القصاص،

مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا
أَن يَصَّدَّقُوا فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ
لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ،
وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ
فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ، فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ
عَلِيمًا حَكِيمًا، وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ
عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝

کیا، تو ایک مسلمان غلام آزاد اور خونبہا اسکے وارثون کو ادا کرنا چاہئے
لیکن یہ کہ وہ معاف کرین تو خیر، اگر مقتول خود مسلمان ہو، ہو وہ
کسی دشمن قوم سے تو صرف ایک غلام آزاد کرو، اور اگر ایسی قوم
سے ہو جس سے تم سے معاہدہ ہو تو خون بہا دینا اور ایک
غلام آزاد کرنا چاہیے، اگر قاتل کو یہ مقدور نہ ہو تو پے درپے
دو مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں کہ خدا اس کی طرف
رجوع ہو، خدا علم اور حکمت والا ہے، اور جو کسی مومن
کو جان بوجھکر قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے ہمیشہ
اس مین رہے گا، خدا اسپر اپنا غضب اور لعنت بھیجے گا اور
اُس کے لیے بڑا عذاب اُسنے مہیا کیا ہے،

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ قصاص و قتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم تھا، حفاظت جان کا اعلان فتح مکہ کے موقع پر ہوا، جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ "زمانۂ جاہلیت کے تمام خون میرے دونون پانون کے نیچے ہین"، اس کے بعد قتل خطا شابہ بہ قتل عمد کے خونبہا کی تحدید فرمائی،[1] قتل خطا کا خونبہا اہل قریہ کے لیے ۴۰۰ دینار مقرر کیا،[2]

سنہ ۶ھ تک رہزنون کے لیے کوئی حد مقرر نہ تھی، سنہ ۶ھ مین عکل و عرینہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے، یہان کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی، آنحضرت صلعم نے شہر سے باہر چراگاہ مین

[1] ابوداؤد کتاب الدیات، باب فی دیۃ الخطا شبہ العمد، [2] ابوداؤد، دیات الاعضاء،

ان کو قیام کی اجازت دی، ایک دن موقع پاکر مسلمان چرواہون کو طرح طرح سے عذاب دیکر بڑی بیرحمی سے مارڈالا، اور مویشی لوٹ کرلے گئے، وہ گرفتار ہوکر آئے تو آنحضرت صلعم نے بھی انکو اُسی طرح عذاب کے کے ساتھ قتل کا حکم دیا، گویہ برابر کا انتقام تھا، تاہم اس مین کسی قدر بیرحمی تھی، اس لیے خداے پاک کی طرف سے عتاب ہوا، اور ڈاکوؤن کے لیے علٰحدہ احکام نازل ہوئے،

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	ان لوگون کی سزا جو خدا اور اُس کے رسول سے لڑائی
وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا، اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا	لڑتے ہین اور ملک مین فساد مچاتے ہین یہ ہی کہ قتل کیے جائین
اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ	یا پھانسی دیے جائین، یا اُن کے اِدھر کے ہاتھ اور اُدھر
مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ،	کے پاؤن کاٹ ڈالے جائین، یا ملک سے الگ کردیے جائین،
(مائدہ)	(یعنی قید ہون یا جلاوطن کیے جائین)

جان کے بعد مال کا درجہ ہے، اسلام سے پہلے عرب مین چورون کے لیے قطع ید کی سزا جاری تھی، اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا، اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا، ۸ھ مین فتح مکہ کے موقع پر قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا، چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی، اس لیے مسلمانون مین بڑا اضطراب پیدا ہوا، حضرت اسامہ بن زید آنحضرت صلعم کے بہت چہیتے تھے اُن سے سفارش کرائی گئی، آپ بہت برہم ہوئے اور لوگون کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا، جس مین فرمایا کہ "تم سے پہلے لوگون کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقہ کے لوگون پر تو احکام جاری کرتے، لیکن اوپر درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو اُن سے درگذر کرتے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب المحاربہ

بھی چوری کرتی تو مین اس کا ہات بھی کاٹ لیتا"۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگون نے بے چون وچرا اس حکم کی تعمیل کی[1]

عربون مین زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی، یہودیون مین توراۃ کی روسے زانی کی سزا "رجم" یعنی (سنگسار کرنا) مقرر تھی، لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس قانون کو جاری نہین رکھ سکتے تھے، اطراف مدینہ مین جو یہود آباد تھے، رجم کے بجاے انہون نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منھ مین کالک لگا کر کوچہ و بازار مین اس کی تشہیر کرتے تھے، جب آنحضرت صلعم مدینہ تشریف لائے تو انہون نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ کی خدمت مین پیش کیا، غالباً یہ سنہ ھ کے اندر کا واقعہ ہے، آپ نے استفسار فرمایا کہ تمھاری شریعت مین اس جرم کی کیا سزا ہے، انھون نے اپنا رواج بتایا، آپ نے توراۃ منگوا کر ان سے پڑھوایا، انھون نے رجم کی آیت پر انگلی رکھکر چھپا دی، آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی، آپ نے فرمایا "خداوندا! یہ تیرا حکم ہے جسکو ان لوگون نے مردہ کر دیا ہے مین سب سے پہلا شخص ہون جو تیرے اس حکم کو زندہ کرونگا"[2] چنانچہ آپ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا، اور وہ سنگسار کیا گیا،[3]

سنہ ھ مین سورۂ نور نازل ہوا، جس مین زنا کی سزا سو درّے قرار دی گئی حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رجم کی سزا ابھی قرآن نے باقی رکھی تھی، اسکی تلاوت منسوخ ہوگئی، بہرحال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے لئے سو درّے اور بیاہون کے لیے رجم کا حکم ہے[4]، چنانچہ سنہ ھ مین ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا، اور گو لوگون کو اس کا علم نہ تھا، لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ الفتح، [2] ابوداؤد باب فی رجم الیہودیین [3] صحیح بخاری رجم المحصن، [4] تمام کتب حدیث مین یہ مذکور ہے۔

پر اُسنے ترجیح دی، اور مجمع عام مین آکر بارگاہِ نبوت مین عرض پرداز ہوا کہ "یا رسول اللہ! مین گنہگار ہون، مجھے پاک کیجیے" آپ نے تحقیق فرمائی اور اس کے رجم کا حکم دیا[1]،

شراب سنہ [2] مین حرام ہوئی، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین شراب خواری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی، چالیس دُرّے تک لوگون کو اِس جرم مین مارے گئے ہین، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین اسّی درّے کردیئے تھے[2]، قذف یعنی پاک دامن عورتون پر تہمت لگانے کی سزا سنہ ۵ مین نازل ہوئی[3]،

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا	جو لوگ پاک دامن عورتون پر زنا کی تہمت لگائین پھر
بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ	چار گواہ نہ لاسکین تو اُن کو اسّی درّے مارو، اور پھر
جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۵ (نور)	کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو،

دنیا مین تین چیزین ہین، جان، مال اور آبرو، جن حدود و تعزیرات کا اوپر ذکر ہوا، وہ انھین تین چیزون کے تحفظ کے لیے ہین، اسی لیے آنحضرت صلعم نے ان قوانین کے نزول کے بعد، سنہ ۱۰ ھ مین حجۃ الوداع کے موقع پر حرم کے اندر ماہ حرام کی تاریخون مین فرمایا،

"مسلمانو! ہر مسلمان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قابل حرمت ہے جس طرح اس محترم شہر مین، اِس احاطہ حرم کے اندر یہ مقدس دن قابل حرمت ہی")

حلال وحرام

ماکولات مین حلال وحرام | (عرب مین کھانے پینے مین کسی چیز کا پرہیز نہ تھا، اور نہ کوئی شے حلال یا حرام

---

[1] سنہ کی تحدید کہین بہ تفصیل مذکور نہین ہے، یہ سنہ اس قیاس سے شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے کہ اسوقت حضرت ابوہریرہ مدینہ مین موجود تھے، اور یہ ثابت ہے کہ وہ اسی سال بزمانۂ فتح خیبر مدینہ مین آئے تھے، [2] ابوداؤد باب اذا تتابع فی الخمر [3] واقعہ افک اسی سال ہوا تھا، اور یہ آیت اسی تعلق سے نازل ہوئی ہے اس لیے اس کے لیے سنہ ۵ کا زمانہ متعین کیا گیا۔

بھی، مردار، اور حشرات الارض تک کھاتے تھے، البتہ بعض بعض جانور جنکو بتون کے نام پر چھوڑتے تھے، انکا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے، بعض جانورون مین یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہین عورتین نہین، اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد و عورت دونون کھا سکتے ہین، اور زندہ ہو تو صرف مرد کھائین، اسی قسم کے اور بعض بت پرستانہ رسوم تھے، سورۂ انعام مین جو مکہ مین نازل ہوا تھا، ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے، اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ مین اترے لیکن ماکولات کی حلت و حرمت کے احکام مکہ ہی مین اُترنے شروع ہو چکے تھے، چنانچہ سورۂ انعام مین مشرکین کے اِن رسوم کی تردید کے بعد یہ حکم آیا،

قُلْ لَآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی	کہدے کہ مجھپر وحی اتری ہے، اس مین کسی کھانے والے پر کوئی
طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً	شے حرام نہین ہے، ہان اگر حرام ہے تو مردار، یا بہتا ہوا خون
اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّہٗ	یا سور کا گوشت، کیونکہ یہ چیزین ناپاک ہین، یا وہ گناہ (کا
رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ فَمَنِ	جانور) جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا جائے وہ بھی حرام ہے، لیکن
اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ	جو بھوک سے لاچار ہو کر نافرمانی اور گناہ کے ارادہ سے نہین
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، (انعام)	انہین سے کچھ کھالے تو تیرا پروردگار معاف کرنیوالا اور رحم والا ہے،

مشرکین کو سب سے زیادہ تعجب اِس پر ہوا کہ جو آپ سے مر جائے اس کو حرام کہتے ہین اور جسکو خود اپنے ہاتھ سے مارین اسکو حلال جانتے ہین، حالانکہ دونون مین کوئی فرق نہین، اس پر یہ آیت اتری،

فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ	جو جانور خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہو وہ کھاؤ، جو خدا کا نام لیکر
کُنْتُمْ بِاٰیٰتِہٖ مُؤْمِنِیْنَ وَمَا لَکُمْ اَنْ لَّا	ذبح کیا گیا وہ کیون نہ کھاؤ، خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے
تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَقَدْ	اسکو تو وہ بیان ہی کر چکا،

فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ، (انعام)

اس کے بعد مکہ معظمہ ہی مین سورۂ نحل کی آیت فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ الخ نازل ہوئی جس مین اُسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا، اور یہی چار چیزین مردار، خون، سور، اور بتون پر چڑھاوے حرام بیان کی گئین، مدینہ طیبہ آکر پہلے سورۂ بقرہ مین اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الخ تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کیے گئے، عرب مین حلال وحرام کی تمیز کم تھی، وحشت وجہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب، عام غربت اور افلاس تھی، اس لیے مسلمانون کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی، حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی، لوگ عموماً مردار اُسی کو سمجھتے تھے، جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مرجائے، اس لیے اگر اور کسی سبب سے جانور مرجاتا تو اس کو حرام نہین سمجھتے، ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورۂ مائدہ مین مردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی، یعنی یہ کہ یا وہ گلا گھٹنے سے مرا ہو، وَالْمُنْخَنِقَةُ، یا گردن ٹوٹنے سے مرا، وَالْمَوْقُوذَةُ، یا اوپر سے گر کے مرا ہو، وَالْمُتَرَدِّيَةُ، یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مرگیا ہو، وَالنَّطِيحَةُ، یا کسی جانور نے اس کو پھاڑا ہو، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ، صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا، اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ،

سنہ مین جب مسلمانون کو خیبر کی فتوحات اور جاگیرین ہاتھ آئین تو جانورون مین بھی حلال وحرام کی تفریق کی گئی، اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور، اور پنجہ دار پرند حرام ہین، سنہ مین فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا، اسلام قبول کیا، اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے، یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے، اور ان سے شکار کرتے تھے، اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہین، اُنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین اپنا حال عرض کیا، اس پر یہ آیت اتری،

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ، — تجھسے پوچھتے ہین کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا۔ کہدے کہ تمام ستھری چیزین،

اِس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہون اور خدا کا نام لیکر چھوڑے جائین تو اُن کا شکار کیا ہوا کھانا حلال[1] ہے)

شراب کی حرمت | مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً تعدد ازواج وغیرہ) نفس پرستی کے مؤید تھے اس لیے عرب کو اس کے قبول کرنے مین کوئی ایثار درکار نہ تھا، بلکہ اسلام وہی کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے، اس بحث کی تحقیق آگے آئے گی، یہان صرف تاریخی حیثیت سے شراب کی حرمت کا واقعہ ذکر کرنا مقصود ہے،

عرب کو شراب سے بڑھکر کوئی چیز محبوب نہ تھی، تمام ملک اس مرض مین مبتلا تھا، عرب کی شاعری کا موضوع اعظم شراب ہے، مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بتدریج آئے ہین، اِس لیے شراب بھی بتدریج حرام کی گئی،

مدینہ مین شراب خواری کا رواج کسی قدر زیادہ تھا، بڑے بڑے شرفا علانیہ شراب پیتے تھے، عرب مین ایسے بھی نیک لوگ تھے، جھون نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتقا سمجھتے تھے، ابھی تک اسلام نے اِس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا، لوگون نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے، حضرت عمرؓ نے کہا:

اللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شِفَاءً — اے خدا! شراب کے بارے مین ہمارے لیے شافی بیان کردے

---

[1] حوالون کے لیے ان آیتون کے شان نزول تفسیرون مین دیکھو،

اِس پر یہ آیت اُتری

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ	لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہین
كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ	کہدو کہ ان دونون مین بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہین
مِنْ نَّفْعِهِمَا ، (بقرہ رکوع ۲۶)	لیکن فائدہ سے گناہ بڑھکر ہے ،

اِس آیت کے نازل ہونیکے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے، ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی دعوت کی جس مین شراب بھی تھی، کھانے کے بعد مغرب کا وقت آگیا، اور حضرت علی نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار مین کچھ کا کچھ پڑھ گئے، (حضرت عمر نے پھر دعا کی کہ خدایا شراب کے بارے مین صاف صاف بیان کردے،) اس پر یہ آیت اُتری،

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى	نشہ کی حالت مین تم نماز نہ پڑھو، یہانتک کہ جو تم کہو اسکو
تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ، (نساء ۶)	سمجھ بھی سکو،

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت صلعم کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ "کوئی مخمور نماز مین نہ شامل ہونے پائے"[1] لیکن چونکہ عام حکم نہ تھا اس لیے نماز کے سوا باقی اوقات مین لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے، حضرت عمر نے پھر وہی دعا کی، اُسی زمانہ مین کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوئے کہ آپس مین مارپیٹ تک نوبت پہنچگئی، اس پر یہ آیت[2] اتری،

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ	مسلمانو! بے شبہہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، اِنَّمَا	ہین اور شیطان کے کام ہین، تو تم ان سے باز آؤ کہ تمکو

[1] یہ پورا واقعہ ابوداؤد کتاب الاشربہ مین مذکور ہے، [2] ابوداؤد مین پوری آیتین نہین مذکور ہین، بلکہ چند لفظ نقل کرکے پوری آیت کی طرف اشارہ کردیا ہے،

يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ، (مائدہ ۲)	فلاح حاصل ہو، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگون مین شراب اور جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمکو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکدے تو بولو! تم باز آتے ہو؟ ،

(ان آیتون کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی، اسیوقت آنحضرت صلعم نے مدینہ کی گلی کوچون مین منادی کرادی کہ آج سے شراب حرام ہے، لیکن باینہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت جاری تھی، سنہ مین یہ بھی حرام ہوگئی، آپ نے مسجد نبوی مین لوگون کو جمع کرکے اسکا اُسی وقت اعلان کیا،[۱] اس کے بعد اُسی سال فتح مکہ کے زمانہ مین آپ نے علی الاعلان اُن چیزون کی تجارت کی ممانعت فرمائی جنکا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے، آپ نے فرمایا،

ان اللّٰہ و رسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام[۲]،	خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سور، اور بتون کی خرید و فروخت حرام کردی،

غور کرو؛ شراب کی حرمت کس طرح اعلانِ عام کے ساتھ عمل مین آئی، با این ہمہ ابھی تک یہ نہین متعین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے، محدثین اور ارباب روایت اِس امر مین نہایت مختلف الآرا ہین،[۳]

(سلہ صحیح بخاری (تفسیر آیت الربوا) وصحیح مسلم، باب تحریم بیع الخمر مین حضرت عایشہ فرماتی ہین کہ اواخر سورۂ بقرہ کے نزول کے بعد جس مین حرمت ربوا کا حکم ہے یہ اعلان فرمایا، یہ آیتین سنہ مین نازل ہوئی ہین، س، ۲ صحیح بخاری ومسلم باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والاصنام، ۳ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل مین حرمت شراب کی دو تاریخین دو مختلف مقامات پر لکھی گئی ہین، صفحہ ۲۰۸ مین سنہ اور صفحہ ۲۹۷ مین سنہ لکھا گیا ہے۔ پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہے، دوسرا علامہ ابن حجر کی تحقیق ہے۔ لیکن مصنفین سیرت النبیؐ کی اصلی تحقیق یہان مذکور ہوتی ہے اور وہ اس باب مین عام محدثین کے ساتھ ہین جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا) س،

حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب التفسیر سورہ مائدہ باب لیس علی الذین آمنوا مین لکھتے ہین،

والذی یظهر ان تحریمها کان عام الفتح	اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت فتح مکہ کے
سنة ثمان لما روی احمد من طریق	زمانہ سنہ ۸ھ مین ہوئی اور اسکی دلیل یہ ہے کہ امام احمد نے
عبد الرحمن بن وعلة قال سالت ابن عباس	عبد الرحمن بن وعلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ مین نے
عن بیع الخمر فقال کان لرسول الله	حضرت عبد اللہ بن عباس سے پوچھا کہ شراب کا بیچنا کیسا ہے
صلی الله علیه وسلم صدیق من ثقیف	تو انہون نے کہا کہ آنحضرت صلعم کے ایک دوست تھے جو ثقیف
او دوس فلقیه یوم الفتح براویة خمر	یا دوس کے قبیلہ سے تھے وہ آن حضرت صلعم سے فتح
یهدیها الیه فقال یا فلان اما علمت	مکہ مین ملے اور ایک مشک شراب تحفہ پیش کی، آپ نے فرمایا
ان الله حرمها، الخ	تمکو معلوم نہین کہ خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے،

ہماری راے مین حافظ ابن حجر کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہین، اِس روایت سے صرف اِس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اِن صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہین معلوم ہوا تھا، یہ کہان[1]

(1) مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہے، جن صاحب کا یہ واقعہ ہے وہ قبیلہ ثقیف یا دوس سے تھے، ثقیف کا قبیلہ سنہ ھ مین مسلمان ہوا اور دوس گو بہت پہلے اسلام لا چکے تھے، لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے، اس کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی ہے جسکی طرف ہمارے محدثین نے توجہ نہین کی ہے، وہ یہ ہے جیسا کہ ہم متن مین پہلے لکھ آئے ہین کہ شراب کا پینا گو سنہ ۴ھ مین حرام ہو چکا تھا لیکن شراب کی تجارت بند نہین ہوئی تھی، چنانچہ یہ صاحب بھی مے فروش تھے، شراب کی خرید و فروخت ممانعت ربا کی حرمت کے ساتھ عمل مین آئی ہے اور ربا کی حرمت سب سے آخر مین نازل ہوئی ہے یعنی سنہ ھ مین شراب فروشی کی ممانعت مدینہ مین اسی وقت کر دی گئی، لیکن اسکا عام اعلان آپ نے فتح مکہ کے زمانہ مین فرمایا جیسا احادیثِ صحیحہ مین تصریح مذکور ہے (دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت ربا و باب بیع المیتة والاصنام اور صحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر) حافظ ابن حجر جو اس بات کے قائل ہین کہ شراب کی حرمت سنہ ھ مین نازل ہوئی وہ خود جلد اول صفحہ ۱۶۱ ہ مین قاضی عیاض کے جواب مین لکھتے ہین قلت ویحتمل ان یکون تحریم التجارة فیها تاخر عن وقت تحریمها، والله اعلم، یعنی "ممکن ہے کہ شراب پینے کی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھو)

ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت تک حرمت نازل بھی نہین ہوئی تھی، بہت سے احکام ہین جن کی خبر دور کے رہنے والون کو بہت دیر کے بعد ہوئی،

علاوہ اس کے خود بعض روایتون سے ثابت ہوتا ہو کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی، یہ کسی طرح ممکن نہین کہ شراب جیسی ناپاک چیز ۸ھ ہجری تک حلال رہتی، اور آنحضرت صلعم کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی، حقیقت مین شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہو چکی تھی،[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حرمت کے بعد۔ شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی ہو" صحیح مسلم مین ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے (باب تحریم الخمر) جس سے معلوم ہوتا ہو کہ شراب پینے اور اسکی خرید و فروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی، لیکن اسکے بعد حضرت عایشہ اور جابر بن عبداللہ سے جو روایتین ہین، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی روایت مین حضرت ابو سعید خدری یا اُنکے بعد کے راویون سے کسی قدر تسامح ہوا ہے، وھذا ھو الحق، علاوہ ازین حافظ ابن حجر نے امام احمد کی جس حدیث سے فتح مکہ مین شراب نوشی کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحریم بیع الخمر) مین بھی ہو لیکن اس مین فتح مکہ کی تعیین نہین) [1] سب سے بڑی دلیل اسکی یہ ہو کہ "جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگون نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر جنگ احد مین شریک ہوئے اور اسی حالت مین مارے گئے، ان کا کیا حال ہوگا، اسپر یہ آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا واقعہ جنگ احد سے بالکل متصل تھا، اور جنگ احد کا زمانہ یہی ہے، بخاری تفسیر آیت مذکور مین حضرت جابر کی روایت ہے

صَبَّحَ اناس غداة احد الخمر فقتلوا من يومهم جميعا شهداء وذالك قبل تحريمها،	غزوۂ احد کی صبح کو کچھ لوگون نے شراب پی، اور یہ سب اسی دن شہید ہوئے، یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا،

اس روایت کے ساتھ حضرت انس کی اس روایت کو ملاؤ جو اس کے بعد ہی واقع ہی،

فقال بعض القوم قتل قوم وھی فی بطونهم فانزل الله ليس على الذين آمنوا (الخ)	حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگون نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال مین مارے گئے ہین کہ شراب انکے پیٹ مین تھی، اسپر یہ آیت اتری کہ مومنوں پر کچھ حرج نہین) س

سودخواری کی حرمت سود[۱] خواری بھی اُن اخلاقِ ذمیمہ مین سے ہے جو اہلِ عرب کے رگ و ریشہ مین سرایت کرگئے تھے، اسی لیے نہایت تدریج کے ساتھ اسکی حرمت کے احکام بھی اترے، قریش عموماً تجارت پیشہ تھے، ان مین جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے، وہ غریبون اور کاشتکارون کو بھاری شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہو جاتا اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے[۲]، خود آنحضرت صلعم کے چچا عباس (اسلام سے پہلے) بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک[۳] تھے، آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجرون کے سبب سے یہان مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا، سب سے پہلے آپنے چاندی اور سونے کے اُدھار خرید و فروخت کو سود قرار دیا[۴]، پھر دوگنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اُتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، (عمران ع ۱۴)

مسلمانو! دُگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو، اور خدا سے ڈرا کرو تاکہ فلاح پاؤ،

اس کے بعد آپ نے ہمجنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ[۵] منع فرمایا، ۷ھ مین غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانون نے یہودی سوداگرون سے لین دین شروع کیا، اُس وقت آپ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود[۶] ہے، سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ مین نازل ہوئے، آل عمران کے بعد سورۂ بقرہ مین سب سے پہلے یہ آیت اتری،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا

جو لوگ سود کھاتے ہین وہ اس طرح کھڑے ہونگے جس طرح

۱؎ اضافہ تا ختم سود، ۲؎ موطا امام مالک باب الربا، ۳؎ ابن جریر تفسیر آیت ربا۔ ۴؎ صحیح مسلم باب الصرف ۵؎ صحاح کتاب البیوع، ۶؎ صحیح مسلم باب بیع القلادۃ فیہا خرز،۔

كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ،

شیطان کسی کو چھو کر مخبوط بنا دیتا ہے، اس لیے کہ وہ یہ کہتے ہین کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کردیا، پس جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت کی بات پہونچی اور وہ باز آگیا تو اُس کو وہی لینا چاہیے جو پہلے دیا،

لوگون کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہی، جب تجارت جائز ہی تو سود کیون حرام ہے، اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدون مین آئے گا، یہان صرف سود کی تاریخ حرمت سے بحث ہے، بہرحال اس آیت مین بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہوا، آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸ھ مین یہ آیت نازل ہوئی،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ،

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو، اگر تم سچے مومن ہو، اگر یہ نہ کرو تو خدا ورسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اگر باز آجاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے،

(البقرہ)

… … … … … … … …

یہ آیت جب اُتری تو آپ نے مسجد مین تمام مسلمانون کو جمع کرکے یہ حکم سُنایا[۱]، ۹ سنہ ہجر

مین اہل نجران سے جو معاہدات صلح ہوئے اُن مین ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ "سود نہ لین گے"[1]
ذیحجہ سنلہ ہجری مین حجۃ الوداع کے موقع پر اِس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب مین
جس قدر سودی معاملات تھے آپ نے سب کو کالعدم قرار دیا،

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہین کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلۂ احکام کی سب سے
آخری کڑی ہے،[2])

[1] ابوداؤد، باب اخذ الجزیۃ۔ [2] صحیح بخاری تفسیر آیت واتقوا یوما، (البقرہ)

سالِ اخیر حجۃ الوداع، اختتامِ فرضِ نبوت

ذیحجہ سنہ ۱۰ھ مطابق فروری سنہ ۶۳۲ء

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَأَیْتَ النَّاسَ	جب خدا کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہوچکا اور تونے دیکھ لیا کہ لوگ
یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ	خدا کے دین مین فوج کی فوج داخل ہورہے ہین، تو خدا کے حمد
رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا،	کی تسبیح پڑھ، اور استغفار کر، خدا توبہ قبول کرنیوالا ہے،

بظاہر یہ خیال ہوتا ہی کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ مین شکر کی ہدایت ہونی چاہیے تھی، تسبیح، اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہی؟ اِسی بنا پر ایک صحبت مین حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اِس آیت کے معنی پوچھے، لوگون نے مختلف معنے بتائے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا، وہ کمسن تھے، اور جواب دیتے جھجھکتے تھے، حضرت عمرؓ نے انکی ڈھارس بندھائی تو انھون نے کہا کہ "یہ آیت آنحضرت صلعم کے قربِ وفات کا اعلان[1] ہی، کہ استغفار موت کے لیے مخصوص ہی"

اِس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہوگیا تھا[2] کہ رحلت کا زمانہ قریب آگیا، اِس لیے

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ اذا جاء، [2] واحدی نے اسباب النزول مین لکھا ہی کہ یہ سورہ آنحضرت صلعم کی وفات سے دو برس پہلے اتری لیکن ابن قیم نے زاد المعاد مین لکھا ہی کہ سنہ ۱۰ھ مین اور عین ایام تشریق مین اتری (یہ دوسری روایت اصل مین بیہقی کی ہی، ابن حجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ "اسکی سند ضعیف ہی" اس لیے واحدی کی روایت صحیح ہی" سیوطی نے بھی اسباب النزول مین مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی ہی کہ یہ سورہ فتح مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی، تصریحات ایہ اور اشارات حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کا طرزِ بیان ظاہر کرتا ہی کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہی یعنی حجۃ الوداع سے تقریباً دو پونے دو برس پہلے۔ جن روایتون مین وفات سے چند روز پہلے اس سورہ کا نازل ہونا بیان ہوا ہے وہ روایت اور درایت دونون حیثیتون سے ضعیف ہین۔) س

اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام مین اعلان کردیا جائے، آنحضرت صلعم نے ہجرت[1] کے زمانہ سے اب تک فریضۂ حج ادا نہین فرمایا تھا، ایک مدت تک تو قریش سدِراہ رہے، صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ فرض سب سے آخر مین ادا کیا جائے،

بہرحال[2] ذوقعدہ مین اعلان ہوا کہ آنحضرت صلعم حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے ہین، یہ خبر دفعتہً پھیل گئی، اور شرف ہمرکابی کے لیے تمام عرب امنڈ آیا، (سنیچر کے دن) ذوقعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپ نے غسل فرمایا، اور چادر اور تہمد باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے، اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا، مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے، جو مدینہ کی میقات ہے یہان پہنچکر شب بھر اقامت فرمائی، اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عائشہؓ نے اپنے ہات سے آپ کے جسم مبارک مین عطر[3] ملا) اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر قصوا پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے،

لبیک لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک　　　اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہین اے خدا تیرا کوئی شریک نہین

(۱ سنن ابن ماجہ مین ہے (باب حجۃ النبی صلعم) کہ ہجرت سے پہلے آپ نے دو حج فرمائے، بعض حدیثون مین جو یہ ہے کہ آپنے ایک ہی حج کیا تھا (ترمذی باب کم حج النبیؐ اور ابو داؤد وقت الاحرام) اس سے مقصود بعد ہجرت ہے) ۲ ابو داؤد اور صحیح مسلم مین حجۃ الوداع کا واقعہ نہایت تفصیل سے مذکور ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقرؒ نے حضرت جابرؓ سے جب وہ نابینا ہوگئے تھے، آنحضرت صلعم کے حج کا حال پوچھا حضرت جابرؓ نے آل رسول کی محبت سے امام باقرؒ کے گریبان کے تکمے کھولے اور ان کے سینہ پر محبت سے ہاتھ رکھکر کہا، بھتیجے! پوچھ! کیا پوچھتا ہے؟ پھر نہایت تفصیل سے حج نبوی کے تمام حالات بیان کیے (اوقات کی تعیین بھی بخاری ومسلم مین حضرت ابن عباس، انس، اور حضرت عائشہ کی روایتون مین ہے اور امام نسائی نے کتاب المناسک مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اوقات وتاریخ کے لیے خاص باب باندھا ہے،) (۳ صحیح بخاری وصحیح مسلم،)

اِنَّ الحمد والنعمۃ لک والملک لک، ہم حاضر ہین، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے، اور

لاشریک لک، سلطنت مین تیرا کوئی شریک نہین،

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہین، انکا بیان ہو کہ مین نے نظر اُٹھاکر دیکھا تو آگے پیچھے، داہنے بائین جہان تک نظر کام کرتی تھی، آدمیون کا جنگل نظر آتا تھا، آنحضرت صلعم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اِسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اُٹھتے تھے،

فتح مکہ مین آپ نے جن منازل مین نماز ادا کی تھی، وہان برکت کے خیال سے لوگون نے مسجدین بنالی تھین، آنحضرت صلعم اِن مساجد مین نماز ادا کرتے جاتے تھے، سرف پہنچکر غسل فرمایا، دوسرے دن (اتوار کے روز ذوالحجہ کی چارتاریخ کو صبح کے وقت) مکہ معظمہ مین داخل ہوئے، مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن مین طے ہوا، خاندانِ ہاشم کے لڑکون نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے آپ نے فرطِ محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا، کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے" پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہوکر مقام ابراہیم مین دوگانہ ادا کیا، اور یہ آیت پڑھی،

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ،

صفا پر پہونچے تو یہ آیت پڑھی،

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ صفا اور مروہ خدا کی نشانیان ہین،

(۱؎ کم وبیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے) ۲؎ نسائی باب استقبال الحج،

(یہان سے) کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے،

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک	خدا کے سوا کوئی خدا نہین، اس کا کوئی شریک نہین اسکے لیے
ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل شیٔ قدیر	سلطنت اور ملک ہے سمجھی، وہ مارتا اور جلاتا ہی اور وہ تمام چیزونپر
لا الہ الا اللہ وحدہ، انجز وعدہ ونصر	قادر ہی کوئی خدا نہین مگر وہ اکیلا خدا، اسنے اپنا وعدہ پورا کیا اور
عبدہ، وھزم الاحزاب[1] وحدہ،	اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی،

صفا سے اُترکر کوہ مروہ پر تشریف لائے یہان بھی دعا و تہلیل کی، اہل عرب ایام حج مین عمرہ نا جائز سمجھتے تھے، صفا و مروہ کے طواف وسعی سے فارغ ہوکر آپ نے ان لوگون کو جنکے ساتھ قربانی کے جانور نہین تھے، عمرہ تمام کرکے احرام اُتارنے کا حکم دیا، بعض صحابہ نے گذشتہ رسوم مالوفہ کی بناپر اس حکم کی بجا آوری مین معذرت کی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہوتے تو مین بھی ایسا ہی کرتا" حضرت علی حجۃ الوداع سے کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے، اسی وقت وہ یمنی حاجیون کا قافلہ لیکر مکہ مین وارد ہوئے، چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، اس لیے انہون نے احرام نہین اُتارا، جمعرات کے روز آٹھوین تاریخ کو آپنے تمام مسلمانون کے ساتھ منیٰ مین قیام فرمایا، دوسرے دن نوین ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھکر منیٰ سے روانہ ہوئے،

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے، تو عرفات کے بجائے مزدلفہ مین مقام کرتے تھے جو حرم کے حدود مین تھا، ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام مین مناسک حج ادا کیے تو ان کی شان یکتائی مین فرق آجائے گا، لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی،

[1] ابوداؤد،

اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہین رکھی جا سکتی تھی، اس لیے (خدا[1] نے حکم دیا) ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ آپ بھی عام مسلمانون کے ساتھ عرفات مین آئے (اور یہ اعلان کرا دیا[2]،

قفوا على مشاعركم فانكم على ارث من ارث ابيكم ابراهيم، — اپنے مقدس مقامات مین ٹھرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت پر ہو،

یعنی عرفہ مین حاجیون کا قیام حضرت ابراہیم کی یادگار ہے اور انھین نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لیے متعین کیا ہے، عرفات مین ایک مقام نمرہ ہے وہان آپ نے (ایک) کمل کے خیمہ مین قیام فرمایا، دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جسکا نام قصواء تھا) سوار ہوکر میدان مین آئے، اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا،

(آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا، اس لیے آپ نے فرمایا،

الا كل شيء من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع[3] (صحیح بخاری و مسلم و ابوداود) — ہان جاہلیت کے تمام دستور میرے دونون پاؤن کے نیچے ہین،

---

[1] صحیح بخاری باب الوقوف بعرفہ، [2] ابوداود موضع الوقوف بعرفہ، [3] یہ اور اس کے بعد کے تمام عربی جملے آنحضرت صلعم کے خطبہ کے اجزاء ہین اور یہ جملے کسی حدیث مین یکجا بیان نہین ہوئے ہین اسلیے ان کو مختلف ماخذون سے جمع کرنا پڑا ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم (باب حجۃ النبی و باب الدیات) اور ابوداود (باب الاشہر الحرم و حجۃ النبی) وغیرہ مین یہ خطبہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو امامہ باہلی حضرت جابرؓ حضرت ابوبکرہؓ وغیرہ صحابہ کی روایتون سے مذکور ہے ان روایتون مین بعض باتین مشترک ہین، مثلاً ان دماءكم واموالكم حرام عليكم كحرمة هذا الخ اور بعض باتین الگ ہین، مغازی و سیر کی کتابون مین کچھ اور باتین بھی مذکور ہین۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا، ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اسی کی اسنے روایت کر دی، اس بنا پر مختلف ماخذون سے ان ٹکڑون کو جمع کر لیا گیا ہے۔ اور اس کے جا بجا حوالے دیے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

تکمیل انسانی کی منزل مین سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی قومون نے تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتون مین قائم کر رکھا تھا، سلاطین سایۂ یزدانی تھے، جن کے آگے کسی کو چون وچرا کی مجال نہ تھی، ائمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی مین گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفاء، رذیلون سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہین ہوسکتے تھے، آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حدبندیان دفعۃً ٹوٹ گئین،

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء آدم وآدم من التراب[1]، (عقد الفرید خطب نبوی)	عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہین، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم خاک سے بنے تھے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گئے ہین خطبہ کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے چھوڑ دیے ہین، روایتون مین ایک اور اختلاف ہے حضرت جابر اپنی روایت مین، اور ایک روایت مین حضرت ابن عباس خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذیحجہ اور حضرت ابوبکرہ اور حضرت ابن عباس دوسری روایتون مین یوم النحر یعنی ۱۰ ذیحجہ بتاتے ہین، بعض روایتین ایام التشریق کے خطبہ کی ہین، ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے، ابن ماجہ، ترمذی، اور مسند احمد مین خطبۂ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہین، جن مین یہ تصریح نہین کہ کس تاریخ کے خطبہ مین آپ نے یہ فرمایا، بہرحال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج مین تین دفعہ خطبہ دیا، ۹ ذیحجہ یوم عرفہ کو، ۱۰ ذیحجہ یوم النحر کو، اور تیسرا خطبہ ایام التشریق مین ۱۱ یا ۱۲ ذیحجہ کو، ان خطبون مین اصولی طور پر بعض باتین مشترک ہین، اور بعض مختص المقام ہین، یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپ جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا اس لیے آپ نے اپنی تقریر کے بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے،) س

(1) یہ فقرہ حدیث اور سیر کی کتابون مین مجھے نہین ملا، ترمذی آخر کتاب المناقب اور ابوداؤد باب التفاخر بالاحساب مین اس کے ہم معنی مفہوم مذکور ہے ان اللہ اذھب عنکم عُبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء، انما ھو مؤمن تقی وفاجر شقی الناس کلھم بنو آدم وآدم خلق من التراب، لیکن اس روایت مین حجۃ الوداع کا نام نہین ہے، البتہ مورخ یعقوبی نے جو تیسری صدی ہجری مین تھا، یہ فقرہ خطبۂ حجۃ الوداع مین نقل کیا ہے، صفحہ ۱۲۳ طبع یورپ) س

ان كل مسلم اخو المسلم وان المسلمين اخوة ، (مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۹۳ و طبری ابن اسحاق)
(ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور) اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

ارقاءكم ارقاءكم اطعموهم مما تاكلون واكسوهم مما تلبسون (ابن سعد)
تمہارے غلام! تمہارے غلام!! جو خود کھاؤ، وہی انکو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ،

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہوجاتا تھا، یہاں تک کہ سیکڑوں برس گذر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہوجاتا تھا، اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی، آج یہ سب سے قدیم رسم عرب کا سب سے مقدم فخر خاندانوں کا پر فخر مشغلہ برباد کردیا جاتا ہے، (اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے،)

ودماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث، (صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد، بروایت جابرؓ)
جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کردیئے گئے، اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعۃ بن الحرث کے بیٹے[1] کا خون باطل کردیتا ہوں۔

---

[1] ربیعہ قریش کے خاندان سے تھے، اور ان کے خون کا انتقام لینا میراث کی طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا (ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے) اور بعض روایتوں میں خود ان کے قتل کا ذکر ہے لیکن یہ صحیح نہیں، ربیعہ خلافت فاروقی تک زندہ تھے، اور ۲۳ھ میں وفات پائی، صحیح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایاس نام ایک بیٹا تھا، وہ قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا، دیکھو ابو داؤد، و صحیح مسلم باب حجۃ النبی صلعم اور زرقانی جلد ۵ صفحہ ۲۰۱)

(تمام عرب مین سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، جس سے غربا کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا، اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنے قرض خواہون کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے، اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلّم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے'

وربا الجاهلية موضوع واوّل ربا اضع ربانا ربا عبّاس بن عبد المطلب (صحیح مسلم وابوداؤد)	جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیے گئے'' اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس[1] بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہون')

آج تک عورتین ایک جائداد منقولہ تھین، جو قماربازیون مین داؤن پر چڑھادی جاسکتی تھین، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک، قدردانی کا تاج پہنتا ہے'

فاتقوا الله فی النساء[2] (صحیح مسلم وابوداؤد)	(عورتون کے معاملہ مین خدا سے ڈرو')
انّ لكم على نسائكم حقا ولهن عليكم حقا، (طبری ابن ہشام وغیرہ)	تمھارا عورتون پر، اور عورتون کا تم پر حق ہے'

عرب مین جان ومال کی کچھ قیمت نہ تھی، جو شخص چاہتا تھا قتل کردیتا تھا، اور جسکا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا، (آج امن وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے')

اِنّ دمائكم واموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فی شهركم هذا فی بلدكم هذا الى يوم تلقون ربكم[3]	تمھارا اور تمھارا مال تاقیامت اسی طرح حرام ہے جسطرح یہ دن اس مہینہ مین اور اس شہر مین حرام ہے۔

(۱) آنحضرت صلعم کے چچا عباس اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے، بہت سے لوگون کے ذمہ ان کا سود باقی تھا، (دیکھو تفسیر آیات ربا)، (۲) اس کے بعد آپ نے زن وشو کے فرائض کی تفصیل فرمائی، (۳) صحیح بخاری ومسلم وابوداؤد وغیرہ

(اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا مین پیدا ہوئے لیکن انکی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی، انکو خدا کی طرف سے جو ہدایتین ملی تھین، بندون کی ہوس پرستیون نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی، ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہات سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہی اور تاکید کرتا ہی،)

وانی قد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللّٰہ (صحاح)

مین تم مین ایک چیز چھوڑ جاتا ہون اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہی؟ کتاب اللہ،

اس کے بعد آپ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا،

انّ اللّٰہ عز وجل قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث،

خدا نے ہر حق دار کو (ازروے وراثت) اس کا حق دیدیا اب کسی وارث کے حق مین وصیت جائز نہین،

الولد للفراش وللعاھر الحجر وحسابھم علی اللّٰہ،

لڑکا اُس کا ہی جسکے بستر پر پیدا ہوا، زناکار کے لیے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہی،

من ادّعی الی غیر ابیہ وانتمی الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ،

جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعوی کرے اور جو غلام اپنے مولی کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اسپر خدا کی لعنت ہے

الا لا یحلّ لامرءۃ ان تعطی من مال زوجھا شیئا الا باذنہ، الدین مقضیّ

ہان عورت کو اپنے شوہر کے مال مین سے اسکی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہین، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کیجائے

(؎ سنن ابن ماجہ باب الوصایا و مسند ابو داؤد طیالسی بروایت ابی امامۃ الباہلی۔ ابو داؤد کتاب الوصایا مین مختصراً ہے ابن سعد اور ابن اسحاق نے بھی اسکی بسند روایت کی ہے کہ یہ عرفہ کے خطبہ مین آپ نے فرمایا۔)

والعاریۃ مودّاۃ والمنحۃ مردودۃٌ، والزعیم غارم)
عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے،)

یہ فرماکر آپ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا،

(انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون (صحیح مسلم وابوداود)
تمسے خدا کے ہان میری نسبت پوچھا جائیگا، تم کیا جواب دوگے؟

صحابہؓ نے عرض کی "ہم کہین گے کہ آپنے خدا کا پیغام پہنچا دیا، اور اپنا فرض اداکر دیا،" آپ نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھائی اور تین بار فرمایا،

اللّٰھم اشھد (صحیح مسلم وابوداود)
اے خدا تو گواہ رہنا،

عین اُسوقت جب آپ یہ فرض نبوت اداکر رہے تھے یہ آیت اُتری[۱]،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا،
آج مین نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے مذہب اسلام کو انتخاب کرلیا

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شاہنشاہ عالم جس وقت لاکھون آدمیون کے مجمع مین فرمانِ ربانی کا اعلان کر رہا تھا، اُس کے تخت شاہنشاہی کا مسند و بالین (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا[۲]،

(خطبہ سے فارغ ہوکر آپ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا، اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ اداکی، پھر ناقہ پر سوار ہوکر موقف تشریف لائے اور وہان کھڑے ہوکر دیر تک قبلہ رو دعا مین مصروف

(۱؎ صحیح بخاری وصحیح مسلم وابوداود، وغیرہ، ابن سعد مین تصریح خاص ہے) ۲؎ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۲۷ کتاب الشمایل للترمذی وابن ماجہ،)

رہے، جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ نے وہان سے چلنے کی تیاری کی، حضرت اسامہ بن زید کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا، آپ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے، یہان تک اسکی گردن کجاوے مین آکر لگتی تھی، لوگون کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا، لوگون کو دست راست سے، اور بخاری مین ہے کہ کوڑہ سے آپ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ! آہستہ!! اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے،

السکینة یا ایہا الناس السکینة یا ایہا الناس[1]　　لوگو! سکون کے ساتھ، لوگو! سکون کے ساتھ،

اثنائے راہ مین ایک جگہ اُتر کر طہارت کی، اسامہ نے کہا یارسول اللہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے، فرمایا نماز کا موقع آگے آتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد آپ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے، یہان پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اِس کے بعد لوگون نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سواریون کو بٹھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشا کی تکبیر ہوئی، نماز سے فارغ ہو کر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا،[2] یہی مین روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لیے بیدار نہ ہوئے، محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس مین آپ نے نماز تہجد ادا نہین فرمائی، صبح سویرے اُٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی، کفار قریش مزدلفہ سے اسوقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑون کی چوٹیون پر دھوپ چمکنے لگتی تھی، اسوقت بآواز بلند کہتے تھے "کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا" آنحضرت صلعم نے اِس رسم کے ابطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے یہان سے کوچ کیا، یہ ذیحجہ کی دسوین تاریخ اور سنیچر کا دن تھا،

فضل بن عباس آپ کے برادر عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے، اہل حاجت داہنے بائین حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیے آرہے تھے، آپ جواب دیتے تھے، اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے

(۱؎ صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد) ۲؎ صحیح بخاری و ابوداؤد،)

جاتے تھے[1]، وادیِ محشر کے راستہ سے آپ جمرۃ کے پاس آئے، ابن عباس سے جو اس وقت کمسن تھے فرمایا مجھے کنکریاں چنکر دو، آپ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا[2]،

ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک قبلکم الغلو فی الدین (ابن ماجہ ونسائی)

مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں،

اسی اثنا میں آپ یہ بھی فرماتے،

لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ (مسلم وابوداؤد)

حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا، شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے،

یہاں سے فارغ ہوکر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، داہنے بائیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا، مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں، آنحضرت صلعم ناقہ پر سوار تھے، حضرت بلال کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہ بن زید پیچھے بیٹھے کپڑا تانکر سایہ کیے ہوئے تھے، آپ نے نظر اٹھاکر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول واعترافِ حق کا نور ضوفشان تھا، دیوان قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی، دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی، عین اسی عالم میں زبانِ حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام و دہن میں زمزمہ پرداز ہوئی،

(۱) ابوداؤد، (۲) نسائی،

اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا، اس بنا پر ارشاد فرمایا،

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السموات والارض (بروایت ابوبکرہ)	ابتدا میں خدا نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اُسی نقطہ پر آگیا،

ابراہیم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ مین کسی قسم کی خونریزی جائز نہین تھی[ا]، اِس لیے عربون کے خون آشام جذبات حیلۂ جنگ کے لیے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے، آج وہ دن آیا کہ اِس اجتماع عظیم کے اشہر حُرُم کی تعیین کردیجائے آپ نے فرمایا،

السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلاثۃ متوالیات ذو القعدۃ وذو الحجۃ ومحرم ورجب شھر مضر الذی بین جمادی وشعبان (بروایت ابوبکرہ)	سال کے بارہ مہینے ہین جن مین چار مہینے قابل احترام ہین، تین تو متواتر مہینے ہین، ذوقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم، اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ مین ہے،

(ا حج کے ان مہینون کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب مین نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا، اور عرب کے تمام فرقے خواہ یہودی یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیرو ہون سب برابر ان کی عزت کرتے تھے، ان مہینون مین جنگ و جدال اور لڑائی بھڑائی حرام جانتے تھے، قدیم اشعار عرب مین اس کا بیان نہایت کثرت سے ہے، رومیون کی تاریخ مین بھی عربون کے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ سنہ ۵۴۱ء مین رومیون کو شام اور فلسطین مین کوئی جنگی کارروائی کرنی تھی، اور ساتھ ہی عربون کے حملہ کا خوف لگا تھا، سپہ سالار روم جو عربون کے اندرونی حالات سے واقف تھا اُس نے جواب دیا کہ اس زمانہ مین عربون سے کوئی خوف نہین، کیونکہ عنقریب وہ دو مہینے آرہے ہین جن مین اہل عرب عبادتون مین مشغول رہتے ہین اور کسی قسم کا ہتھیار نہین لگاتے، نتائج الافہام محمود پاشا فلکی صفحہ ۳۵ بحوالہ فرینچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل، اپریل ۱۸۴۳ء) س،

(دنیا مین عدل و انصاف اور جور و ستم کا محور صرف تین چیزین ہین جان، مال اور آبرو، آنحضرت صلعم کل کے خطبہ مین گو ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن عرب کے صدیون کے زنگ دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی، آج آپ نے اس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔) لوگون سے مخاطب ہو کر پوچھا "کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے؟ لوگون نے عرض کی کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، آپ دیر تک چپ رہے، لوگ سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھین گے، دیر تک سکوت کے بعد فرمایا" کیا آج قربانی کا دن نہین ہے؟" لوگون نے کہا، ہان بیشک ہے، پھر ارشاد ہوا "یہ کونسا مہینہ ہے"؟ لوگون نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپ نے پھر دیر تک سکوت کیا، اور فرمایا" کیا یہ ذوالحجہ نہین ہے"؟ لوگون نے کہا" ہان بیشک ہے" پھر پوچھا" یہ کون شہر ہے"؟ لوگون نے بدستور جواب دیا، آپنے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا" کیا یہ بلدۃ الحرام نہین ہے"؟ لوگون نے عرض کی، ہان بیشک ہے، جب سامعین کے دل مین یہ خیال پوری طرح جاگزین ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی، اور خود شہر بھی محترم ہے، یعنی اس دن، اس مقام مین جنگ اور خونریزی جائز نہین، تب فرمایا:

فان دماءکم و اموالکم و اعراضکم علیکم	تو تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری آبرو، (تا قیامت)
حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا	اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن۔ اس مہینہ مین اور
فی بلدکم ھذا (بروایت ابوبکرہ)	اس شہر مین محترم ہے۔

(قومون کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ و جدال اور باہمی خونریزیون کا نتیجہ رہی ہے، وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بنکر آیا تھا، اس نے اپنے پیروون سے بآواز بلند کہا:

الا لا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم	ہان! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی

رقاب بعض وستلقون ربكم فيسئلكم عن اعمالكم، (بروایت ابوبکرہ)

گردن مارنے لگو تمکو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑیگا، اور وہ تمسے تمہارے اعمال کی بازپرس کریگا،

ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان مین کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اُس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہوجانے کی صورت مین بادشاہ کا اُس خاندان مین سے جسپر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا، باپ کے جرم مین بیٹے کو سولی دیجاتی تھی، اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اُٹھانا پڑتا، یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا مین حکمران تھا، اگرچہ قرآن مجید نے لَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْریٰ کے وسیع قانون کے روسے اِس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخکنی کردی تھی، لیکن اسوقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا، اِس اصول کو فراموش نہین کرسکتا تھا، آپ نے فرمایا،

الا لایجنی جانٍ الا علی نفسہ، الا لایجنی جانٍ علی ولدہ ولا مولود علی والدہ (ابن ماجہ وترمذی)

ہان! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہی، ہان، باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہین اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہین،

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا، اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ اور عار جانتا تھا، ارشاد ہوا،

ان اُمّر علیکم عبد مجدّع اسود یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا لہ واطیعوا (صحیح مسلم)

اگر کوئی حبشی ہینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہوا اور وہ تمکو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کرو،

ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اسوقت اسلام کے نور سے منور ہوچکا تھا، اور خانۂ کعبہ ہمیشہ کے لیے

ملّتِ ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا، اور فتنہ پردازانہ قوتیں پامال ہو چکی تھین، اس بنا پر آپ نے ارشاد فرمایا،

الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلدکم ھذا ابداً ولکن ستکون لہ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضیٰ بہ، (ابن ماجہ وترمذی)

ہان، شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر مین اُس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائیگی، لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتون مین اسکی پیروی کروگے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔

سب سے آخر مین آپنے اسلام کے فرائض اولین یاد دلائے،

اعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شھرکم واطیعوا اذا امرکم تدخلوا جنۃ ربکم (مستدرک حاکم جلد اصفحہ ۳۸۹ و ۴۷۳)

اپنے پروردگار کو پوجو، پانچون وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کا روزہ رکھا کرو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت مین داخل ہو جاؤگے)

یہ فرما کر آپ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا،

الا ھل بلّغت ؛ کیون، مین نے پیغام خداوندی سنا دیا،

سب بول اُٹھے، ہان ؛ فرمایا

اللھم اشھد، اے خدا تو گواہ رہنا،

پھر لوگون کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

فلیبلّغ الشاھدُ الغائبَ جو لوگ اسوقت موجود ہین وہ انکو سنا دین جو موجود نہین،

(خطبہ[1] کے اختتام پر آپ نے تمام مسلمانون کو الوداع کہا،

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا، صحیح مسلم (حج) مین روایت ہے کہ قال قولاً کثیراً، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

اِس کے بعد آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ "قربانی کیلئے منٰے کی کچھ تخصیص نہین ہی، بلکہ منٰے اور مکہ کی ایک ایک گلی مین قربانی ہوسکتی ہے" آپ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے، کچھ تو آپنے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علی کے سپرد کردیے کہ وہ ذبح کرین، اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو، سب خیرات کردیا جائے، یہان تک کہ قصّاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے ، الگ سے دی جائے،

قربانی سے فارغ ہوکر آپنے معمّر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے، اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دستِ مبارک سے ابوطلحہ انصاری اور انکی بیوی ام سلیم اور بعض اُن لوگون کو جو پاس بیٹھے تھے، عنایت فرمائے، اور باقی ابوطلحہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانون مین ایک ایک دو دو کرکے تقسیم کردیے، اس کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لائے، خانۂ کعبہ کا طواف کیا، اِس سے فارغ ہوکر چاہِ زمزم کے پاس آئے،

چاہِ زمزم سے حاجیون کو پانی پلانے کی خدمت خاندانِ مُطّلب سے متعلق تھی، چنانچہ اس وقت اِسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکالکر لوگون کو پلا رہے تھے، آپ نے فرمایا "یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجکو ایسا کرتے دیکھکر اور لوگ بھی تمھارے ہاتھ سے ڈول چھینکر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کرینگے، تو مین خود اپنے ہاتھ سے پانی نکالکر پیتا" حضرت عبّاسؓ نے ڈول مین پانی نکالکر پیش کیا، آپ نے قبلہ رُخ ہوکر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہان سے منٰے واپس تشریف لے گئے اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) آپ نے بہت سی باتین فرمائین" صحیح بخاری (حجۃ الوداع) مین ہی کہ آپ نے اس مین دجال کا بھی ذکر فرمایا تھا، لیکن یہ تعیین نہین کہ کس دن کے خطبہ مین یہ فرمایا) ؎۲ صحیح بخاری باب الخطبۃ ایام منٰے،

؎۳ صحیح مسلم د ابو داؤد،

وہین نماز ظہر[1] ادا فرمائی،

بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک آپ نے مستقل اقامت منیٰ ہی مین فرمائی، ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے، اور پھر واپس آجاتے، **ابوداود** (باب الخطبۃ بمنیٰ) مین ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ ذی الحجہ کو بھی منٰے مین ایک خطبہ دیا تھا، جس کے الفاظ مختصراً وہی ہین جو پہلے خطبون مین گذر چکے، ۱۳ ذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپنے یہان سے نکل کر وادی محصب[2] مین قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا، پچھلے پہر اٹھکر مکۂ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کرکے وہین صبح کی نماز ادا کی، اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہوگیا، اور آپ نے مہاجرین وانصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی، راہ مین ایک مقام خم پڑا، جو جحفہ سے تین میل پر ہے، یہان ایک تالاب ہے، عربی مین تالاب کو غدیر کہتے ہین، اوراسیلیے اس مقام کا نام عام روایتون مین **غدیر خم** آتا ہے، آپ نے یہان تمام صحابہ کو جمع کرکے ایک مختصر سا خطبہ دیا،

امابعد الا ایھا الناس فانما انا بشر	حمد وثنا کے بعد، اے لوگو! مین بھی بشر ہون ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ
یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب	جلد آجاے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) مین تمہارے

(1) حضرت ابن عمر کی حدیث بخاری ومسلم دونون مین ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز حسب دستور اس دن بھی منیٰ مین پڑھی۔ لیکن حضرت ابن جابر کی جو طویل حدیث قصۂ حجۃ الوداع مین ہے اس مین تعین ہے کہ آپ نے مکہ مین نماز ظہر پڑھی، حضرت عائشہ کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس بنا پر محدثین مین ان دونون قولون کی باہمی ترجیح اور وجوہ ترجیح مین اختلاف ہے، علامۂ ابن حزم نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور علامۂ ابن قیم نے زاد المعاد مین پہلے قول کو مرجح ثابت کیا ہے۔ فریقین کے موازنۂ دلائل کے بعد ہمنے ابن قیم کا فیصلہ قبول کیا ہے۔) س

(2) اسکا دوسرا نام ابطح اور خیف بنی کنانہ ہے۔)

وانا تارك فيكم الثقلين اولهما — درمیان دو بھاری چیزین چھوڑتا ہون، ایک خدا کی کتاب

كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا — جسکے اندر ہدایت اور روشنی ہی، خدا کی کتاب کو مضبوط

كتاب الله وتمسكوا به واهل بيتي — سے پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہین، مین اپنے

اذكركم الله في اهل بيتي، — اہلبیت کے بارہ مین تمھین خدا کو یاد دلاتا ہون،

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا، یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے،

نسائی۔ مسند امام احمد۔ ترمذی، طبرانی۔ طبری۔ حاکم۔ وغیرہ مین کچھ اور فقرے بھی ہین، جن مین حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتون مین ایک فقرہ اکثر مشترک ہی،

من كنت مولاه فعلي مولاه، اللهم — جسکو مین محبوب ہون علی بھی اسکو محبوب ہونا چاہیے، الٰہی جو علیؓ سے

وال من والاه وعاد من عاداه، — محبت رکھے اُس سے تو بھی محبت رکھ، اور جو علیؓ سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی عداوت رکھ

احادیث مین خاص یہ تصریح نہین کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی، **بخاری** مین ہی کہ اسی زمانہ مین حضرت علی یمن بھیجے گئے تھے، جہان سے واپس آکر وہ حج مین شامل ہوئے تھے، یمن مین انھون نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیون نے پسند نہین کیا، ان مین سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلعم سے شکایت کی، آپ نے فرمایا "علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا[۱]"، عجب نہین کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ فرمائے،

مدینہ کے قریب پہنچکر ذوالحلیفہ مین شب بسر کی، صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا،

[۱] صحیح بخاری بعث علی الی الیمن و ترمذی مناقب حضرت علی۔

دوسری طرف کو کبۂ نبوی مدینۂ منورہ مین داخل ہوا، سواد مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے،[1]

اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ لا
شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و
ہو علی کل شیٔ قدیر، آئبون
تائبون عابدون ساجدون
لربنا حامدون، صدق اللہ
وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب
وحدہ)

خدا بزرگ و برتر ہے اسکے سوا کوئی خدا نہین کوئی اس کا
شریک نہین۔ بس اسی کی سلطنت ہے اسی کے لیے مدح
اور ستایش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آرہے
ہین توبہ کرتے ہوئے فرمانبردارانہ زمین پر پیشانی رکھکر،
اپنے پروردگار کی مدح وستایش مین مصروف ہوکر،
خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی نصرت کی،
اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی،)

[1] صحیح بخاری بعث علی الی الیمن وترمذی مناقب حضرت علی، [2] حجۃ الوداع کے واقعات تمام تر صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور نسائی سے لیے گئے ہین۔ ہر واقعہ کے لیے ان کتابون مین کتاب الحج کے مختلف ابواب دیکھو۔

وفات

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (زمر)

ربیع الاوّل ۱۱ھ

مطابق

مئی ۶۳۲ء

روحِ قدسی کو عالم جسمانی مین اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیۂ نفوس کا عظیم الشان کام درجۂ کمال تک پہنچ جائے، **حجۃ الوداع** مین یہ فرضِ اہم ادا ہوچکا، توحید کامل اور مکارم اخلاق کے اصول عملاً قائم کرکے **عرفات** کے مجمع عام مین اعلان کردیا گیا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ، — آج کے دن مین نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور اپنی نعمتین پوری کردین،

(سورۂ **فتح** کا نزول خاص خاص صحابہ کو آنحضرت صلعم کے قربِ وفات کی اطلاع دیچکا تھا[1]، اور آپ حکم ربانی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (فتح) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح و تہلیل مین بسر[2] فرماتے تھے، آپ عموماً ہر سال رمضانِ مبارک مین دس دن اعتکاف مین بیٹھتے تھے، لیکن رمضان ۱۰ھ مین بیس دن اعتکاف مین بیٹھے، سال مین ایک دفعہ ماہ رمضان مین آپ پورا قرآن ناموسِ اکبر کی زبانی سنتے تھے، لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا[3]، حجۃ الوداع کے موقع پر

(۱؎ صحیح بخاری تفسیر اِذَا جَاءَ ۲؎ اس قسم کی روایتین گو طبری، ابن خزیمہ، اور ابن مردویہ مین ہین، لیکن مختصراً صحیح بخاری تفسیر اِذَا جَاءَ مین بھی مذکور ہین، ۳؎ صحیح بخاری باب الاعتکاف و باب تالیف القرآن،)

مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپنے یہ اعلان بھی فرمایا کہ "مجھے امید نہین کہ آیندہ سال تمسے ملسکون" بعض روایتون مین یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہین "شاید مین اس کے بعد حج نہ کرسکون[1]" غدیر خم کے خطبہ مین بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے،

غزوۂ احد کے بیان مین گذرچکا ہی کہ شہداے احد کے جنازہ کی نماز یمن پڑھی گئی تھی، تمام غزوات مین صرف غزوۂ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہی جس مین مسلمانون نے سب سے زیادہ بیکسی کے ساتھ جان دی، اس لیے انکی یاد آپ کے دل مین اس وقت بھی موجود تھی،

حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانون کو اپنے فیض دیدار سے مشرف فرمایا، اوران کو حسرت کے ساتھ وداع کیا، شہداے احد جو بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ کے مژدۂ جانفزا سے فیضیاب تھے، آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ نے انکو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی زمانہ مین ان کی قبر پر تشریف لے گئے، اوران کے لیے دعائے خیر فرمائی، اوراس رقت انگیز طریقہ سے انکو وداع کیا کہ "جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے[2]" اس کے بعد ایک خطبہ دیا جسمین فرمایا "مین تم سے پہلے حوض پر جارہا ہون، اسکی وسعت اتنی ہی جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجکو تمام دنیا کے خزانون کی کنجی دی گئی ہی، مجھے خوف نہین ہی کہ میرے بعد تم شرک کروگے، لیکن اس سے ڈرتا ہون کہ دنیا مین مبتلا ہوجاؤ اوراس کے لیے آپس مین کشت وخون نہ کرو، تو پھر اسی طرح ہلاک ہوجاؤ جسطرح تم سے پہلی قومین ہلاک ہوئین" راوی کا بیان ہی کہ یہ آخری دفعہ مین نے رسول اللہ صلعم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا،

غزوات مین گزرچکا ہی کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حدود شام کے عربون نے شہید کرڈالا تھا،

---

(۱) صحیح مسلم وابوداؤد، ونسائی۔ کتاب الحج، (۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز، وصحیح مسلم باب اثبات الحوض،

آنحضرت صلعم اُن سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے، آغاز علالت سے ایک روز پہلے آپنے اُسامہ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لیکر جائین اور اُن شریرون سے اپنے باپ کا انتقام لین[1]،

(۱۸ یا ۱۹) صفر [2] سنہ ۱۱ ہجری مین آدھی رات کو آپ جنۃ البقیع مین (جو عام مسلمانون کا قبرستان تھا)

(۱ واقدی اور ابن اسحاق کا بیان ہی کہ اس غزوہ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کو بھی جانیکا حکم دیا تھا، لیکن یہ روایتین بے سند ہین، اس لیے علامہ ابن تیمیہ نے اسے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے، حضرت عمر کے متعلق تو نہین کہا جاسکتا لیکن حضرت ابوبکر کو آپ نے ایام علالت مین امام نماز مقرر فرمایا، اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہی، اس بنا پر اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ پہلے حضرت ابوبکر کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپ نے انکو مستثنیٰ کرلیا، ۲ آنحضرت صلعم کی ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین مین روایات مختلف ہین، امر مختلف فیہ سے پہلے اُن امور کو بتا دینا چاہیے جنپر تمام روایات کا اتفاق ہی، اور جنپر گویا تمام محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہی، اور وہ یہ ہین (۱) سال وفات سنہ ۱۱ ھ ہے۔ (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا، (۳) یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی (۴) دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات کتاب الجنائز) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ دن بیمار رہے، اس بنا پر یہ تحقیقی طور سے متعین ہوجائے کہ آپنے کس تاریخ کو وفات فرمائی، تو تاریخ آغاز مرض بھی متعین کیجاسکتی ہی حضرت عائشہ کے گھر بروایت صحیح ۸ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے شنبہ تک) بیمار رہے اور یہین وفات فرمائی، اس لیے ایام علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے۔ عام روایات کے رو سے پانچ دن اور چاہئین، اور یہ قراین سے بھی معلوم ہوتا ہی اس لیے ۱۳ دن مدت علالت صحیح ہی، علالت کے ۵ دن آپنے دوسری ازواج کے حجرون مین بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز چہار شنبہ سے ہوتا ہی،

تاریخ وفات کی تعیین مین راویون کا اختلاف ہی۔ کتب حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی تحقیق کوئی روایت احادیث مین نہین ملسکی، ارباب سیر کے ہان تین روایتین ہین، یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول، اور ۱۲ ربیع الاول، ان تینون روایتون مین باہم ترجیح دینے کے لیے اصول روایت و درایت دونون سے کام لینا ہے، روایۃً دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کے واسطہ سے مروی ہے (طبری صفحہ ۱۸۱۵) اس روایت کو گو اکثر قدیم مورخون (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ہی، لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونون مشہور دروغگو اور غیر معتبر ہین، یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد و طبری نے نقل کی ہی، (جز ۲ وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہی وہ ۱۲ ربیع الاول کی ہی۔ البتہ بیہقی نے دلائل مین بسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہی، (نور النبراس ابن سید الناس، وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسےٰ بن عقبہ سے، اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہی (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

تشریف لے گئے وہان سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا (یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا اور روز چہارشنبہ تھا)، پانچ دن تک آپ اس حالت مین بھی از راہِ عدل و کرم باری باری ایک ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (فتح الباری وفات) امام سہیلی نے روض الانف مین اِسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہی (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہی کیونکہ دو باتین یقینی طور پر ثابت ہین، روز وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) اِس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذیحجہ سنہ ۱۰ھ کی نوین تاریخ کو جمعہ کا دن تھا، (صحاح قصۂ حجۃ الوداع و صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ تک حساب لگاؤ، ذیحجہ، محرم، صفر، اِن تینون مہینون کو خواہ ۲۹-۲۹ لو، خواہ ۳۰-۳۰-۳۰، خواہ بعض ۲۹ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاوّل کو دوشنبہ کا دن نہین پڑسکتا، اِس لیے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہی، دوم ربیع الاوّل کو حساب سے اسوقت دوشنبہ پڑسکتا ہی جب تینون مہینے ۲۹ کے ہون،

جب دو پہلی صورتین صحیح نہین ہین تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہی جو کثیر الوقوع ہی یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ ۳۰ کا لیا جائے، اِس حالت مین یکم ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا، اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہی ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ اگر ۹ ذیحجہ کو جمعہ ہو تو ذیل ربیع الاوّل مین اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہوسکتا ہے

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذیحجہ، محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہون	۶	۱۳	۲۰
۲	ذیحجہ، محرم اور صفر سب ۲۹ کے ہون	۲	۹	۱۶
۳	ذیحجہ ۲۹، محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو	۱	۸	۱۵
۴	ذیحجہ ۳۰، محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذیحجہ ۲۹، محرم ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذیحجہ ۳۰، محرم ۲۹، اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	
۷	ذیحجہ ۳۰، محرم ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۷	۱۴	
۸	ذیحجہ ۲۹ کا اور محرم و صفر ۳۰ کے ہون	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخون مین سے ۶-۷-۸-۱۳-۹-۱۴-۱۵-۱۶، خارج از بحث ہین کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی ار تائید مین کوئی روایت نہین۔ رہ گئین یکم اور دوم تاریخین، دوم تاریخ صرف ایک صورت مین پڑسکتی ہی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بیوی کے حجرہ مین تشریف لے جاتے رہے، (دوشنبہ کے دن) مرض مین شدت ہوئی، تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ کے گھر قیام فرمائین، خلق عظیم کی بناپر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہین طلب کی، بلکہ پوچھا کہ کل مین کس کے گھر رہونگا، دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہ کے یہان قیام فرمانے کا تھا، ازواج مطہرات نے مرضئ اقدس سمجھکر عرض کی کہ آپ جہان چاہین قیام فرمائین[1]، ضعف اس قدر ہوگیا تھا کہ چلا نہین جاتا تھا، حضرت علی اور حضرت عباس دونون بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ کے حجرے مین لائے،

(آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپ مسجد مین نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ **مغرب** کی نماز تھی، سر مین درد تھا، اس لیے سر مین رومال باندھکر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی جسمین سورۂ وَالمُرسَلٰتِ عُرفًا قراءت فرمائی[2]) عشا کی نماز کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو خلاف اصول ہی، یکم تاریخ تین صورتون مین واقع ہوسکتی ہی اور تینون کثیر الوقوع ہین۔ اور روایات ثقات ان کی تائید مین ہین۔ اس لیے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری ہے، اس حساب مین فقط رویت ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جسپر اسلامی قمری مہینون کی بنیاد ہی، اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اس پر خدشات وارد ہوسکتے ہون،

کتب تفسیر مین تحت آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ حضرت ابن عباس سے مروی ہی کہ اس آیت کے یوم نزول (۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ ہجری) سے روز وفات تک کے ۸۱ دن ہین۔ (دیکھو ابن جریر و ابن کثیر و بغوی وغیرہ) ہمارے حساب سے ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ سے لیکر یکم ربیع الاول تک ۸۰ دو ۲، اور ایک مہینہ ۳ لیکر جو ہماری مفروضہ صورت ہی پورے ۸۱ دن ہوتے ہین، ابونعیم نے بھی دلائل مین بسند یکم ربیع الاول تاریخ وفات نقل کی ہی۔ صفحہ ۱۴۶۔ س)

[1] صحیح بخاری ذکر وفات، ابن سعد نے بروایت صحیح نقل کیا ہی کہ آنحضرت صلعم کی طرف سے حضرت فاطمہ زہرا نے اجازت طلب کی تھی

[2] یہ حدیث بخاری و مسلم۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی باب القراءۃ مین مذکور ہی۔ آیندہ حضرت عائشہ کی روایت آئیگی وا جس مین مذکور ہوگا کہ آخری نماز مسجد مین ظہر کی آپ نے پڑھائی، حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین ان دونون مین اس طرح تطبیق دی ہی کہ مغرب کا واقعہ اندرون حجرۂ نبوی کا واقعہ ہی جیسا کہ نسائی نے بسند صحیح (جلد ۲ ص ۱۴۵) (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر) کی روایت ثقہ ترین اربعہ۔

وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہوچکی؟ لوگون نے عرض کی کہ سب کو حضور کا انتظار ہی، لگن مین پانی بھروا کر
غسل فرمایا، پھر اُٹھنا چاہا کہ غش آگیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہوچکی؟ لوگون نے پھر وہی پہلا جواب دیا، آپنے
پھر غسل فرمایا، اور پھر جب اُٹھنا چاہا تو غش آگیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا، اور لوگون نے وہی جواب دیا،
تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا، پھر جب اُٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہوگئی جب افاقہ ہوا تو ارشاد
ہوا ابوبکرؓ نماز پڑھائین (حضرت عایشہ نے معذرت کی کہ یارسول اللہ! ابوبکر نہایت رقیق القلب
ہین، آپکی جگہ اُن سے کھڑا نہوا جائے گا، آپنے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائین، چنانچہ) کئی[1] دن تک حضرت
ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیکن آگے چلکر حافظ موصوف کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑی جس مین مذکور ہی کہ "آنحضرت صلعم نے باہر نکلکر نماز پڑھائی" اسکی تاویل انکو یہ کرنی پڑی کہ "اس سے مقصود ہی کہ خوابگاہ سے باہر آکر" (جلد ۲ صفحہ ۲۰۴) لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہین کہ اولاً تو حجرۂ نبوی مین اتنی جگہ نہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہوسکے، دوسرے یہ کہ خوابگاہ کے علاوہ حجرۂ نبوی مین اور جگہ کہان تھی، علاوہ ازین احادیث مین صَلّی بنا کے یہی معنی ہر جگہ آئے ہین کہ تمام مسلمانون کے امام بنکر نماز پڑھائی گھر کی نماز پر یہ لفظ صادق نہین آتا، اس لیئے صحیح یہ ہی کہ یہ نماز مسجد نبوی مین پڑھی گئی جیسا کہ عام روایات کا اشارہ ہی۔ آخری نماز مغرب تھی، یا ظہر، اسکی تطبیق یہ ہی کہ آنحضرت صلعم کی مسلسل امامت کا انقطاع مغرب کی نماز مذکورہ پر ہوا، جیسا کہ آگے عشاء کی نماز کے ذکر مین آئے گا، ظہر کی نماز جو آنحضرت صلعم نے مسجد مین آکر ادا فرمائی وہ اتفاقی تھی، اصل مین امام پہلے سے حضرت ابوبکر تھے، آنحضرت صلعم آکر بعد کو شریک ہوگئے تھے یہ نماز مسجد مین آپ کی آخری نماز تھی، بعض صحابہ سے یہ مذکور ہی کہ آخری نماز صبح تھی، یہ درحقیقت ان کا اپنا واقعہ ہی یعنی انکو آخری بار یہی موقع ملا۔ س) (؎ صحیح بخاری اور مسلم مین بروایت حضرت عایشہ یہ تفصیل ہی دیکھو کتاب الصلوۃ اور وفات)

([1] کسی صحیح روایت مین یہ مذکور نہین کہ حضرت ابوبکر نے آپکی زندگی مین کتنے دن تک نماز پڑھائی، ابن سعد نے واقدی سے دو روایتین نقل کی ہین، ایک یہ ہی کہ ۱۷ وقتون کی نماز پڑھائی۔ دوسری روایت یہ کہ تین دن تک امامت کی، شب جمعہ کی عشا سے دوشنبہ کی صبح تک جس دن آپ نے وفات فرمائی، حساب لگایا جائے تو ۱۷ نمازین ہوتی ہین اور جمعہ سنیچر اور اتوار تین دن ہوتے ہین لیکن اصولاً یہ دونون روایتین نہایت کمزور ہین۔) س

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہوگے، بعض صحابہ نے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ "رسول صلعم کو مرض کی شدت ہی (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن موجود ہی جو ہمارے لیے کافی" حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کیجائے، بعض کچھ اور کہتے تھے، اختلاف شور وغل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا "اھجر استفھموہ" "خود آپ سے دریافت کرلو" لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا "مجھے چھوڑ دو، میں جس مقام میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو"

ك۱ یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہی، صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہی اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ میں یہ روایتیں یکجا ہیں) جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری میں انکا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں (مثلاً صحیح مسلم) بتصریح حضرت عمرؓ کا نام ہی، صحیح مسلم میں (انکے) یہ الفاظ ہیں:

قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن وحسبنا کتاب اللہ — آپکو مرض کی شدت ہی ہمارے پاس قرآن موجود ہی خدا کی کتاب ہمارے لیے کافی

(صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں)

(۱) فقالوا ان رسول اللہ صلعم یھجر، — تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم بے حواسی (ہجر) کی باتیں کرتے ہیں

۲- (فقالوا اھجر استفھموہ) — (تو لوگوں نے کہا کیا آپ بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں، آپ سے خود پوچھ لو)

اس بنا پر یہ روایت شیعہ وسنی کا بڑا معرکہ آرا میدان جنگ ہی، شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم حضرت علی کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ خود قرآن مجید میں آیت الیوم اکملت لکم نازل ہوچکی تھی، اس لیے حضرت عمر نے آپکو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے، اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے، اسوقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا، (اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے، بخاری میں ہی کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ "خود خدا اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے" اس اختلاف کے بعد آپنے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں، جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں، یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ اسکو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار فرما سکتے تھے،) س،

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(اس کے بعد آپ نے تین) وصیتین فرمائین، ان مین سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب مین رہنے نہ پائے، دوسری یہ کہ سفرا کا اسی طرح احترام کیا جائے جسطرح آپ کے زمانہ مین دستور تھا، تیسری راوی کو یاد نہین رہی[۱]،

(اُسی دن[۲] ظہر کی نماز کے وقت آپ کی طبیعت کچھ سکون پزیر ہوئی) آپنے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکین آپ پر ڈالی جائین، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد مین لائے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی، اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے، آپ نے اشارہ سے روکا، اور ان کے پہلو مین بیٹھکر نماز پڑھائی، یعنی آپ کو دیکھکر حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھکر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے؛

(نماز کے بعد آنحضرت صلعم نے ایک خطبہ دیا، جو آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا، آپنے فرمایا

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہی کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتون کو قبول کرے، یا خدا کے پاس (آخرت مین) جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اُس نے خدا ہی کے پاس کی چیزین قبول کین"

یہ سنکر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے، لوگون نے انکی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہین؛

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مجکو احتیاط کرنی چاہیے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکلکر علم کلام کے دائرہ مین نہ آجائے، تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہی مین الفاروق مین لکھ چکا ہون؛

[۱] صحیح بخاری ذکر وفات، (وصحیح مسلم کتاب الوصیۃ) ([۲] روایتون مین بالتصریح یہ مذکور نہین ہی کہ یہ کس دن کے ظہر کا واقعہ ہی لیکن صحیح مسلم باب النھی عن بناء المساجد علی القبور مین حضرت جندب کی روایت ہی کہ "حضرت ابوبکرؓ کی شان مین جو الفاظ آپنے فرمائے تھے جنکا بیان آگے آتا ہی وہ وفات سے پانچ روز پیشتر فرمائے تھے" اور چونکہ مرض الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے بعد آپ نے دیا تھا، جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم مین حضرت عایشہ کی روایت ہی اس لیے یہ وفات سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا، حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری مین یہی فیصلہ کیا ہی؛ س)

یہ رونے کی کون سی بات ہے، لیکن راز دار نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلعم ہیں، آپ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا، اور فرمایا "سب سے زیادہ میں جسکی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں، وہ ابو بکر ہیں، اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے، مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابو بکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کرجاتا ہوں[1]"

زمانۂ علالت میں انصار آپ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کرکے روتے تھے، ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گزر ہوا، انھوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انھوں نے بیان کیا کہ "حضور کی صحبتیں یاد آتی ہیں" ان میں سے ایک صاحب نے جاکر آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا، آج اسکی تلافی کا موقع تھا، اس لیے اس کے بعد آپ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کرکے فرمایا یَاأَیُّهَا النَّاس! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اسطرح کم ہوکر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرچکے، اب تمہیں انکا فرض ادا کرنا ہے، وہ میرے (جسم میں بمنزلہ) معدہ کے ہیں، جو تمہارے نفع و نقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیے کہ ان میں جو نکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو، اُن کو معاف کرے[2]

اُوپر گزر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرت صلعم نے تجویز کیا تھا اسکی سرداری اسامہ بن زید کو تفویض فرمائی تھی، اسپر بعض لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو یہ منصب کیوں عطا ہوا، آنحضرت صلعم نے اس مسئلہ کی نسبت

([1] صحیح بخاری و مسلم مناقب ابی بکر اخیر تذکرہ صحیح مسلم باب النہی عن بناء المساجد علی القبور میں ہے۔ [2] صحیح مناقب انصار،)

شاد فرمایا:

"اگر اسامہ کی سرداری پر تمکو اعتراض ہی تو اس کے باپ (زید) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے، کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا، اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہی"

اسلام اور دیگر مذاہب مین ایک نہایت دقیق فرق یہ ہی کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہی، پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہی کہ احکام الٰہی کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ سے بندون تک پہنچا دے، چونکہ دوسرے مذاہب مین یہ غلط فہمی شرک اور کفر تک منتجر ہو چکی تھی، اور اس کے نتائج پیش نظر تھے، اس لیے ارشاد فرمایا:

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کیجائے، مین نے وہی چیز حلال کی ہی جو خدا نے اپنی کتاب مین حلال کی ہی اور وہی چیز حرام کی ہی جو خدا نے حرام کی ہی"

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہی، آپ نے فرمایا

"اے پیغمبرِ خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبرِ خدا کی پھوپی صفیہ! خدا کے ہان کے لیے کچھ کرلو، مین تمھین خدا سے نہین بچا سکتا"

ا صحیح بخاری بعث اسامہ و مناقب زید بن حارثہ، سے یہ اور اس کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ

ا امام شافعی اور ابن سعد جزء الوفات مین بسند حسن مروی ہی لیکن ان روایتون مین مذکور ہی کہ صبح کی نماز کے بعد آپ نے فرمایا، بخاری کے حوالہ سے گزرچکا ہی کہ آپ نے ظہر کی نماز مین شرکت فرمائی تھی، اور اسکے بعد خطبہ دیا تھا، دوسری غلطی مسند اور ابن سعد مین یہ ہی کہ وہ دوشنبہ کی صبح یعنی روز وفات کا واقعہ اسکو بیان کرتے ہین، حالانکہ بروایات صحیحہ ثابت ہی کہ دوشنبہ کو آپ نے صرف پردہ اُٹھا کر جھانکا تھا، نہ باہر تشریف لائے اور نہ نماز مین شرکت فرمائی، اس)

خطبہ سے فارغ ہوکر آپ حجرۂ عائشہ میں واپس تشریف لائے)

آپ کو حضرت فاطمۂ زہرا سے بیحد محبت تھی، (اثنائے علالت میں) انکو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں، حضرت عائشہ نے دریافت کیا تو کہا "پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کرون گا، جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمھیں مجھ سے آکر ملوگی، تو ہنسنے لگی"[1]

یہود و نصاریٰ نے انبیاء کے مزارات اور یادگارون کی تعظیم میں جو افراط کی تھی وہ بت پرستی کی حد تک پہنچگئی تھی، اسلام کا فرض اولین بت پرستی کی رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا، اس لیے حالت مرض میں جو چیز سب سے زیادہ آپ کے پیش نظر تھی یہی تھی، (اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو حبشہ ہو آئی تھیں اسی حالت میں وہان کے عیسائی معبدون[2] کا اور اُنکے مجسّمون اور تصویرون کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا ان لوگون میں جب کوئی نیک آدمی[3] مرجاتا ہی تو اُس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہین، اور اسکا بت بناکر اس میں کھڑا کرتے ہین، قیامت کے روز اللہ عزّ وجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہونگے[4]

عین کرب کی شدت میں جب کہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے حضرت عائشہؓ نے زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُنے،

لعنۃ اللہ علی الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد[5] — یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھون نے اپنے پیغمبرون کی قبرون کو عبادت گاہ بنالیا۔

(۱) صحیح بخاری ذکر وفات، (۲) کوئی رومن کیتھولک گرجا ہوگا جسمین حضرت عیسیٰ حضرت مریم اور ولیون اور شہیدون کے مجسمے اور تصویرین ہوتی ہین،)
(۳) جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہین -)
(۴) صحیح بخاری و صحیح مسلم باب النھی عن بناء المساجد علی القبور) (۵) صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم باب مذکور سابق)

(اسی کرب اور بے چینی مین یاد آیا کہ حضرت عایشہ کے پاس کچھ اشرفیان رکھوائی تھین، دریافت فرمایا کہ عایشہ! وہ اشرفیان کہان ہین؟ محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ مین خیرات کردو[1]

(وفات سے ایک دن[2] پہلے (اتوار کو) لوگون نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارا نہ تھی آپ نے انکار فرمایا، اسی حالت مین غشی طاری ہوگئی، لوگون نے منھ کھولکر پلادی، افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا، تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے، معلوم ہوا جن لوگون نے زبردستی دوا پلائی تھی ان مین حضرت عباس شامل نہ تھے اس لیے وہ اس حکم سے[3] مستثنیٰ رہے، محدثین اس واقعہ کو لکھکر لکھتے ہین کہ یہ بشریت کا اقتضاء تھا، یعنی جس طرح بیمارون مین نازک مزاجی آجاتی ہے آپ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا، لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہین، بلکہ لطف طبع تھا،

مرض مین اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا، حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ نے (صبح کے وقت) پردہ اُٹھا کر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز مین مشغول تھے، دیکھکر مسرت سے ہنس پڑے، لوگون نے آہٹ پاکر خیال کیا کہ آپ باہر آنا چاہتے ہین، زیادتِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہوگئے، اور قریب تھا کہ نمازین ٹوٹ جائین (حضرت ابوبکر نے جو امام تھے، چاہا کہ پیچھے ہٹ جائین) آپ نے اشارہ سے روکا اور حجرۂ شریف مین داخل ہو کر پردے[4] ڈالدیئے صحیح مسلم مین ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے[5]، یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ نے جمال اقدس کی زیارت کی، حضرت انس بن مالک کہتے ہین کہ آپ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ و ابن سعد جزء الوفات بروایت متعدد ہ [2] ابن سعد وفات [3] صحیح بخاری ذکر وفات وصحیح مسلم (التداوی باللدود) [4] صحیح بخاری ذکر وفات، وکتب صحاح، کتاب الصلوٰۃ،
[5] صحیح مسلم کتاب الصلاۃ صفحہ ۱۶۷،)

ں ورق ہے، یعنی سپید ہوگیا تھا،)

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی، اور پھر افاقہ ہوجاتا تھا، حضرت فاطمہ زہرا، یہ دیکھکر بولیں "واکرب اباہ ہائے میرے باپ کی بےچینی"! آپ نے فرمایا "تمھارا باپ آج کے بعد بےچین نہوگا"، حضرت عائشہ فرماتی ہیں آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر دن کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں، یا حیات دنیا کو ترجیح دیں، اس حالت میں اکثر آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے،

مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ان لوگوں کے ساتھ جنپر خدا نے انعام کیا،

اور کبھی یہ فرماتے،

اللھم فی الرفیق الاعلی خداوندا! بڑے رفیق ہیں،

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقتِ الٰہی مطلوب ہے،)

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبدالرحمٰن خدمت اقدس میں آئے، آپ حضرت عائشہ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے، عبدالرحمان کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر

صحیح مسلم باب الصلوٰۃ، حضرت انس بن مالک کی روایت میں جو صحیح مسلم (کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۶۷) میں ہے بیان ہے کہ تین ں کے بعد آپ اسوقت صبح کی نماز کے وقت برآمد ہوئے تھے لیکن جماعت میں شریک نہ ہوسکے اور واپس گئے، امام شافعی ے کتاب الام میں اور ابن سعد نے جزء الوفات میں ابن ابی سبرہ سے روایت کی ہے کہ آپ اس نماز میں شریک جماعت ئے لیکن یہ درحقیقت راوی کا سہو ہے، صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں بتصریح مذکور ہے کہ آپ شریک جماعت نہ ہوسکے، ر واپس گئے۔ راوی کو گذشتہ نماز ظہر کی شرکت کا التباس ہوا۔ تین دن کے بعد سے مراد جمعرات ے روز جس دن آپ نے خطبہ دیا تھا اس کے بعد سے جمعہ سنیچر اور اتوار کے دن ہیں -

جماکر دیکھا، حضرت عایشہ سمجھین کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہین، عبدالرحمان سے مسواک لیکر دانتون سے نرم کی اور خدمت اقدس مین پیش کی، آپ نے بالکل تندرستون کی طرح مسواک کی (اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا، سہ پہر[1] تھی، سینہ مین سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے مین لب مبارک ملے تو لوگون نے یہ الفاظ سنے[2]،

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ — نماز، اور غلام،

پاس پانی کی لگن تھی، اس مین بار بار ہاتھ ڈالتے، اور چہرے پر ملتے، چادر کبھی منھ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے، اتنے مین ہاتھ اُٹھاکر انگلی سے اشارہ کیا، اور تین دفعہ فرمایا

بَلِ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی، — اب اور کوئی نہین، بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے،

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے، آنکھین پھٹ کر چھت سے لگ گئین[3] اور روح پاک عالم قدس مین پہنچگئی،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ صَلٰوۃً کَثِیْرًا کَثِیْرًا

تجہیز و تکفین (تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول کو شروع ہوا، اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے؛

(۱) عقیدت مندون کو یقین نہین آتا تھا کہ حضور نے اس دنیا کو الوداع کہا، چنانچہ حضرت عمر یہ کہتے گا کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی، اُس کا سر اڑا دون گا، لیکن حضرت ابوبکر

(۱) ابن اسحاق نے سیرت مین لکھا ہو کہ وفات دوپہر کو ہوئی، لیکن حضرت انس بن مالک سے بخاری اور مسلم مین روایت ہے کہ آخر یوم یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی۔ حافظ ابن حجر نے دونون روایتون مین اسی طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل چکی تھی اور سہ پہر کا وقت تھا،) (۲) ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۴۳ مصر، سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا و ابن سعد جزء الوفات بسند صحیح) (۳) یہ تمام واقعات صحیح بخاری ذکر وفات کے مختلف ابواب مین مذکور ہین،

آئے، اور انہون نے تمام صحابہ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور کا اس جہان سے تشریف لیجانا یقینی تھا، اور قرآن مجید کی آیتین پڑھکر سنائین تو لوگون کی آنکھین کھلین اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا،

(۲) اس کے بعد اتنا وقت نہین رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہوسکے،

(۳) **قبر کنی** کا کام غسل وکفن کے بعد شروع ہوا، اس لیے دیر تک انتظار کرنا پڑا،

(۴) جس حجرہ مین آپ نے وفات پائی تھی، وہین لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کرکے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے، اس لیے بھی بڑی دیر لگی، اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ملی[1])

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزّہ واقارب نے انجام دی، فضل بن عباس اور اسامۃ بن زید نے پردہ کیا، اور حضرت علیؓ نے غسل دیا، حضرت عباسؓ بھی موقع پر موجود تھے، اور بعض روایتون مین ہے کہ انہی نے پردہ بھی کیا تھا، چونکہ اس شرف مین ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا، اس لیے حضرت علیؓ نے اندر سے کواڑ بند کر لیے تھے، انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے، رسول اللہ صلعم کی خدمت گزاری مین ہمارا بھی حصّہ ہے، حضرت ابوبکرؓ نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم مین کسی کا حق نہین ہے اس لیے اگر سب کو اجازت دیدی گئی تو کام رہ جائے گا لیکن (انصار کے اصرار پر) حضرت علیؓ نے اوس بن خولی انصاری کو جو اصحاب بدر مین تھے اندر بلالیا وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے، حضرت **علی** نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا، حضرت

[1] ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتون مین ہے کہ چہار شنبہ کو تدفین ہوئی لیکن تمام تر کذب اور جھوٹ ہے، خود ابن سعد مین صحیح روایتین یہ ہین کہ سہ شنبہ کو تدفین ہوئی۔ البتہ چہار شنبہ کی شام شروع ہوگئی تھی، ابن ماجہ کی روایت ہے (کتاب الجنائز) فلما فرغوا من جہازہ یوم الثلثاء (جب سہ شنبہ کے دن تجہیز و تکفین سے فرصت ہوئی")

عباس اور ان کے دونون صاحبزادے قثم اور فضل جسم مبارک کی کروٹین بدلتے تھے، اور اسامہ بن زید اوپر سے پانی ڈالتے تھے[1]،

(کفن کے لیے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا، وہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی، لیکن بعد کو اُتاری گئی[2]) اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے کفن مین دیے گئے، ان مین قمیص اور عمامہ نہ تھا[3]،

(غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو دفن کہان کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا، نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہین دفن بھی ہوتا ہے، چنانچہ نعش مبارک اُٹھا کر، اور بستر الٹ کر حجرۂ عائشہ مین اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا[4]، حضرت عائشہ کہتی ہین کہ آپ کو کسی میدان مین اس لیے دفن نہین کیا گیا کہ آخری لمحون مین آپ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرطِ عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالین، میدان مین اسکی دار و گیر مشکل تھی[5]، اِس لیے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا)

مدینہ مین دو صاحب قبر کھودنے مین ماہر تھے، حضرت ابوعبیدہ جراح، اور ابوطلحہ (حضرت ابوعبیدہ اہل مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودتے تھے، اور ابوطلحہ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی)، لوگون مین اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، حضرت عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہین، دونون صاحبون کے پاس آدمی بھیجا جائے[6]، جو پہلے آجائے" لوگون نے اِس راے کو پسند کیا،

---

1. طبقات ابن سعد صفحہ ۶۲ و ۶۳ جز الوفات طبری (مختصراً) ابوداؤد کتاب الجنائز مین بھی ان صاحبون کے نام ہین۔ نیز ابن ماجہ کتاب الجنائز۔)
2. صحیح مسلم صفحہ (۲۰ کتاب الجنائز) 3. صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الجنائز 4. ابن سعد جز الوفات بروایت صحیحہ (و ابن ماجہ کتاب الجنائز ذکر وفات نبوی 5. صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب الوفات 6. ابن ماجہ کتاب الجنائز،

چنانچہ) حضرت عباس نے دونون صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے، اتفاق یہ کہ حضرت ابوعبیدہ گھر پر موجود نہ تھے، ابوطلحہ آئے، اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی جو لحدی تھی، یعنی بغلی تھی، زمین چونکہ نم تھی اِس لیے جس بستر پر آپنے وفات پائی تھی، وہ قبر مین بچھا دیا گیا،

جنازہ طیار ہوگیا تو لوگ نماز کے لیے ٹوٹے (جنازہ حجرہ کے اندر تھا، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کرکے جاتے تھے،) پہلے مردون نے پھر عورتون نے، پھر بچون نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام[1] نہ تھا،

جسم مبارک کو حضرت علی، فضل بن عباس (اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمان بن عوف) نے قبر مین اُتارا[2]،

---

[1] ابن سعد بروایت صحیح جز الوفات

[2] ابوداؤد کتاب الجنائز- ابن ماجہ اور ابن سعد مین اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمان بن عوف کے بجائے قثم بن عباس اور شقران (غلام خاص) کے نام ہین ارباب نظر جانتے ہین کہ ان دو روایتون مین ترجیح کس کو ہوسکتی ہے،

متروکات

(آنحضرت صلعم نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات وجائدادمین سے کیا کیا چیزین ترکہ مین چھوڑین
اِس سوال کا اصل جواب تو یہ ہی کہ آپ خود زندگی مین اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے!
اور اگر کچھ تھا بھی تو اُس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے،

لا نورث ما ترکنا صدقة[1] ہم (انبیا) کا کوئی وارث نہین ہوتا، جو چھوڑو وہ عام مسلمانوں کا حق ہی،

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہین پائینگے"
یعنی نہ ہوگی نہ پائین گے، چنانچہ یاد ہو گا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عایشہ کے پاس امانت تھی،
آپ نے اُسی وقت نکلوا کر خیرات کرا دیے؛

عمرو بن حارث سے جو ام المومنین جویریہ کے بھائی تھے، بخاری مین روایت ہی،

ما ترک رسول الله صلی الله علیه وسلم عند موته درهماً ولا دیناراً ولا عبداً ولا امة ولا شیئاً الا بغلته البیضاء وسلاحه وارضاً جعلها صدقة[2]	آنحضرت صلعم نے وفات کے وقت نہ درہم، نہ دینار، نہ غلام، نہ لونڈی، اور نہ اور کچھ، صرف اپنا سفید خچر، اور ہتیار، اور کچھ زمین جو عام مسلمانون پر صدقہ کر گئے،

ابوداؤد مین حضرت عایشہ کی روایت ہی،

ما ترک رسول الله صلعم دیناراً ولا درهماً	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم

[1] یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابون مین ہے۔ بخاری مین متعدد مقامات مین ہی، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض باب فرض الخمس۔ [2] صحیح بخاری کتاب الوصایا۔

ولابعیراً ولاشاۃ ، نہ اونٹ، نہ بکری،

بہرحال متروکات مین اگر تھین تو یہی تین چیزین تھین، کچھ زمین، سواری کے جانور، اور ہتیار)

زمین (حضرت عمرو بن حارث نے جس زمین کا ذکر کیا ہے، وہ مدینہ، خیبر، اور فدک کے چند باغ تھے، مدینہ کی جائداد سے بنونضیر کی جائداد مراد ہی، یا مخیریق نام ایک یہودی نے ۳؁ھ مین (غزوہ احد کے موقع پر) آنحضرت صلعم کو چند باغ وصیتہً ہبہ کیے تھے، وہ مراد ہین لیکن صحیح روایتون سے ثابت ہی کہ آنحضرت صلعم نے یہ باغ اسی وقت مستحقین کو تقسیم کردیے[1] تھے،

فدک اور خیبر کی نسبت ابتدا ہی سے شیعہ اور اہلسنت مین اختلاف ہی، شیعہ کہتے ہین کہ یہ آپ کی ذاتی جائداد تھی، اور وراثت کے طور پر اہلبیت مین تقسیم ہونی چاہیے تھی، اہلسنت کہتے ہین کہ یہ بطور ولایت اسلامی آپ کے قبضہ مین تھی، اور ذاتی ہو بھی تو آپ نے خود فرما دیا تھا کہ،

"ہمارا جو ترکہ ہو، وہ صدقہ ہے"

اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت مین پیدا ہو چکا تھا، حضرت عباس رض (آپکے چچا) حضرت فاطمہ[2] (صاحبزادی) اور اکثر ازواج[2] مطہرات مدعی تھین کہ اس جائداد کو بطور وراثت تقسیم ہونا چاہیے، حضرت ابوبکر رض، عمر رض، اور دیگر اکابر صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہی، آنحضرت صلعم خود اپنی زندگی مین جس طرح اور جن مصارف مین انکی آمدنی صرف کرتے تھے، اس[3] مین تغیر نہ ہوگا، آنحضرت صلعم نے اپنے زمانہ حیات مین ان تینون جائدادون کی آمدنی مختلف مدون مین متعین کر دی تھی، بنونضیر

(۱؎ بخاری باب فرض الخمس مین ہو صدقتہ بالمدینۃ یہ انھین باغون کے متعلق ہے، تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۴۰ دیکھو نیز صحیح بخاری مین کتاب المغازی ذکر نضیر ۲؎ صحیح بخاری کتاب الفرائض ۔)

(۳؎ یہ مکالمہ بخاری کے متعدد ابواب مین مذکور ہے - دیکھو کتاب الفرائض)

کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی، فدک کی آمدنی مسافرون کے لیے وقف تھی، خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصون مین تقسیم فرماتے تھے، دو حصّے عام مسلمانون کے لیے تھے اور ایک حصّہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا، اِس مین سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت مین کام آتا،[1] آخر مین حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین حضرت علی رضؓ اور حضرت عباس کے اصرار پر مدینہ کی جائداد اُن دونون کی تولیت مین دیدی تھی، لیکن حضرت علی نے اُسپر قبضہ کرلیا تھا، خیبر اور فدک بدستور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ مین رہے،[1])

جانور؛ ارباب سیر نے آپکے اسپ خاصہ اور مویشی اور دواب کی تفصیل اسطرح لکھی ہی جس سے ایک والی ملک کے اصطبل اور دواب خانہ کا دھوکا ہوتا ہی،

طبری نے ان تمام جانورون کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہین، اور اگر وہ قابل اعتبار ہوتے تو حقیقت مین نہایت دلچسپ تھے، لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روایتین ہین، سب بلا استثنار واقدی سے ماخوذ ہین، پچھلے مصنفین جن مین بڑے بڑے محدثین ہین مثلاً یعمری، مغلطائی، حافظ عراقی، وغیرہ نے بھی یہ تفصیل لکھی ہی اور چونکہ یہ مصنفین اکثر سلسلۂ سند نہین لکھتے اس لیے اکثر لوگ ان کے [illegible] ہونے کی بناپر اس واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہین، لیکن جب تفتیش کیجاتی ہی تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تمام روایتون کا سلسلۂ سند واقدی سے آگے نہین بڑھتا،

حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے،

---

[1] سنن ابی داؤد، باب صفایا رسول اللہ صلعم (۲۵) حوالۂ مذکورہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باغ فدک سادات کو دیدیا تھا،)

مَا ترک رَسُول اللہ صلعم دینارا و لا درھما، و لا بعیرا و لا شاۃ، (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ اونٹ نہ بکری،)

صحیح بخاری (باب الجہاد) مین عمرو بن حویرث (ام المومنین جویریہ کے بھائی تھے،) سے روایت ہے،

مَا ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا بغلتہ البیضاء و سلاحہ و ارضا ترکھا صدقۃ، (آنحضرت صلعم نے کچھ نہین چھوڑا، بجز اپنے سفید خچر اور ہتیار اور ایک زمین کے جو وقف عام ہوگئی،)

ان روایتون سے معلوم ہوگا کہ متروکات خاصہ مین صرف ایک جانور تھا، ان صحیح اور مُسَلَّم روایات کے ہوتے آنحضرت صلعم کے اسباب اور دواب کی اتنی بڑی فہرست جو **طبری** وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاجدار سلطنت کے شایان حال ہو، کیونکر تسلیم کیجا سکتی ہے،

احادیث صحیحہ کے استقراء سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہو کہ عمرو بن حویرث کی مختصر فہرست سے زاید چیزین بھی آپکے قبضہ مین آئین لیکن اس سے عمرو کی روایت پر اثر نہین پڑ سکتا، کیونکہ عمرو صرف اسبات کے مدعی ہین کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا، ممکن ہو کہ یہ چیزین وفات سے پہلے آپنے حسب عادت ہبہ یا خیرات کر دی ہون، بہرحال (از روے روایات صحیحہ مختلف اوقات مین) حسب ذیل جانور آپکے دائرۂ ملک مین آئے،

لُحَیف، ایک گھوڑا تھا جو ابی بن عباس کے باغ مین بندھتا تھا، بخاری نے کتاب الجہاد مین اسکا ذکر کیا ہے،

عُفَیر، ایک گدھا تھا حضرت معاذ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے مجکو اپنے ساتھ اس پر بٹھایا تھا،

سے جوڑ دیا گیا تھا، **ذوالفقار** جو حضرت علی کے پاس تھی، ان کے بعد ان کے خاندان مین یادگار
رہی، امام حسین کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسین کے ہاتھ آئی، بعض صحابہ نے آکر ان کی
خدمت مین عرض کی کہ مجھے ڈر ہے کہ کہین یہ یادگار آپ سے چھن نہ جائے، اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان
کے ساتھ رہے، لیکن انھون نے یہ ایثار گوارا نکیا،

حضرت عائشہؓ کے پاس آپکے وہ کپڑے تھے جن مین آپنے انتقال فرمایا تھا[1]، استحقاق خلافت کی
بنا پر خاتم (مُہر) اور عصائے مبارک جنکا احادیث مین ذکر ہی، پہلے حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت
عثمانؓ کے قبضہ مین آئے، لیکن انھین کے عہد مین یہ دونون چیزین ضائع گئین، انگوٹھی تو حضرت عثمان
باب الجہاد، ایک کنوئین مین گرگئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاری[2] نے توڑ ڈالا،
بخاری نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے،)

مین ہی، چنانچہ بخاری کے صلعم کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اپنے دادا، اور چچا کے گھرون مین
صحیح بخاری مین ہی کہ ابن شہاب پہنچے، پچیس سال کی عمر مین حضرت خدیجہؓ سے شادی کی، یہ یقینی طور پر
موقع پر تحفۃً بھیجا تھا[3]، اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر

غزوۂ حنین مین جس سپید خچر پر آپ سوار تھے، وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیۃً بھیجا تھا، ارباب
سیر نے اس خچر کو دلدل سمجھا ہی لیکن یہ غلط ہی، صحیح مسلم مین اسکی تصریح موجود ہی[4]،)

اسلحہ: زہد و قناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے توشہ خانۂ مبارک مین حسب ذیل سامان تھا،
نو عدد تلوارین تھین، جن کے یہ نام ہین، ماثور، عضب، ذوالفقار، قلعی، بتار، حتف، مخذم، قضیب،

(۱ صحیح بخاری ذکر ہجرت ۲ صحیح مسلم وابوداؤد ذکر حجۃ الوداع ۳ کتاب الجہاد باب بغلۃ النبی صلعم ۴ فتح الباری ذکر غزوۂ
حنین جلد ۸ صفحہ ۲۴ ۵ باب غزوۂ حنین۔)

ی ایک

بتلو یہ نہین پتہ لگا

بیچیان تھین، لوہے کا

ین کہ ان مین سے ایک دیباے سبز

بس کا نام عقاب تھا، اور بھی سبز و سپید علم تھے۔

آثار متبرکہ ان متروکات کے علاوہ بعض یادگارین بھی تھین جو لوگون نے تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑی تھین، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے عقیدت مندون کو موئے مبارک عطا فرمائے تھے، جو زیادہ تر حضرت ابوطلحہ انصاری کے ہاتھ آئے تھے[2]، حضرت انس بن مالک کے پاس بھی موئے مبارک تھے[3] ان کے پاس دو چیزین اور تھین، نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ، جو چاندی کے تارون

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع وکتاب الرہن [2] صحیح مسلم حجۃ الوداع [3] صحیح بخاری کتاب الطہارۃ،

سے جوڑ دیا گیا تھا، **ذوالفقار** جو حضرت علی کے پاس تھی، ان کے بعد ان کے خاندان مین یادگار رہی، امام حسین کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسین کے ہاتھ آئی، بعض صحابہ نے آکر ان کی خدمت مین عرض کی کہ مجھے ڈر ہے کہین یہ یادگار آپسے چھن نہ جائے، اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان کے ساتھ رہے، لیکن انھون نے یہ ایثار گوارا نکیا،

حضرت عایشہ رضؓ کے پاس آپکے وہ کپڑے تھے جن مین آپنے انتقال فرمایا[1] تھا، استحقاق خلافت کی بنا پر خاتم (مُہر) اور عصائے مبارک جنکا احادیث مین ذکر ہی، پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان کے قبضہ مین آئے، لیکن انھین کے عہد مین یہ دونون چیزین ضائع گئین، انگوٹھی تو حضرت عثمان کے ہاتھ سے ایک کنوئین مین گر گئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاری[2] نے توڑ ڈالا،

امام بخاری نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے،)

مسکنِ مبارک (آنحضرت صلعم کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اپنے دادا، اور چچا کے گھرون مین پرورش پائی، اور یہین سن رشد کو پہنچے، پچیس سال کی عمر مین حضرت خدیجہ رضؓ سے شادی کی، یہ تیقن طور پر نہین معلوم کہ اس کے بعد آپ نے اپنے موروثی مکان مین اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر رہے، لیکن آپ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ مین موجود تھا، جسپر عقیل نے جو آنحضرت صلعم کے چچازاد اور حضرت علی کے حقیقی بھائی تھے اور اسوقت تک مسلمان نہین ہوئے تھے قبضہ کر لیا تھا، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ تشریف لائے تو لوگون نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کہان قیام

[1] (ان تمام آثار مذکورۂ بالا کا ذکر صحیح بخاری کتاب الخمس مین ہی، [2] خاتم کا ذکر کتاب الخمس کے علاوہ بخاری کتاب اللباس مین ہی، عصائے مبارک کا حال فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۴۸ سے ماخوذ ہے -) س

فرمائین گے؟ کیا اپنے دولتخانہ پر ٹھہرین گے؟ آپ نے فرمایا عقیل نے ہمارے لیے گھر کہاں چھوڑا؟[1]

مدینہ منورہ مین تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت صلعم حضرت ابوایوب انصاری کے گھر قیام فرمارہے، اس اثنا مین آپ تنہا تھے، اہل وعیال مکہ ہی مین تھے، جب آپ نے مسجد نبوی کی نبیاد ڈالی تو اسی کے اطراف مین چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے، اور اُس وقت آپ نے آدمی بھیجکر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا، اور ان ہی حجرون مین اُتارا،[2]

آخر ایام مین آنحضرت صلعم کی نو بیویان تھین، اور الگ الگ حجرون مین رہتی تھین جن مین نہ صحن تھا، نہ دالان تھے، نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے، ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیوارین مٹی کی تھین جو اسقدر کمزور تھین کہ ان مین شگاف پڑگیا تھا، اور ان سے اندر دھوپ آتی تھی، چھت کھجور کی شاخون اور پتیون سے چھائی تھی، بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمل لپیٹ دیئے جاتے تھے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوکر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا، گھر کے دروازون پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا،[3]

آنحضرت صلعم ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرے مین بسر فرماتے تھے، دن کو عموماً اصحاب کی مجلس مین مسجد مین تشریف رکھتے جو گویا ان حجرون کا صحن یا گھر کی مردانہ نشستگاہ تھی

اِن حجرون کے علاوہ ایک بالاخانہ بھی تھا جس کو احادیث مین "مشربہ" کہا گیا ہے، ۹ھ مین جب آپ نے ایلاء کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کے چوٹ کھائی تھی، تو ایک مہینہ اُسی پر اقامت فرمائی تھی،[4]

([1] بخاری فتح مکہ، [2] ابن سعد،)

([3] یہ پوری تفصیل ادب المفرد و بخاری باب التطاول فی البنیان و باب البناء مین ہے،)

([4] ابوداؤد باب امامۃ القاعد،)

اِس بالاخانہ پر سامانِ آرایش کیا تھا، ایک چٹائی کا بستر، چمڑے کا ایک تکیہ جس مین کھجور کی چھ
تھی، اور اِدھر اُدھر چند کھالین لٹکی ہوئی تھین[1]،

کاشانۂ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا، تاہم اس مین رات کو چراغ تک نہین ہوتا تھا[2]، گھر کی دنیاوی اور ظاہری آرایش بھی پسند خاطر نہ تھی، ایک بار حضرت عایشہ نے دیوارون پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھے تو آپ سخت ناراض ہوے اور فرمایا ہمکو اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لیے مال نہین دیا گیا[3] ہے۔

یہ حجرہ ہائے مبارک آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے قبضہ مین رہے، ان مین جب کسی کا انتقال ہوجاتا تو وہ حجرہ اُن کے اعزہ کی ملکیت مین چلا جاتا، جن سے حضرت معاویہ نے اپنے زمانۂ خلافت مین اکثر حجرون کو خرید لیا[4] تھا،

حضرت عمر کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے، حضرت عثمان کے زمانہ مین بعض حجرے توڑ کر مسجد نبوی مین داخل کرلیے گئے، تاہم ولید بن عبد الملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے، ۸۸ھ؁ مین جب حضرت عمر بن عبد العزیز مدینہ کے والی تھے، تمام حجرے بجز حجرۂ عایشہ کے کہ وہ مدفنِ نبوی ہے، توڑ کر مسجدِ نبوی مین ملا دیے گئے، جس دن یہ حجرے ٹوٹے ہین تمام مدینہ مین کہرام مچا ہوا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور یادگار مٹ گئی[5]،

دایہ۔ آنحضرت صلعم کو جو ترکہ والد سے ملا تھا اس مین ایک حبشیہ کنیز بھی تھین جنکا نام ام ایمن تھا، آنحضرت صلعم کی اصلی انّا یا دایہ وہی[6] تھین، آنحضرت صلعم کی وفات تک زندہ رہین، آنحضرت صلعم ہمیشہ انکو مان کہکر

---

(۱) صحیح بخاری صفحہ ۸۷۹ باب ما کان رسول اللہ صلعم یتجوز من اللباس والبسط، (۲) صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۳، باب التطوع خلف المرأۃ، (۳) ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ - کتاب اللباس باب فی الصور (۴) ابن سعد جزء نساء، (۵) ابن سعد جزء ازواج النبی صلعم، (۶) صحیح مسلم باب رد المهاجرین الی الانصار منائحهم -

پکارتے تھے، اور جب انکو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ "اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہین"۔ جب آپنے حضرت خدیجہ سے عقد کیا تو ان کو آزاد کر کے حضرت زید سے جو آپ کے متبنٰی اور محبوب خاص اور حضرت خدیجہ کے غلام تھے، شادی کر دی، اسامہ انہی کے بطن سے ہین،

آنحضرت صلعم کے مزاح کا یہ واقعہ جو کتابون مین منقول ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلعم سے ایک اونٹ مانگا، آپ نے فرمایا مین اونٹ کا بچہ دونگا، بولی کہ بچہ لیکر کیا کرون گی، آپ نے فرمایا کہ "جتنے اونٹ ہین، اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہین"، انہی کا واقعہ ہے،

یہ اکثر غزوات مین شریک رہین، جنگ احد مین پیاسون کو پانی پلاتین اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتین، جنگ خیبر مین بھی شریک تھین[1]،

خدام خاص | صحابہ مین سے بعض عقیدت مند ایسے تھے جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمت اقدس مین حاضر رہتے، اور خاص خاص کام انجام دیتے، انکے نام حسب ذیل ہین۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود، مشہور صحابی ہین، فقہ حنفی کے بانی اوّل گویا وہی ہین، امام ابو حنیفہ کی فقہ کا سلسلہ انہی کی روایات اور استنباطات پر منتہی ہوتا ہے، مکہ معظمہ مین قرآن مجید کی اشاعت آنحضرت صلعم کے ابتدائی زمانہ مین ان ہی نے کی، ستر سورتین خود آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے سنکر یاد کی تھین،

یہ آنحضرت صلعم کے رازدار بھی تھے، اور جب آنحضرت صلعم سفر مین جاتے تو خوابگاہ، وضو اور مسواک کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا، جب آپ مجلس سے اُٹھتے تو جوتیان پہناتے، راہ مین آگے آگے

---

[1] یہ تمام حالات طبقات ابن سعد جزء ثامن، تذکرۂ ام ایمن سے ماخوذ ہین۔

عصا لیکر چلتے، جب آپ کہین کسی مجلس مین جاکر بیٹھتے تو نعلین مبارک اتار کر بغل مین رکھ لیتے پھر اُٹھنے کے وقت سامنے لاکر رکھ دیتے، جلوت و خلوت مین ساتھ رہتے تھے، آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات کا نمونہ بن گئے تھے[1]۔

۲- **حضرت بلال**، دنیا ان کو موذّن کے لقب سے جانتی ہو (یہ حبشی نژاد غلام تھے، مکہ مین ایمان لائے تھے، اور جس جوش و خروش سے ایمان لائے تھے اس کا مختصر ذکر آغاز کتاب مین گزر چکا ہے، حضرت ابوبکر نے انکو خرید کر آزاد کردیا تھا، اسوقت سے برابر آنحضرت صلعم کیخدمت مین رہے،) آپکا خانگی انتظام انہی کے سپرد تھا، بازار سے سودا سلف لانا، قرض دام لینا، پھر ادا کرنا، مہمانون کے کھانے پینے کا انتظام کرنا، یہ تمام باتین ان ہی سے متعلق تھین[2]،

۳- (حضرت انس بن مالک بھی آپکے خادم خاص تھے، آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو وہ نہایت کمسن تھے، انکی مان خدمتِ اقدس مین ان کو لائین، اور عرض کی "یا رسول اللہ یہ میرا بیٹا ہی، لائی ہون کہ خدمت گزاری کرے[3]"

حضرت انسؓ نے دس برس تک آپ کی خدمت کی، لوگون کے پاس آنا جانا، چھوٹے چھوٹے کام کرنا، وضو کا پانی لانا، ان کے فرائض تھے، چونکہ ابھی کمسن تھے، ان سے کام بن نہین آتے تھے، لیکن آپ نے اُن سے کبھی بازپرس[4] نہ فرمائی،)

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد مین ہو (مجملاً صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعود مین بھی یہ مذکور ہی، [2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷ باب قبول ہدایا المشرکین۔ [3] صحیح مسلم فضائل انس، [4] ابوداؤد کتاب الادب،)

شمائل

شکل ولباس وطعام ومذاق طبیعت

حلیۂ اقدس آپ میانہ قد اور موزون اندام تھے، رنگ سفید سرخ تھا، پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے، بینیٔ مبارک درازی مائل تھی، چہرہ ہلکا یعنی بہت پرگوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا، دندانِ مبارک بہت پیوستہ نہ تھے، گردن اونچی، سر بڑا، اور سینہ کشادہ تھا، اور سرخ تھا، سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے تھے، ریش مبارک گھنی تھی، چہرہ کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سیاہ و سرگین اور پلکیں بڑی بڑی تھیں، شانے پرگوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، سینۂ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی، شانوں اور کلائیوں پر بال تھے، ہتھیلیاں پرگوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی، اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں، پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکل جاتا تھا،[۱]

(صحابہ پر آپ کے حسن وخوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا، حضرت عبداللہ بن سلام جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرۂ اقدس پر ان کی نظر پڑی ہے تو بولے "خدا کی قسم یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں"[۲] جابر بن سمرہ ایک صحابی ہیں اُن سے کسی نے پوچھا آپ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا؟ بولے "نہیں ماہ وخورشید کی طرح"[۳] یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا، میں کبھی آپ کو

(۱؎ یہ حلیہ بتفصیل شمائل ترمذی ومسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷ میں اور مختصراً بخاری ومسلم باب صفۃ النبی صلعم میں بھی ہے، ۲؎ ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۴۰۹، ۳؎ مشکوۃ باب صفۃ النبی صلعم بحوالہ مسلم -)

دیکھتا تھا، کبھی چاند کو دیکھتا تھا، تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبرو معلوم ہوتے تھے[۱] حضرت براءؓ صحابی کہتے ہیں، میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس میں آپ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا[۲]

آپ کے پسینہ میں ایک قسم کی خوشبو تھی[۳] چہرۂ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے[۴] جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ کا رنگ نہایت کھلتا تھا، آپ کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا، میں نے دیبا و حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے، اور مشک و عنبر میں بھی آپ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی[۵]

عام طور سے مشہور ہے کہ آپ کے سایہ نہ تھا لیکن اسکی کوئی سند نہیں ہے،)

مُہر نبوت۔ شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی، یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا (صحیح مسلم اور) شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے،

رأیت الخاتم بین کتفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدۃ حمراء مثل بیضۃ الحمامۃ	میں نے آنحضرت صلعم کے دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا،

(لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شانہ کے پاس چند مسوں کی مجموعی ترکیب ایک مستدیر شکل پیدا ہو گئی تھی، اسی کو مُہر نبوت کہتے تھے[۶] تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے

(۱) مشکوٰۃ باب مذکور بحوالہ ترمذی و دارمی (۲) صحیح مسلم باب مذکور (۳) صحیح مسلم باب مذکور (۴) بخاری قصۂ افک) (۵) مشکوٰۃ باب مذکور بحوالہ بخاری و مسلم (۶) صحیح مسلم (باب اثبات النبوۃ) (۷) بعض حیثیت پر جو خاتم نبوت تھی اس میں گویا قدرتی طور پر کلمۂ طیبہ تحریر تھا، یہ بالکل بے سند بات ہے احادیث سے اسکا کوئی ثبوت نہیں، محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ ان میں سے بعض روایتیں باطل اور بعض بہت ہی ضعیف ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں لم یثبت منھا شیئ (زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۱۸۴) البتہ کلمۂ نقرئی خاتم میں منقوش تھا جو انگشت مبارک میں خطوط پر مہر کرنے کی غرض سے آپ پہنا کرتے تھے۔ لوگوں نے غلطی سے اسکو خاتم نبوت کی طرف منسوب کر دیا۔) س

کہ دونون شانون کے درمیان ایک ذرا اُبھرا ہوا گوشت کا حصّہ تھا جس پر تل تھے، اور بال اُگے ہوئے تھے،)

موئے مبارک

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے، فتح مکہ مین لوگون نے دیکھا تو شانون پر چار گیسو پڑے تھے،

مشرکین عرب بالون مین مانگ نکالتے تھے، آنحضرت صلعم چونکہ کفار کے مقابلہ مین اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، ابتدا مین آپ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے رکھتے تھے، پھر مانگ نکالنے لگے، یہ شمائل ترمذی کی روایت ہی، معلوم ہوتا ہی کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو انکی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا، اس لیے اخیر زمانہ مین مانگ نکالنے لگے،

(بالون مین اکثر تیل ڈالتے تھے، اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے، ریش مبارک مین گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے،)

رفتار

رفتار بہت تیز تھی، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اُتر رہے ہین، ضعیف روایتون مین ہے کہ آنحضرت صلعم کے سایہ نہ تھا، یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہین پڑتا تھا، لیکن محدثین کے نزدیک یہ روائتین صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہین،

گفتگو

گفتگو اور خندہ و تبسم | گفتگو نہایت شیرین اور دلآویز تھی، بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سننے والون کو یاد رہ جاتا، معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے، جس بات پر زور دینا ہوتا، بار بار اس کا اعادہ فرماتے، حالت گفتگو مین اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی، آواز بلند تھی، حضرت ام ہانی رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کعبہ مین قرآن پڑھتے

تھے، اور ہملوگ گھرون مین پلنگون پر لیٹے لیٹے سنتے تھے[1]،

حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے، جن کا نام ہند تھا، وہ نہایت خوش تقریر تھے، جس چیز کا بیان کرتے اسکی تصویر کھینچدیتے، حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان سے پوچھا "آنحضرت صلعم کیونکر تقریر فرماتے تھے" انھون نے کہا "آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے، اکثر چپ رہتے، اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا، ہات سے اشارہ کرتے تو پورا ہات اُٹھاتے، کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتیلی کا رُخ پلٹ دیتے، تقریر مین کبھی ہات پر ہات مارتے، بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھین نیچی ہوجاتین"

خندۂ تبسم

ہنستے بہت کم تھے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے، اور یہی آپ کی ہنسی تھی[2]" جریر بن عبد اللہ کا بیان ہی کہ کبھی ایسا نہین ہوا کہ آنحضرت صلعم نے مجکو دیکھا ہو، اور مسکرا نہ دیا ہو، روایتون مین آیا ہی کہ کبھی کبھی جب آپ کو زیادہ ہنسی آتی تو ڈاڑہ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے لیکن ابن القیم وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ طرزِ ادا کا مبالغہ ہے ورنہ کبھی آپ اس زور سے نہین ہنسے کہ نواجذ نظر آئین،

عام لباس

لباس لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا، عام لباس چادر، قمیص، اور تہمد تھی، پاجامہ کبھی استعمال نہین فرمایا، لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہی کہ آپ نے منٰی کے بازار مین پاجامہ خریدا تھا، حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہی کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا،

پاجامہ

موزون کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے آپ نے استعمال فرمائے، بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرمی تھے،

موزہ

عمامہ

عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونون شانون کے بیچ مین پڑا رہتا تھا،

---

[1] ابن ماجہ باب ماجاء فی القراءۃ فی صلوٰۃ اللیل، [2] شمائل ترمذی،

کبھی تحت الحنک کی طور پر لپیٹ لیتے تھے، عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا، عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی، اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہین فرمائی، (عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا، فرماتے

ٹوپی تھے کہ ہم مین اور مشرکین مین یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیون پر عمامہ باندھتے ہین[۱])

چادر لباس مین سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادرین[۲] پسند تھین جنکو عربی مین حبرہ کہتے ہین،

عبا بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہے جسکی آستین اسقدر تنگ تھی کہ جب وضو کرنا چاہا تو چڑھ نہ سکی، اور ہات کو آستین سے نکالنا پڑا، نوشیروانی قبا بھی جسکی جیب اور آستینون پر دیبا کی سنجاف تھی استعمال کی ہے،

کمل جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے کمل جس مین پیوند لگے ہوئے تھے، اور گاڑھے کی ایک تہمد نکالکر دکھائی کہ انہی کپڑون مین آپ نے وفات پائی،

حلۂ حمراء روایتون مین آیا ہے کہ آپ نے حلۂ حمراء بھی استعمال کیا ہے، حمراء کے معنی سرخ کے ہین اسلیے اکثر محدثین نے وہی عام معنی لیے ہین لیکن ابن القیم نے اصرار کے ساتھ دعوی کیا ہے کہ سرخ لباس آپنے کبھی نہین پہنا، اور نہ آپ مردون کے لیے اس کو جائز رکھتے تھے، حلۂ حمراء ایک قسم کی یمنی چادر تھی جس مین سرخ دھاریان بھی ہوتی تھین اس بنا پر اس کو حمراء کہتے تھے، اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے، عام محدثین کہتے ہین کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہین زرقانی مین یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ مختلف روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے سیاہ، سرخ، سبز، زعفرانی ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہین، لیکن سفید رنگ بہت مرغوب[۳] تھا، (بعض اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جسپر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی[۴])، نعلین مبارک اس طرز کے تھے

---

[۱] ابوداؤد کتاب اللباس [۲] صحیح بخاری باب اللباس، [۳] (ابوداؤد کتاب اللباس) مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۲۴۴
([۴] ابوداؤد جلد ۲ کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر)

نعلین

جسکو اس ملک مین چپّل کہتے ہین، یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس مین تسمے لگے ہوتے تھے، بچھونا چمڑے کا گدّا ہوتا تھا، جس مین روئی کے بجاے کھجور کے پتے ہوتے تھے، چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی، جس سے اکثر جسم پر بدھیان پڑجاتی تھین،

انگوٹھی

جب آپ نے نجاشی اور قیصر روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگون نے عرض کی کہ سلاطین مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہین کرتے، اِس بنا پر چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس مین اوپر تلے تین سطرون مین محمدؐ رسول اللہ لکھا ہوا تھا، بعض صحابہ سے روایت ہی کہ آپ صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے، اور دہنے ہات کی انگلی مین پہنتے تھے،

خود و زرہ

لڑائیون مین زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے، احد کے معرکہ مین جسم مبارک پر دو دو زرہین تھین، تلوار کا قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا،

عام غذا

غذا، اور طریقۂ طعام | اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پُرتکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے، یہان تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ مین ہی) تمام عمر آپ نے چپاتی کی صورت تک نہین دیکھی، تاہم بعض کھانے آپ کو نہایت مرغوب تھے، سرکہ، شہد، حلوا، روغن زیتون، کدو خصوصیت کے ساتھ پسند تھے، سالن مین کدو ہوتا تو پیالہ مین اسکی قاشین اُنگلیون سے ڈھونڈھتے، ایک

مرغوب کھانے

دفعہ حضرت ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہی؟ بولین کہ سرکہ ہی، فرمایا کہ جس گھر مین سرکہ ہو اس کو نادار نہین کہہ سکتے، عرب مین ایک کھانا ہوتا ہی جسکو حیس کہتے ہین، یہ گھی مین پنیر اور کھجور ڈالکر پکایا جاتا ہے، آپ کو یہ بہت مرغوب تھا،

ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام، اور عبداللہ بن عباس، سلمٰی کے پاس گئے اور کہا

کہ آج ہمکو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت صلعم کو بہت مرغوب تھا، بولین تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگون نے اصرار کیا تو اُنھون نے جَو کا آٹا پیسکر ہانڈی مین چڑھا دیا، اوپر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچین ڈال دین، پک گیا تو لوگون کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ آپ کی محبوب ترین غذا تھی،

گوشت کے اقسام مین سے آپ نے دنبہ۔ مرغ۔ بٹیر۔ (حباری) اونٹ۔ بکری۔ بھیڑ۔ گورخر۔ خرگوش۔ مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت بہت پسند تھا، شمائل ترمذی مین حضرت عایشہ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہٖ آپکو چندان مرغوب نہ تھا، بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہین ہوتا تھا اس لیے جب کبھی ملجاتا تو آپ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے اسیلیے آپ اسی کی فرمایش کرتے لیکن متعدد روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ یون بھی آپکو یہ گوشت پسند تھا،

حضرت صفیہ کے نکاح مین جب آپ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا تو صرف کھجور اور ستّو تھا، تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، پتلی ککڑیان پسند تھین، ایک دفعہ معوذ بن عفرا کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی ککڑیان خدمت مین پیش کین، (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے)

پانی دودھ شربت

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا، دودھ کبھی خالص نوش فرماتے، کبھی اس مین پانی ملا دیتے، کشمش، کھجور، انگور پانی مین بھگو دیا جاتا، کچھ دیر بعد وہ پانی نوش جان فرماتے، کھانے کے ظروف مین ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تارون سے بندھا ہوا تھا، روایت مین اسی قدر ہے، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہوگا اس لیے تارون سے جوڑ دیا ہوگا،

معمولات طعام

دسترخوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس مین ہاتھ نہ ڈالتے، لیکن اس کو بُرا نہ کہتے، جو سالن سامنے ہوتا اُسی مین ہاتھ ڈالتے، اِدھر اُدھر ہات نہ بڑھاتے، اور اس سے اورون کو بھی

منع فرماتے، کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک کر نہ کھاتے، اور اس کو ناپسند فرماتے، میز یا خوان پر بھی نہ کھایا، خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی عجم اُسی پر کھانا رکھکر کھاتے تھے، چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی، یعنی امراء اور اہل جاہ کے ساتھ مخصوص تھی اس لیے آپ نے اس پر کھانا پسند نہین فرمایا، کھانا صرف تین انگلیون سے کھاتے[1]، گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے، صحیح بخاری مین یہ روایت موجود ہے[2]، ابو داؤد مین ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو، کیونکہ یہ اہل عجم کا شعار ہے، لیکن ابو داؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، اس حدیث کے ایک راوی ابو معشر نجیح ہین جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہین، اور انہی منکرات مین حدیث مذکور بھی ہے[3]،

خوش لباسی

خوش لباسی گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپ کو نفرت تھی لیکن کبھی کبھی نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عباس جب حروریہ کے پاس سفیر ہو کر گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہنکر گئے، حروریہ نے کہا، کیون ابن عباس! یہ کیا لباس ہے؟ بولے کہ تم اس پر معترض ہو، مین نے آنحضرت صلعم کو بہتر سے بہتر کپڑون مین دیکھا ہے[4]،

حضرت عبد اللہ بن عمر نہایت متقشف تھے، ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا، گھر پر آکر دیکھا تو اس مین سرخ دھاریان تھین، جاکر واپس کر آئے، کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماء (حضرت عائشہ کی بہن) سے کہا، اُنھون نے آنحضرت صلعم کا جبہ منگوا کر لوگون کو دکھایا جس کی جیبون اور آستینون اور دامن پر دیبا کی سنجاف[5] تھی،

---

[1] غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی اور زاد المعاد ابن قیم سے ماخوذ ہین [2] کتاب الاطعمہ باب القطع بالسکین [3] قسطلانی شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۵۲ مصر [4] ابو داؤد کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر، [5] ابو داؤد باب الرخصۃ فی العلم وخط الحریر۔

کر آ۔ بعض امراء و سلاطین نے آنحضرت صلعم کو بیش قیمت کپڑے ہدیۃً بھیجے، آپنے قبول فرمایا، اور کبھی کبھی زیب تن کئے،

رنگ

مرغوب رنگ رنگون مین زرد رنگ بہت پسند تھا، حدیثون مین ہے کہ کبھی کبھی آپ تمام کپڑے یہانتک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے[1]، (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا، فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگون مین اچھا ہے،)

نامرغوب رنگ

نامرغوب رنگ سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو سرخ کپڑے پہنکر آئے، تو فرمایا یہ کیا لباس ہے، عبداللہ نے جاکر آگ مین ڈال دیا، آپ نے سنا تو فرمایا کہ جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دیدیا ہوتا[2]،

عرب مین سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے جس کو مغرہ کہتے ہین، اس سے کپڑے رنگا کرتے تھے، یہ رنگ آپ کو نہایت ناپسند تھا، ایک دفعہ حضرت زینبؓ اس سے کپڑے رنگ رہی تھین، آپ گھر مین آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے، حضرت زینبؓ سمجھ گئین، کپڑے دھو ڈالے، آنحضرت صلعم دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہین تب گھر مین قدم رکھا[3]،

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہنکر آیا تو آپ نے اسکے سلام کا جواب نہین دیا، ایک دفعہ صحابہ نے سواری کے اونٹون پر سرخ رنگ کی چادرین ڈال دی تھین، آپنے فرمایا مین یہ دیکھنا نہین چاہتا کہ یہ رنگ تمپر چھا جائے، فوراً صحابہ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادرین اتار کر پھینکدین[4]۔

خوشبو

خوشبو کا استعمال خوشبو آپ کو بہت پسند تھی، کوئی شخص خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے،

---

[1] ابوداؤد باب فی المصبوغ، [2] ابوداؤد باب فی الحمرۃ [3] ابوداؤد۔ [4] یہ تمام روایتین ابوداؤد کتاب اللباس مین ہین

ایک خاص قسم کی خوشبو یا عطر ہوتا ہی جسکو سُکہ کہتے ہین یہ ہمیشہ آپکے استعمال مین رہتا تھا، صحابہ کہتے ہین کہ جس گلی کوچہ سے آپ نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا، اکثر فرمایا کرتے کہ مردون کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے، اور عورتون کی ایسی کہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے[1]

نظافت پسندی | مزاج مین نظافت تھی، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہین ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے[2]۔

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت مین حاضر ہوا، آپنے پوچھا تم کو کچھ مقدور ہے؟ بولا ہان؛ ارشاد ہوا کہ خدا نے نعمت دی ہی تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیے[3]،

عرب تہذیب و تمدن سے کم آشنا تھے، مسجد مین آتے تو عین نماز مین دیوارون پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے، آپ اس کو نہایت ناپسند فرماتے، دیوارون پر تھوک کے دھبون کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے، ایک دفعہ تھوک کا دھبّہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصّہ آیا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، ایک انصاری عورت نے دھبّہ کو مٹایا اور اس جگہ خوشبو لا کر ملی، آپ نہایت خوش ہوئے اور اسکی تحسین[4] کی۔

کبھی کبھی مجلس عالی مین خوشبو کی انگیٹھیان جلائی جاتین جن مین اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا[5]۔

ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ خضاب لگانا کیسا ہی بولین کچھ مضایقہ نہین لیکن مین اس لیے ناپسند کرتی ہون کہ میرے حبیب (رسول اللہ صلعم) کو حنا کی بو ناگوار تھی[6]،

---

[1] شمائل ترمذی، [2] ابو داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی غسل الثوب، [3] ابو داؤد کتاب اللباس [4] نسائی کتاب المساجد [5] نسائی صفحہ ۲۴۹ مطبوعہ نظامی باب البخور، [6] نسائی صفحہ ۹۵۵، باب کراہیۃ ریح الحنا،

اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے،

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہین ہوسکتا کہ بالون کو درست کرلے[1]

ایک دفعہ اُون کی چادر اوڑھی، پسینہ آیا تو اُتار کر رکھدی[2]،

ایک دن لوگ مسجد نبوی مین آئے، چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑون مین چلے آئے تھے، پسینہ آیا تو تمام مسجد مین بوپھیل گئی آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ نہا کر آتے تو اچھا ہوتا[3]، اسی دن سے غسل جمعہ ایک شرعی حکم بنگیا،

مسجد نبوی مین جھاڑو دینے کا التزام تھا، ام محجن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی، ابن ماجہ مین روایت ہی کہ آپ نے حکم دیا کہ مساجد مین بچے اور مجنون نہ جانے پائین، اور خرید و فروخت نہ ہونے پائے، یہ بھی حکم دیا کہ مساجد مین جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیان جلائی جائین

اہل عرب بدویت کے اثر سے نظافت او صفائی کا نام نہین جانتے تھے، اس بنا پر اس خاص باب مین آپ کو نہایت اہتمام کرنا پڑا تھا -

عرب کی عادت تھی (اور آج بھی بدویون مین عموماً پائی جاتی ہے) کہ راستہ مین بول و براز کرتے تھے، آنحضرت صلعم اس کو نہایت ناپسند فرماتے، اور اس سے منع کرتے تھے، احادیث مین کثرت سے روایتین موجود ہین کہ آپ نے ان لوگون پر لعنت کی ہی جو راستہ مین یا درختون کے سایہ مین بول و براز کرتے ہین، امرا، کا دستور ہی کہ کاہلی کیوجہ سے کسی برتن مین پیشاب کر لیا کرتے ہین، اس سے بھی منع فرماتے تھے[4]،

---

[1] ابو داؤد کتاب اللباس، [2] ابو داؤد کتاب اللباس [3] اس مضمون کی متعدد حدیثین بخاری شریف (غسل جمعہ) مین به اختلاف الفاظ و واقعات مذکور ہین - [4] ترغیب و ترہیب کتاب الطہارۃ،

عرب میں پیشاب کے بعد استنجا کرنے یا پیشاب سے کپڑوں کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا، آپ ایک دفعہ راہ میں جا رہے تھے، دو قبریں نظر آئیں، فرمایا کہ ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو پیشاب سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔[1]

ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے، دیواروں پر جا بجا تھوک کے دھبے تھے، آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی، اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبے مٹائے، پھر لوگوں کی طرف خطاب کر کے غصہ کے لہجہ میں فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آ کر تمہارے منہ پر تھوک دے، جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اُس کے داہنی جانب ہوتے ہیں، اس لیے انسان کو سامنے یا داہنی جانب تھوکنا نہیں چاہیے۔[2]

ایک صحابی نے عین نماز میں (جبکہ وہ امام نماز تھے) تھوک دیا، آنحضرت صلعم دیکھ رہے تھے، فرمایا کہ یہ شخص اب نماز نہ پڑھائے، نماز کے بعد یہ صاحب خدمت اقدس میں آئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حکم دیا ہے، فرمایا کہ ہاں تم نے خدا اور پیغمبر کو اذیت دی۔[3]

بودار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن، اور مولی سے سخت نفرت تھی، حکم تھا کہ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں، بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص پیاز لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے، اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے، زمانۂ خلافت میں حضرت عمرؓ نے خطبہ میں کہا کہ تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو حالانکہ میں نے آنحضرت صلعم کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزیں کھا کر مسجد میں آتا تو آپ حکم دیتے کہ مسجد سے نکال کر بقیع پہنچا دیا جائے،[4]

---

[1] صحیح بخاری عذاب القبر، [2] ترغیب و ترہیب، [3] ترغیب و ترہیب باب البصاق فی المسجد، [4] مسلم و نسائی و ابن ماجہ،

سواری

سواری کا شوق گھوڑے کی سواری آپ کو نہایت مرغوب تھی (آپ[1] فرمایا کرتے الخیل معقود فی نواصیھا الخیر، گھوڑون کے علاوہ گدھے، خچر، اونٹ پر آپ نے سواری فرمائی ہی آپ کے خاص سواری کے گھوڑے کا نام لُحیف تھا، گدھے کا نام عفیر اور خچر کا نام دلدل اور ناقہ اور اونٹنیون کا نام قصواء اور عضباء تھا،)

اسپ دوانی

اسپ دوانی مدینہ سے باہر ایک میدان تھا جسکی سرحد حصباء سے ثنیۃ الوداع تک ۶ میل تھی، یہان گھڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی،

گھوڑے جو مشق کے لیے طیار کرائے جاتے تھے ان کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانہ گھانس کھلاتے تھے جب وہ موٹے تازے ہوجاتے تو ان کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر مین باندھکر چارجامہ کستے پسینہ آتا اور خشک ہوتا، روزانہ یہ عمل جاری رہتا، رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھ گیا تھا، خشک ہوکر ہلکا پھلکا، چھریرا بدن نکل آتا، یہ مشق چالیس دن مین ختم ہوتی،

آنحضرت صلعم کی سواری کا ایک گھوڑا تھا جسکا نام سبحہ تھا، ایک دفعہ اس کو آپ نے بازی مین دوڑایا اُس نے بازی جیتی تو آپ کو خاص مسرت[2] ہوئی،

گھڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علی کے سپرد تھا، انھون نے اپنی طرف سے سراقہ بن مالک کو یہ خدمت سپرد کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کئے جنکی تفصیل حسب[3] ذیل ہی،

۱- گھوڑون کی صفین قائم کی جائین اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی،

---

[1] نسائی صفحہ ۷۶ ه باب حب الخیل -

[2] دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۵۵۲ (کتاب السبق بین الخیل مسند احمد اور بیہقی مین بھی یہ واقعہ مذکور ہے،) [3] یہ پوری تفصیل دارقطنی صفحہ ۵۵۳ و ۵۵۴ (کتاب السبق بین الخیل مین ہی لیکن محدثانہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ہے،)

یا بچہ کو ساتھ رکھا یا زین الگ کردینی ہو الگ کرلے،

۲- جب کوئی آواز نہ آئے تو تین دفعہ تکبیرین کہی جائین تیسری تکبیر پر گھوڑے میدان مین ڈال دیے جائین،

۳- گھوڑے کے کان آگے نکل جائین تو سمجھ لیا جائیگا کہ وہ آگے نکل گیا،

حضرت علی خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دو آدمیون کو دونون کنارون پر کھڑا کر دیتے، گھوڑے انہی دونون کے درمیان سے ہو کر نکلتے،

اونٹون کی دوڑ بھی ہوتی، آنحضرت صلعم کی خاص سواری کا ناقہ عضباء ہمیشہ بازی لے جاتا، ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر سوار آیا، اور مسابقت مین عضباء سے آگے نکل گیا، تمام مسلمانون کو سخت صدمہ ہوا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "خدا پر حق ہی کہ دنیا کی جو چیز گردن اُٹھائے اس کو نیچا دکھائے"

رنگون مین صندلی، مشکی اور کمیت بہت پسند تھا[2]، گھوڑون کی دُم کاٹنے سے منع فرمایا کہ مکھی ہانکنے کا مورچھل ہے[3]،

---

۱ (صحیح بخاری ونسائی و دارقطنی ومسند احمد عن انس باب الرہان والسبق)، ۲ نسائی مطبوعہ نظامی صفحہ ۵۶۷ (باب مایستحب من شیتہ الخیل- ۳ کتب سنن کتاب الادب)

معمولات

(ترمذی نے شمائل مین حضرت علی سے روایت کی ہو کہ آنحضرت صلعم نے اپنے اوقات کے تین حصے کردیے تھے، ایک عبادت الٰہی کے لیے، دوسرا عام خلق کے لیے، اور تیسرا اپنی ذات کے لیے

صبح سے شام تک کے معمولات

معمول تھا کہ نماز فجر پڑھکر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے، یہان تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا[1] (اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا، لوگ پاس آآکر بیٹھتے اور آپ اُن کو مواعظ ونصائح تلقین فرماتے[2]،)

(اکثر صحابہ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو، کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے، آپ اسکی تعبیر بیان[3] فرماتے، کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے[4]، اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی، لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، شعر پڑھتے، ہنسی خوشی کی باتین کرتے، آنحضرت صلعم صرف مسکرا دیتے[5]، اکثر اسی وقت مال غنیمت اور وظائف و خراج وغیرہ کی تقسیم فرماتے[6]،

بعض روایتون مین ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے، گھر جاکر گھر کے دھندے مین مشغول رہتے، پھٹے کپڑون کو سیتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، دودھ دوہتے،

نماز عصر پڑھکر ازواج مطہرات مین سے ایک ایک کے پاس جاتے، اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے،

(۱) صحیح مسلم باب تبسمہ صلعم، و ابوداؤد، صفحہ ۱۳۸ (۲) جامع ترمذی (۳) صحیح مسلم کتاب التعبیر (۴) صحیح بخاری کتاب التعبیر (۵) نسائی باب قعود الامام فی مصلاہ (۶) بخاری اور حدیث کی کتابون مین متعدد جزئی واقعات مذکور ہین۔ (۷) صحیح بخاری باب مایکون الرجل فی مہنۃ اہلہ و مسند ابن حنبل و مسند عائشہ رض،

پھر جسکی باری ہوتی، وہین رات بسر فرماتے، تمام ازواج مطہرات وہین جمع ہو جاتین، عشا تک صحبت[1] رہتی، پھر نماز عشا کے لیے مسجد مین تشریف لے جاتے، اور واپس آکر سو رہتے، ازواج رخصت ہو جاتین نماز عشا کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے[2]،

خواب | عام معمول یہ تھا کہ آپ اوّل وقت نماز عشا پڑھکر آرام فرماتے تھے، سوتے وقت التزاماً قرآن مجید کی کوئی سورہ (بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صف، تغابن، جمعہ) پڑھکر سوتے، شمائل ترمذی مین ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے،

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی — خدایا تیرا نام لیکر مرتا ہون اور زندہ رہتا ہون

جاگتے تو فرماتے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ — اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد زندہ کیا،

اِلَیْهِ النُّشُوْرُ — اور اسی کی طرف حشر ہوگا،

آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اُٹھتے، مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی، اُٹھکر پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے، اور عبادت مین مشغول ہوتے، آپ کی سجدہ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی تھی، ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایان ہاتھ رخسارے کے نیچے رکھکر سوتے لیکن جب کبھی سفر مین پچھلے پہر منزل پر اترکر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایان ہاتھ اونچا کر کے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آجائے، نیند مین کسی قدر خرّاٹے کی آواز آتی تھی۔

بچھونے مین کوئی التزام نہ تھا، کبھی معمولی بستر پر، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر، اور کبھی خالی

---

[1] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات [2] بخاری صلوٰۃ العشاء،

زمین پر آرام فرماتے[1]،

عبادت شبانہ | آنحضرت صلعم کی خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عایشہ کے برابر کوئی واقف نہ تھا، ان سے مروی ہے کہ جب سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتین نازل ہوئین تو آپ نے اس قدر نمازین پڑھین کہ پانون پر ورم آگیا، بارہ مہینے تک باقی آیتین رُکی رہین، سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتین اُترین تو قیام لیل جواب تک فرض تھا نفل رہ گیا،

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے، جن مین صرف آٹھوین رکعت مین قعدہ کرتے، پھر ایک اور رکعت پڑھتے، اور اس مین بھی جلسہ کرتے، پھر دو رکعتین اور ادا کرتے، اسطرح ۱۱ رکعتین ہو جاتین لیکن جب عمر زیادہ ہو گئی، اور جسم ذرا بھاری ہو گیا تو سات رکعتین پڑھتے، جن کے بعد دو رکعتین اور ادا کرتے، کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول مین فرق آتا تو دن مین بارہ رکعتین پڑھ لیتے تھے[2]،

ابو داؤد مین حضرت عایشہؓ سے ایک اور روایت ہے اُس کے الفاظ یہ ہین،

عشا کی نماز جماعت سے پڑھکر گھر مین چلے آتے، اور یہان چار رکعتین پڑھکر خواب راحت فرماتے، وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ دی جاتی، سوکر اُٹھتے پہلے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آکر آٹھ رکعتین ادا کرتے،

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہین کہ ایک دن مین اپنی خالہ میمونہ (آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات مین تھین) کے یہان خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھون آپ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہین، زمین پر فرش بچھا ہوا تھا آپ نے اُس پر آرام فرمایا، مین سامنے آڑا سویا، قریباً رات ڈھلے آپ آنکھین

---

[1] یہ پوری تفصیل زرقانی مین حدیث کی متعدد کتابون کے حوالے سے مذکور ہے [2] سنن ابو داؤد باب صلوۃ اللیل۔

ملتے ہوئے اُٹھے آل عمران کی اخیر کی دس آیتین پڑھین، پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی اُس سے وضو کیا، پھر نماز شروع کی، مین بھی وضو کرکے بائین پہلو مین کھڑا ہوگیا، آپ نے ہاتھ پکڑ کر داہنی جانب پھیر دیا، ۱۳ رکعتین پڑھ کر آپ سو رہے، یہان تک سانس کی آواز آنے لگی، صبح ہوتے حضرت بلال نے اذان دی آپ اُٹھے فجر کی سنتین ادا کین، پھر مسجد مین تشریف لے گئے،

معمولاتِ نماز (ابتداء مین آپ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے، لیکن جب یہ گران گزرنے لگا تو صرف پنج وقتہ مسواک رہ گئی، فتح مکہ مین آپ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازین پڑھین[1]، تاہم عادةً آپ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، وضو مین عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے پھر کلی کرتے، اور ناک مین پانی ڈالتے اس کے بعد تین تین بار منہ ہاتھ دھوتے، سر کا مسح کرتے، اور تین بار پاؤن کو دھوتے[2]، بعض اوقات کسی عضو کو تین بار، اور کسی عضو کو دو بار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے[3]،

سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی مین ادا فرماتے، اذانِ صبح ہی کے ساتھ اُٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے یہان تک کہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی یا نہین[4]، لیکن فرض کی دو رکعتون مین عموماً طویل سورتین پڑھتے، حضرت عبداللہ بن سائب سے مروی ہے کہ ایک بار آپ نے مکہ مین نماز فجر مین سورۂ مؤمنین پڑھی اسی طرح کبھی وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ اور کبھی سورۃ قٓ، پڑھتے، صحابہ کا اندازہ ہے کہ آپ صبح کی نماز مین ساٹھ سے لیکر سو آیتون تک پڑھتے تھے،

ظہر و عصر مین اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے تاہم ابتدائی دو رکعتون مین سورۂ فاتحہ

[1] صحیح مسلم و مسند جلد ۵ صفحہ ۲۲۵ [2] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ باب صفۃ الوضوء و کمالہ، [3] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۱۰ باب آخر فی صفۃ الوضوء [4] مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ باب رکعتی سنۃ الفجر والحث علیہا،

کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا، اور وہان اپنا کام کرتا تھا پھر پلٹ کر گھر آتا تھا، اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت مین جاکر شامل ہو جاتا تھا، صحابہ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اوّل دو رکعتون مین آپ اس قدر قیام فرماتے ہین جس مین الٓمٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃ کے برابر سورہ پڑھی جا سکتی ہے، اخیر کی دو رکعتون مین یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی، عصر کی دونون پہلی رکعتون مین ظہر کی آخری رکعتون کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دو رکعتون مین پہلی رکعتون کی نصف مقدار رہ جاتی تھی، حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم ظہر کی پہلی رکعت مین تیس آیتون کے برابر اور دوسری رکعت مین پندرہ آیتون کے یا اس کے نصف کے برابر، اور عصر مین پندرہ آیتون کے برابر پڑھا کرتے تھے، جابر بن سمرہ کہتے ہین کہ ظہر مین آپ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھتے تھے،

مغرب کی نماز مین وَالْمُرْسَلَاتِ اور سورۂ طور پڑھتے تھے،

عشا کی نماز مین وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ اور اسی کے برابر کی سورتین پڑھتے تھے،

تہجّد کی نماز مین بڑی بڑی سورتین پڑھتے تھے، مثلاً سورۂ بقرہ، سورۂ **آل عمران**، سورۂ نسار،

جمعہ کی پہلی رکعت مین سورۂ جمعہ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰاتِ اور دوسری رکعت مین اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ، اور کبھی سبح اسم ربك الاعلٰی اور ھَلْ اَتٰكَ حدیث الغاشیۃ،

عیدین مین بھی دو پچھلی سورتین یعنی سبح اسم ربك الاعلٰی اور ھل اتٰك پڑھتے تھے، اور اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑجاتا تو دونون نمازون مین یہی دونون سورتین پڑھا کرتے تھے،

جمعہ کے دن کی نماز صبح مین الٓمٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃِ اور ھل اتی علی الانسان حین،

---

[1] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷۷ باب القراءۃ فی الظہر والعصر وغیرہما

مِّنَ الدَّهْرِ، پڑھنے کا معمول تھا،[1])

معمولات خطبہ | (وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لیے آپ اکثر خطبۂ دیا کرتے تھے، بالخصوص جمعہ کے لیے تو خطبہ لازمی تھا، جمعہ کے خطبات مین معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے، مسجد مین داخل ہوتے، تو لوگون کو سلام کرتے، پھر منبر پر تشریف لیجاتے، تو لوگون کی طرف رُخ کرکے سلام کرتے، اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کردیتے، پہلے ہاتھ مین ایک عصا ہوتا تھا لیکن جب منبر بنگیا تو ہاتھ مین عصا لینا چھوڑ دیا، خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہی[2]، جمعہ کے خطبہ مین عموماً سورۂ "ق" پڑھتے تھے[3]، اس مین قیامت اور حشر و نشر کا بتفصیل ذکر ہے،

خطبہ ہمیشہ حمد خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے، اگر اثنائے خطبہ مین کوئی کام پیش آجاتا تو منبر سے اترکر اس کو کرلیتے، پھر منبر پر جاکر خطبہ کو پورا فرماتے، ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے، اسی حالت مین ایک آدمی نے آکر کہا "یا رسول اللہ! مین مسافر آدمی ہون اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہون اس کے متعلق پوچھنے آیا ہون" آپ منبر سے اُتر آئے، ایک کرسی رکھدی گئی اسپر بیٹھ گئے اور اس کو تعلیم و تلقین کی، پھر جاکر خطبۂ کو پورا کیا[4]۔ ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے، امام حسین علیہ السلام سُرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد مین آگئے، چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آتے تھے آنحضرت صلعم نے دیکھا تو ضبط نہ ہوسکا، منبر سے اُتر آئے اور گود مین اُٹھالیا اور یہ آیت پڑھی[5] اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ،

خطبہ کی حالت مین لوگون کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، چنانچہ عین خطبہ کی حالت

[1] یہ تمام روایتین صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ کتاب الجمعۃ والعیدین مین مذکور ہین [2] صحیح مسلم [3] ۔ [4] ادب المفرد مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۰ باب الجلوس علی السریر۔

مین ایک شخص مسجد مین آیا، آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی؟ اُس نے کہا نہین" آپ نے فرمایا "اُٹھو اور پڑھو"[1]

میدان جہاد مین جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، بعض لوگون کا خیال ہو کہ آپ ہاتھ مین تلوار لیکر کھڑے ہوتے تھے، لیکن ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے خطبہ کی حالت مین کبھی تلوار ہاتھ مین نہین لی[2]۔

وعظ و ارشاد کے لیے عموماً ناغہ دیکر خطبہ دیا کرتے تھے، "تاکہ لوگ گھبرا نہ جائین[3]"

معمولات سفر (حج، عمرہ، اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، سفر مین معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات پر قرعہ ڈالتے جس کے نام قرعہ پڑتا وہ ہمسفر ہوتین[4] جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے، اور صبح کے تڑکے روانہ ہوجاتے تھے، افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے[5] جب سواری سامنے آتی اور رکاب مین قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے، اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے اس کے بعد یہ آیت پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ[6]،

سب تعریف اُس خدا کی جسنے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنادیا حالانکہ ہم خود اسکو مطیع نہین کرسکتے تھے اور ہم اپنے خدا کیطرف پلٹنے والے ہین

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ باب اذا رای الامام رجلا جاء وہو یخطب امرہ ان یصلی رکعتین [2] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۲۱ فصل فی ہدیہ فی خطبہ [3] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶ باب ما کان النبی صلعم یتخولہم بالموعظۃ [4] بخاری جلد ۲ باب حدیث الافک وکتاب المغازی [5] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای یوم یستحب السفر و باب فی الابکار فی السفر [6] ابوداؤد کی ایک روایت مین ہے کہ سوار ہو جانے کے بعد تین تین بار تکبیر و تحمید کرتے، پھر یہ دعا پڑھتے، سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لایغفر الذنوب الاانت (ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا رکب)

پھر یہ دعا کرتے،

اللھم انا نسألك فی سفرنا ھذا البرّ والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم ھوّن علینا سفرنا واطوِ عنّا بعدہٗ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذبك من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال،

خداوندا! اس سفر مین ہم تجھسے نیکی، پرہیزگاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہین، خداوندا ہمارے اس سفر کو آسان اور اسکی مسافت کو طے کردے، خداوندا سفر مین تو رفیق ہی، بال بچون کے لیے تو ہمارا قائم مقام ہی، خداوندا مین سفر اور واپسی کے آلام، مصائب، اور گھربار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہون،

جب واپس ہوتے تو اس مین اس قدر اور اضافہ کردیتے، آئبونَ، تائبونَ، عابدونَ لربنا حامدونَ، راستے مین جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو ترنم ریز تسبیح ہوتے، صحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہوکر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے، جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے،[1]

یا ارضُ ربّی وربُّكِ اللہ اعوذ باللہ من شرك وشر ما فیك وشر ما خلق فیك وشر ما یدبّ علیك واعوذ بك من اسد واسود ومن الحیۃ والعقرب

اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہی مین تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہی اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہی اور اس چیز کی برائی ہی جو تجھ پر چلتی ہی پناہ مانگتا ہون، خداوند تجھ سے شیر، سانپ، بچھو، اور

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول الرجل اذا سافر،

ومن ساکنی البلد ومن والد وما ولد،[1] اُس گاؤن کے رہنے والون اور آدمیون سے پناہ مانگتا ہون

جب کسی آبادی مین داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللھم رب السماوات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسألک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا واعوذبک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا،[2]

خداوندا! اے ساتون آسمان اور اُن تمام چیزون کے پروردگار جنپر وہ سایہ افگن ہین اے ساتون زمینون اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو انپر موجود ہین اے شیاطین اور اُن تمام نفوس کے پروردگار جنکو وہ گمراہ کرتے ہین اے ہواؤن اور اُن تمام اشیاء کے پروردگار جنکو وہ اڑاتی ہین مین تجھسے اُس گاؤن اور اُس گاؤن کے رہنے والونکی بھلائی کی درخواست کرتا ہون اور اس گاؤن اور اس گاؤن کے رہنے والون کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہون۔

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد مین جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے،[3] پھر مکان کے اندر تشریف لیجاتے، تمام لوگون کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائین، تاکہ عورتین اطمینان کے ساتھ سامان درست کرلین[4])

معمولات جہاد (جہاد مین معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیزگاری اختیار کرنے اور اپنے رفقاء کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے، پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہوکر فرماتے،

اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدًا،

خدا کے نام پر خدا کی راہ مین کفار سے لڑو، خیانت اور بدعہدی نہ کرنا، مردون کے ناک کان نہ کاٹنا، بچون کو قتل نہ کرنا،

---

[1] زاد المعاد فصل فی ہدیہ فی السفر، [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول الرجل اذا نزل المنزل [3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی اعطاء البشیر، [4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الطروق،

اُس کے بعد شرائطِ جہاد کی تلقین کرتے[۱]،

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے،

استودع اللہ دینکم و امانتکم و خواتیم اعمالکم[۲]، — میں تمہارے فرض کو امانت کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو خدا کے حوالے کرتا ہوں،

جب خود شریکِ جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے، صبح ہوجاتی تو حملہ کرتے[۳]، اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے[۴]، جب کوئی مقام فتح ہوجاتا تو اقامت عدل و انصاف کے لیے وہاں تین دن تک قیام فرماتے[۵]، جب فتح و ظفر کی خبر آتی تو سجدۂ شکرانہ بجالاتے[۶]، جب میدان جہاد میں شریک کارزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے،

اللھم انت عَضُدی و نصیری بک احول و بک اصول و بک اقاتل[۷] — خداوندا تو میرا دست و بازو ہے، تو میرا مددگار ہے، تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں، حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں،

معمولات عیادت و عزا (بیماروں کی عیادت و غمخواری آپ ضرور فرماتے تھے اور صحابہ کو ارشاد ہوتا تھا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے[۸]، ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آجاتا تو صحابہ آپ کو اسکی اطلاع دیتے، آپ اس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے، اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے، اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ دم واپسین

---

۱ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامام الامراء علی البعوث و وصیتہ ایاہم بآداب الغزو وغیرہا، ۲ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الدعاء عند الوداع ۳ بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر ۴ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای وقت یستحب اللقاء، ۵ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یقیم عند الظہور علی العدو بارضہم، ۶ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر، ۷ ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایدعی عند اللقاء ۸ صحیح بخاری باب وجوب عیادۃ المریض۔

کے انتظار مین آپ کو اس قدر دیر ہو جاتی کہ آپ کو تکلیف ہونے لگتی، صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب انکا یہ معمول ہوگیا کہ جب کوئی شخص مرچکتا تو آپ کو اسکی موت کی خبر دیتے آپ اس کے مکان پر تشریف لیجاتے اس کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے، ورنہ واپس چلے آتے، لیکن صحابہ کو آخر آپ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی، اس لیے خود جنازہ آپ کے مکان تک لانے لگے، اور یہی عام معمول ہوگیا[1]

عیادت کے لیے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لیجاتے تو اس کو تسکین دیتے پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے[2]، اسکی صحت کے لیے دعا فرماتے[3]، اور کہتے ان شاء اللہ طھور، گر خدا نے چاہا تو خیریت ہے[4]، کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے، ایک بار ایک اعرابی مدینہ مین آکر بیمار پڑگیا آپ اسکی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلمات تسکین ادا فرمائے اس نے کہا تم نے خیریت کہا شدید تپ ہی جو قبر ہی مین مین ملا کر چھوڑے گی، آپ نے فرمایا ہان اب یہی ہو[5]،

معمولات ملاقات | معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کو وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے، کوئی شخص اگر جھک کر آپ کے کان مین کچھ بات کہتا تو اسوقت تک اسکی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منھ نہ ہٹالے، مصافحہ مین بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہات ملاتے تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس مین بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینون سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے[6]،

---

[1] (مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۶۶، [2] صحیح بخاری باب وضع الید علی المریض [3] باب دعاء العائد للمریض، [4] باب عیادت الاعراب) [5] ابوداؤد و ترمذی،

جو شخص حاضر ہونا چاہتا دروازہ پر کھڑے ہو کر پہلے "السلام علیکم" کہتا، پھر پوچھتا کہ کیا مین اندر آسکتا ہون؟ (خود بھی آپ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا تو آپ اس کو واپس کر دیتے، ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آسکتا ہون؟ آپنے فرمایا کہ "جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو" یعنی پہلے سلام کرلے، تب اجازت مانگے،

ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت صلعم کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہات، دودھ، ہرن کا بچہ اور لکڑیان بھیجین، کلدہ یون ہی بے اجازت چلے آئے، آپنے فرمایا کہ "واپس جاؤ اور سلام کرکے اندر آؤ"[1]

ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی، آپ نے پوچھا کون ہی؟ بولے "مین" آپ نے فرمایا "مین، مین" یعنی یہ کیا طریقہ ہی، نام بتانا چاہیے،

جب آپ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے داہین یا بائین جانب کھڑے ہوتے اور السلام علیکم کہکر اذن طلب فرماتے، (راوی کا بیان ہی کہ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازون پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا) اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم سعد بن عبادۃ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلبی کے لیے "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کہا، سعد نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت صلعم نے نہین سُنا، حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے

---

[1] یہ دونون روایتین ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۵۶ مین ہین،

کی اجازت کیون نہین د . . ، حضرت سعد نے کہا چپ رہو، سول اللہ بار بار سلام کرین گے جو ہمارے لیے برکت کا سبب ہوگا، آنحضرت صلعم نے دوبارہ السلام علیکم کہا، اور سعد نے پھر اسی طرح جواب دیا، آنحضرت صلعم نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے، حضرت سعد نے جب آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ مین آپ کا سلام سن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا (کہ آپ بار بار سلام فرما دین[۱]،)

(کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے، ایک بار آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے مکان پر تشریف لے گئے اُنھون نے آپ کے بیٹھنے کے لیے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا، لیکن آپ زمین پر بیٹھ گئے، اور گدا آنحضرت صلعم اور حضرت عبداللہ بن عمر کے درمیان آگیا[۲])

معمولات عامہ (تیمّن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ کو محبوب تھا، جوتا پہلے داہنے پاؤن مین پہنتے، مسجد مین پہلے داہنا پاؤن رکھتے، مجلس مین کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے، اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے،)

---

[۱] (ابوداؤد کتاب الادب، [۲] ادب المفرد صفحہ ۲۱۹)

مجالسِ نبوی

دربارِ نبوّت | شہنشاہِ کونین کا دربار نقیب وچاؤش اور خیل وحشم کا دربار نہ تھا، دروازہ پر دربان بھی نہین ہوتے تھے، تاہم نبوّت کے جلال سے ہر شخص پیکرِ تصویر نظر آتا تھا، حدیثون مین آیا ہی کہ آنحضرت صلعم کی مجلس مین لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سرون پر چڑیان بیٹھی ہوئی ہین یعنی کوئی شخص ذرا جنبش بھی نہین کرتا تھا، گفتگو کی اجازت مین ترتیب کا لحاظ رہتا تھا لیکن یہ امتیازِ مراتب نسب ونام، یا دولت ومال کی بنا پر نہین، بلکہ فضل واستحقاق کی بنا پر ہوتا تھا، سب سے پہلے آپ اہلِ حاجت کی طرف متوجہ ہوتے، اور اُن کے معروضات کو سنکر اُن کی حاجت برآری فرماتے،

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے، خود بھی آپ مودّب ہوکر بیٹھتے، جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سنّاٹا چھا جاتا، کوئی شخص [illegible] چپ نہ ہوجائے دوسرا شخص بول نہین سکتا تھا، اہل حاجت عرضِ مدعا مین ادب کی حد سے بڑھ جاتے تو آپ کمال حلم کے ساتھ برداشت فرماتے،

آپ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے، جو بات ناپسند ہوتی اُس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے، کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہی تو شکریہ قبول فرماتے، مجلس مین جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپ بھی اس مین شامل ہوجاتے، ہنسی اور مہذب ظرافت مین بھی شریک ہوتے، خود بھی مذاقیہ باتین فرماتے، کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آجاتا تو حسب رتبہ اس کی تعظیم فرماتے، اور فرماتے اکرموا کریم کل قوم، مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت

فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہین ہی، یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہین پہنچا سکتے مجکو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو،

ایران مین معمول تھا کہ جب مجلس مین کوئی معزز شخص آجاتا تھا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے، یہ بھی قاعدہ تھا کہ روسا، اور امراء جب دربار جماتے تو لوگ سینون پر ہاتھ رکھکر کھڑے رہتے، آپنے ان باتون سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ "جسکو یہ پسند آتا ہی کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہین، اس کو اپنی جگہ دوزخ مین ڈھونڈھنی چاہیے"[1] البتہ جوش محبت مین آپ کسی کسی کے لیے کھڑے ہو جاتے، چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا جب کبھی آ[تی]ن تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چومتے، حضرت حلیمہ سعدیہ کے لیے بھی آپنے اٹھکر چادر بچھا دی تھی، اسی طرح ایک دفعہ آپ کے رضاعی بھائی آئے تو اُن[کے] لیے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے، اور ا[ن] کو اپنے سامنے بٹھایا،[2]

ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناس[ب] ... [اس] کے دل مین یہ خیال نہین آنے پاتا کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ عزت یاب ہے، جب کوئی شخص کوئی اچھی بات کہتا تو آپ تحسین فرماتے اور نامناسب گفتگو کرتا تو اُسکو مطلع فرما دیتے،[3]

ایک دفعہ دو شخص مجلس اقدس مین حاضر تھے، ان مین ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا، معزز صاحب کو چھینک آئی لیکن اُنھون نے اسلامی شعار کے موافق الحمد للہ نہین کہا، دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی، اُنھون نے الحمد للہ کہا، آنحضرت صلعم نے حسب معمول یرحمک اللہ کہا، معزز صاحب نے شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ اُنھون نے خدا کو یاد کیا تو مین نے بھی کیا، تم نے خدا کو بھلا دیا تو مین نے

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب باب قیام الرجل للرجل [2] ابو داؤد، کتاب الادب برّ الوالدین [3] یہ تمام تفصیل شمائل ترمذی کی دو مفصل روایتون سے ماخوذ ہے جن مین آنحضرت صلعم کے عام اخلاق کا ذکر ہے۔

بھی تم کو بھلا دیا[1]"

صحابہ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپ تک نہ پہنچائین، آپ فرماتے تھے کہ "مین چاہتا ہون کہ دنیا سے جاؤن تو سب کی طرف سے صاف جاؤن[2]"۔

مجالس ارشاد (آنحضرت[3] صلعم کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، جلوت، خلوت نشست، برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا، تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے، اِس بنا پر آپ نے تعلیم و ارشاد کے لیے بعض اوقات خاص کر دیے تھے، کہ لوگ پہلے سے مطلع رہین اور جنکو استفادہ منظور ہو، وہ آسکین،

یہ صحبتین عمومًا مسجد نبوی مین منعقد ہوتی تھین، مسجد نبوی مین ایک چھوٹا سا صحن تھا، کبھی آپ وہان نشست فرماتے، ابتداءً آنحضرت صلعم کی نشست کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی، باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپ کے پہچاننے مین دقت ہوتی، صحابہ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا، آپ اس پر تشریف رکھتے، باقی دونون طرف صحابہ حلقہ باندھکر بیٹھ جاتے[4]،)

آدابِ مجلس (ان مجالس مین آنے والون کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی، عمومًا بدّو اپنے اُسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے،

خلق نبوی کا منظر ان مجالس مین زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہو آپ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہین صحابہ عقیدت کیش غلامون کی طرح خدمت اقدس مین حاضر ہین، ایک شخص آتا ہو اور اُس کو آنحضرت صلعم مین، اور حاشیہ نشینون مین کوئی ظاہری امتیاز نظر نہین آتا، لوگون سے

---

[1] ادب المفرد امام بخاری [2] ابو داؤد کتاب الادب، [3] اضافہ تا صفحہ ۲۳۲ [4] ابو داؤد باب القدر۔

پوچھتا ہی "محمد کون ہے"؟ صحابہ بتاتے ہین کہ "یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہین" وہ کہتا ہی "اے ابن عبد المطلب! مین تم سے نہایت سختی سے سوال کرون گا، خفا نہ ہونا" آپ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہین[1]،

بااین ہمہ سادگی و تواضع، یہ مجالس رعب و وقار اور آداب نبوّت کے اثر سے لبریز ہوتی تھین، آنحضرت صلعم کی تعلیمات و تلقینات کا دائرہ، اخلاق، مذہب، اور تزکیۂ نفوس تک محدود تھا، اس کے علاوہ اور باتین منصب نبوت سے خارج تھین لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتین پوچھتے تھے، مثلاً یارسول اللہ میرے باپ کا نام کیا ہی؟ میرا اونٹ کھو گیا ہی وہ کہان ہی؟ آپ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے،

ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کئے گئے تو آپ نے برہم ہو کر فرمایا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو، مین سب کا جواب دونگا" حضرت عمر نے آپ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا رضینا[2]

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہین کرتا تھا، ایک شخص نے اسطرح سوال کیا تو آپ نے اسکی طرف تعجب سے دیکھا، اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا، بعض اوقات آپ گفتگو کرتے ہوتے، کوئی صحرانشین بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعۃً آجاتا، اور عین سلسلۂ تقریر مین کوئی بات پوچھ بیٹھتا، آپ سلسلۂ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اسکی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے، ایک دفعہ آپ تقریر فرما رہے تھے، ایک بدو آیا اور آتے کے ساتھ اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ تقریر کرتے رہے، حاضرین سمجھے کہ آپ نے نہین سنا، کسی کسی نے کہا

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵ کتاب الایمان، [2] بخاری کتاب العلم۔

"سنا" لیکن آپ کو ناگوار ہوا، آپ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا کہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ بدو نے کہا "میں یہ حاضر ہوں" آپ نے فرمایا جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے بولا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی؟ فرمایا جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا[1]"

اوقات مجلس (اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا، نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے اور فیوض روحانی کا چشمہ جاری ہو جاتا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی، چنانچہ کعب بن مالک پر جب غزوہ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ انہی مجالس میں آکر آنحضرت صلعم کی خوشنودی مزاج کا پتہ لگاتے، خود ان کے الفاظ یہ ہیں،

وآتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسلم	میں رسول اللہ کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا تھا اور آپ بعد
علیہ وھو فی مجلسہ بعد الصلوۃ فاقول فی	نماز کے اپنی مجلس میں ہوتے تھے تو میں اپنے جی میں کہتا تھا
نفسی ھل حرک شفتیہ برد السلام ام لا[2]،	کہ آپ نے جواب سلام میں اپنے لب ہلائے یا نہیں۔

صبح کی مجلسوں میں کبھی کبھی آپ وعظ فرماتے، ترمذی اور ابوداؤد میں عرباض بن ساریہ سے روایت ہے،

وعظنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز کے
بعد صلوۃ الغداۃ موعظۃ بلیغۃ ذرفت	بعد ایک بلیغ وعظ کہا جس سے آنکھیں اشک ریز ہوگئیں
منھا العیون ووجلت منھا القلوب[3]،	اور دل کانپ اٹھے،

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی اس میں وعظ و نصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی،

[1] صحیح بخاری کتاب العلم صفحہ ۱۴، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۵ حدیث کعب بن مالک [3] ترمذی صفحہ ۴۴۰،

لیکن ان اوقات کے علاوہ آپ خاص طور پر حقائق و معارف کے اظہار کے لیے مجالس منعقد فرماتے تھے یہی مجالس ہین جنکی نسبت احادیث مین یہ الفاظ آئے ہین،

کان یوما بارزا للناس[1] — آنحضرت صلعم ایک دن عام طور پر لوگون کے لیے باہر نکلے تھے

چونکہ افادۂ عام ہوتا تھا اس لیے آپ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے اس بنا پر جو لوگ ان مجالس مین آکر واپس چلے جاتے ان پر آپ نہایت ناراض ہوتے تھے، آپ ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ مسجد مین بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے ایک صاحب نے حلقہ مین تھوڑی سی جگہ خالی پائی وہین بیٹھ گئے، دوسرے صاحب کو درمیان مین موقع نہین ملا، اس لیے سب کے پیچھے بیٹھے، لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے، آنحضرت صلعم جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ان مین سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے اس کو بھی پناہ دی، ایک نے حیا کی، خدا بھی اس سے شرمایا، ایک نے خدا سے منھ پھیرا خدا نے اس سے بھی منھ پھیر لیا،[2]

پند و نصائح کتنے ہی موثر طریقہ سے بیان کیے جائین لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہین، اس بنا پر آنحضرت صلعم وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دیکر منعقد فرماتے تھے، بخاری مین ابن مسعود سے روایت ہے

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بالموعظة فی الایام کراھة السآمة علینا، — آنحضرت صلعم ہم لوگون کو ناغہ دیکر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائین،

عورتون کے لیے مخصوص مجلس | ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردون تک محدود تھا، اور عورتون کو موقع

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲، [2] بخاری جلد ا صفحہ ۲ کتاب العلم

کم ملتا تھا، اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جائے، آنحضرت صلعم نے یہ درخواست منظور کی اور اُن کے وعظ و ارشاد کے لیے ایک خاص دن مقرر ہوگیا[1]،

اگرچہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی، اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھین جو خاص پردہ نشینون سے تعلق رکھتے ہین، تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام مین سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرطِ حیا سے آپ کو ناگوار ہوتا،

اس قسم کی پردے کی بات مرد بھی مجمع عام مین پوچھتے تو آپ کو تکدر ہوتا، ایک دفعہ ایک انصاری نے (جنکا نام عاصم تھا) مجلسِ عام مین پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلعم کو ناگوار ہوا، اور آپ نے ان کو ملامت[2] کی،

طریقۂ ارشاد (کبھی کبھی آپ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے، اس سے لوگون کی جودتِ فکر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوتا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ نے پوچھا" وہ کونسا درخت ہے جسکے پتے جھڑتے نہین، اور جو مسلمانون سے مشابہت رکھتا ہے" لوگون کا خیال جنگلی درختون کی طرف گیا، میرے ذہن مین آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا، لیکن مین کمسن تھا، اس لیے جرأت نہ کرسکا بالآخر لوگون نے عرض کی کہ حضور بتائین، ارشاد فرمایا "کھجور" عبداللہ بن عمرؓ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش مین نے جرأت کرکے اپنا خیال ظاہر کردیا[3] ہوتا،

ایک روز آپ مسجد مین تشریف لائے، صحابہ کے دو حلقے قائم تھے، ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا مین مشغول تھا، اور دوسرے حلقہ مین علمی باتین ہو رہی تھین، آپ نے فرمایا دونون عمل خیر کر رہے ہین

[1] بخاری کتاب العلم [2] ایضاً [3] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۱ باب فضل العلماء۔

لیکن خدا نے مجکو صرف معلم بناکر مبعوث کیا ہی، یہ کہکر علمی حلقہ مین بیٹھ گئے،[1]

ان مجالس مین دقیق مباحث کو جنکی تہ تک عوام نہین پہنچ سکتے، ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک روز صحابہ کی مجلس مین مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہورہی تھی، آپ نے سنا تو حجرے سے نکل آئے، آپ کا چہرہ اس قدر سرخ ہوگیا تھا، گویا عارض مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیے ہین، آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کیا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو؟ قرآن کو باہم ٹکرا رہے ہو، گذشتہ امتین انہی باتون سے برباد ہوئی ہین[2]

ان مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہ جن مسائل مین باہم اختلاف کرتے آنحضرت صلعم ان کا صحیح فیصلہ کردیتے، مثلاً شہرت طلبی اور جاہ پرستی خلوص عمل کے منافی سمجھی جاتی ہی اور خود صحابہ کے زمانہ مین بھی سمجھی جاتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلعم کی مجلس مین دو شخصون نے اس مسئلہ مین گفتگو کی، ایک نے کہا اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا، اور ایک شخص نے فخریہ یہ کہکے نیزہ مارا کہ "میرا وار لیتا مین غفاری جوان ہون" تو اس مین تمھاری کیا رائے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا میری رائے مین کچھ ثواب نہ ملیگا، تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سنکر کہا میرے نزدیک اس مین کوئی حرج نہین، اس پر دونون مین اختلاف ہوا، آنحضرت صلعم نے انکی گفتگو سنی تو فرمایا، ثواب اور شہرت دونون مین کوئی مخالفت نہین[3]،

عام خیال یہ تھا کہ قوائے عملیہ کے بیکار کردینے کا نام تقدیر ہی، تقدیر مین جو کچھ لکھا ہوگا اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہین سکتی، لیکن آنحضرت صلعم نے ایک مجلس مین جو اتفاقاً منعقد ہوگئی تھی اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ اعمال تو خود تقدیر ہین، انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہی وہی اس کا نوشتۂ تقدیر ہین اس لیے توکل قوت عمل کے بیکار کردینے کا نام نہین، چنانچہ صحابہ ایک جنازہ مین شریک تھے آنحضرت صلعم

---

[1] سنن ابن ماجہ، صفحہ ۹ باب القدر - [2] ایضاً [3] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۳،

تشریف لائے اور صحابہ جمع ہوگئے آپ کے ہاتھ مین ایک چھڑی تھی، اس سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا تم مین کوئی ایسا نہین ہے جسکی جگہ جنت یا دوزخ مین لکھی نہ جاچکی ہو، ایک شخص نے کہا تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کرکے عمل کیون نہ چھوڑ دین، جو شخص سعادت مند ہوگا وہ خود بخود سعادت مندون مین داخل ہوجائیگا اور جو شخص بدبخت ہوگا وہ بدبختون سے ملجائے گا، آپ نے فرمایا سعادت مند وہ لوگ ہین جنکو سعادت مندون کے عمل کی توفیق دیجاتی ہے اور بدبخت وہ ہین جن کے لیے شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہوجاتے ہین[1]۔

مجالس مین شگفتہ مزاجی (باوجود اسکے) کہ ان مجالس مین صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق اور تزکیہ نفوس کی باتین ہوتی تھین، اور صحابہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین اس طرح بیٹھتے تھے کأنّ الطّیر فوق رؤسھم تاہم مجلسین شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھین، ایک دن آپ نے ایک مجلس مین بیان فرمایا کہ جنت مین خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی، خدا نے کہا کیا تمہاری خواہش پوری نہین ہوئی ہے؟ اسنے کہا ہان، لیکن مین چاہتا ہون کہ فوراً بوؤن اور ساتھ ہی طیار ہوجائے، چنانچہ اس نے بیج ڈالے، فوراً دانہ اگا بڑھا، اور کاٹنے کے قابل ہوگیا، ایک بدّو بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی جو زراعت پیشہ ہین لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہین، آپ ہنس پڑے[2]،

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مین تباہ ہوگیا، ارشاد ہوا کیون، بولے مین نے رمضان مین بیوی سے ہمبستری کی، آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو، بولے غریب ہون غلام کہان سے لاؤن، ارشاد ہوا دو مہینے کے روزے رکھو، بولے یہ مجھ سے ہو نہین سکتا

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۴، تفسیر وکذّب بالحسنیٰ، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۱ باب کلام الرب مع اہل الجنۃ۔

فرمایا ساٹھ مسکینون کو کھانا کھلاؤ، بولے اتنا مقدور نہین، اتفاق سے کہین سے زنبیل بھر کر کھجورین آگئین آپ نے فرمایا لو غریبون کو خیرات کر آؤ، عرض کی اُس خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنایا، سارے مدینہ مین مجھ سے بڑھکر کوئی غریب نہین، آپ بیساختہ ہنس پڑے، اور فرمایا اچھا تم خود ہی کھاؤ[1]۔

فیض صحبت (ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ نے عرض کی کہ ہم جب خدمتِ اقدس مین حاضر ہوتے ہین تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے، لیکن جب گھر مین بال بچون مین بیٹھتے ہین تو حالت بدل جاتی ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمھاری زیارت کو آتے[2]۔

ایک دفعہ حضرت حنظلہ خدمتِ اقدس مین آئے اور کہا یا رسول اللہ! مین منافق ہوگیا، مین جب خدمت اقدس مین حاضر ہوتا ہون اور آپ دوزخ وجنت کا ذکر فرماتے ہین تو یہ چیزین آنکھون کے سامنے آجاتی ہین لیکن بال بچون مین آکر سب بھول جاتا ہون، ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکلکر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے[3]۔

---

[1] بخاری صفحہ ۸۰۸، باب نفقۃ المعسر علی اہلہ۔ [2] ترمذی شریف باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ ونعیمہا، امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث قوی نہین۔ [3] ترمذی ابواب الزہد۔

خطابت نبوی

(خطابت[1] اور تقریر، نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے، اسی بنا پر جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تو ان کو یہ دعا مانگنی پڑی،

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ، خداوندا میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں

لیکن سید الانبیاء کو خود بارگاہِ الٰہی سے یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا، چنانچہ آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا،

انا افصح العرب — مین فصیح ترین عرب ہون،

بُعِثْتُ بِجَوامِعِ الْكَلِمِ ، — مین کلمات جامعہ لیکر مبعوث ہوا ہون،

عرب مین اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا، تاہم تمام عرب مین دو قبیلہ اس وصف مین نمایان امتیاز رکھتے تھے، قریش اور بنو ہوازن، قریش خود آنحضرت صلعم کا قبیلہ تھا، اور بنو ہوازن کے قبیلہ مین آپ نے پرورش پائی تھی، اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا ہے،

انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر[2] — مین تم مین فصیح تر ہون، قریشی ہون، اور میری زبان بنو سعد[3] کی زبان ہے،

طرزِ بیان (آنحضرت صلعم نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے، آپ جب اپنے حجرے سے خطبہ دینے کے لیے نکلتے تھے تو سلاطین کی طرح نہ آپ کے ساتھ چاوش ہوتے تھے، نہ آپ خطبا کا لباس پہنتے تھے،

---

[1] اضافہ تا ختم باب، [2] طبقات ابن سعد جلد اصفحہ ۷۱، [3] بنو سعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے،

ہاتھ مین صرف ایک عصا ہوتا تھا، اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے[1]، ابن ماجہ مین ہے کہ مسجد مین جب خطبہ دیتے تو دست مبارک مین عصا ہوتا تھا اور میدان جنگ مین خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے،

جمعہ اور عید کا خطبہ تو متعین تھا، لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، جب ضرورت پیش آتی آپ فی البدیہہ خطبہ کے لیے تیار ہو جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے زمین پر، منبر پر، اونٹ پر، جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ہے خطبہ دیا ہے، ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا تاہم آپ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے،

عام نصائح اور پند کی باتین گو آپ اخباری فقرون مین بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر موثر بنانا ہوتا تھا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت مین شروع فرماتے تھے، غزوۂ حنین مین آپ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اوّل سے آخر تک سوال و جواب ہے، خطبۂ حجۃ الوداع وغیرہ اور تمام خطبات مین جیسا کہ آگے آتا ہے یہ خصوصیت نمایان ہے، جوش بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھین سُرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی غصہ بڑھ جاتا تھا، انگلیان اُٹھتی جاتی تھین گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی فوج کو جنگ کے لیے اُبھار رہے ہین[2]، جوش بیان مین جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا[3]، ہاتون کو حرکت دینے سے پٹھون کے چٹخنے کی آواز آتی تھی[4]، کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے، کبھی کھول دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس قسم کی پُرجوش حالت کی نہایت صحیح تصویر ان الفاظ مین کھینچی ہے،

[1] ابوداؤد جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ ابواب الجمعۃ والخطبۃ علی قوس۔ [2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ صفحہ ۳۱۹ جلد اوّل [3] ابن ماجہ ذکر البعث۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۰۲۔

سمعت رسول اللہ صلعم على المنبر يقول يأخذ الجبار سمٰوٰته وارضه بيده وقبض يده فجعل يقبضها ويبسطها...... قال ويتمائل رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم عن يمينه وعن شماله حتى نظرت الى المنبر يتحرك من اسفل شئ منه حتى انى لاقول اساقط هو برسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم، (ابن ماجہ ذکر البعث)	آنحضرت کو منبر پر خطبہ دیتے سنا، فرما رہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ مین لے لیگا۔ یہ بیان کرتے ہوئے آپ مٹھی بند کرلیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے .... آپ کا جسم مبارک کبھی دائین کبھی بائین جھکتا جاتا تھا، یہان تک کہ مین نے منبر کو دیکھا تو اس کا سب سے نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ مین نے خیال کیا کہ آپ کو لے کر گر تو نہ پڑے گا۔

آنحضرت کے خطبات کی نوعیت احادیث کی کتابون مین آنحضرت صلعم کے خطبات اور اُن کے جستہ جستہ فقرے بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کردیے گئے ہین، لیکن آنحضرت صلعم کی مختلف حیثیتین تھین، اور اس کا اثر آپ کے طرز بیان پر پڑتا تھا، آپ داعی مذہب تھے، فاتح تھے، واعظ تھے، امیر الجیش تھے، قاضی تھے، پیغمبر تھے، اس اختلاف حیثیت نے آپ کے خطابت اور زور بیان مین نہایت اختلاف پیدا کردیا ہے اور بلاغت کا اقتضا بھی یہی ہے، آپ بحیثیت داعی مذہب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اس مین نہایت زور اور جوش پیدا ہوجاتا تھا، اور اسوقت آپ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی، چنانچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی،

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ — اپنے اعزہ کو ڈراؤ،

آپ نے تمام قریش کو جمع کرکے ایک خطبہ دینا چاہا، ابولہب کی شقاوت نے اگرچہ اس خطبہ کو

پورا نہین ہونے دیا تاہم آپ کی زبان سے اس موقع پر جو چند جملے نکل گئے اُس سے آپ کے زور بیان کا اندازہ ہوسکتا ہی۔ آپ نے صفا پر چڑھکر پہلے پکارا "یا صباحاہ" یہ وہ لفظ ہی جو عرب مین اُسوقت بولا جاتا ہی جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر دفعۃً غارتگری کے لیے ٹوٹ پڑتا ہی، تمام لوگ یہ لفظ سنکر چونک اُٹھے اور آپ کے گرد جمع ہوگئے، آپ نے فرمایا،

ارأیتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من سفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی، — بتاؤ اگر مین تمھین یہ خبر دون کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہی تو کیا تم میری تصدیق کروگے"

سبنے جواب دیا، اب تک آپ کی نسبت ہمکو کسی قسم کی دروغگوئی کا تجربہ نہین ہوا ہی، جب آپنے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا،

اِنِّی نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ، — مین تمہین ایک ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہون جو تمھارے سامنے ہے،

ابولہب نے نہایت استخفاف کے ساتھ کہا، کیا ہم سبھون کو اِسی لیے جمع کیا تھا یہ کہکر چل کھڑا ہوا[1]،

غزوۂ حنین مین آپ نے تمام مال غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دیدیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند نوجوانون کو یہ نہایت ناگوار ہوا، اور انھون نے کہا " خدا پیغمبر کی مغفرت کرے، قریش کو دیتا ہی اور ہم کو چھوڑدیتا ہی حالانکہ ہماری تلوارون سے خون ٹپک رہا ہی، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ مین جمع کرکے اصل حقیقت دریافت فرمائی، لوگون نے کہا " چند نوجوانون نے یہ کہاہے، لیکن ہم مین جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہین، انھون نے ایک لفظ بھی نہین کہا" اب آپ نے اِس موقع پر کھڑے ہوکر

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ تفسیر سورۂ تبّت،

ایک خطبہ دیا،

یا معشر الانصار الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی و عالۃً فاغناکم اللہ بی،

اے گروہ انصار کیا میں نے تمکو گمراہ نہین پایا، پس خدا نے میری وجہ سے تمہین ہدایت دی. تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تمکو مجتمع کردیا، تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تمکو غنی کردیا،

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے "خدا اور اس کا رسول بہت امین ہے" آپ نے فرمایا "یہ کیون نہین کہتے کہ اے محمدؐ! تم اس حالت مین آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے ہمنے تمہاری تصدیق کی، تمہارا کوئی مددگار نہ تھا ہمنے تمہاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہمنے تمکو گھر دیا، تم محتاج تھے ہمنے تمہاری غمخواری کی"

اس کے بعد آپ نے اصل اعتراض کا جواب دیا،

الا ترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر وتذھبون بالنبی الی رحالکم فو اللہ لما تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون،

کیا تم یہ نہین پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریان لیکے جائین اور تم اپنے گھرون مین خود پیغمبر کو لیکر جاؤ، خدا کی قسم تم لوگ جو لیکر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جسکو تمام لوگ لیکر جاتے ہین۔

اس پر تمام انصار پکار اُٹھے "رضینا" یعنی ہم سب راضی ہین[1]،

اس خطبہ کے وجوہِ بلاغت پر اگر غور کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ طیار ہو سکتا ہے،

فاتحانہ حیثیت سے آپ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے احادیث کی کتابون مین مذکور ہین، مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا، حرم ایک دار الامان تھا جس مین کبھی خونریزی نہین ہوسکتی تھی، فتح مکہ مین سب سے پہلے اس کے دامنِ عظمت پر خون کا دھبہ لگایا گیا،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین۔

اور چونکہ مذہب کے ہاتھ سے لگایا گیا تھا، اس لیے خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس کا یہ احترام نہ مٹ جائے، آنحضرت صلعم کو انہی دونون پہلوؤن پر اپنی تقریر مین زور دینا تھا، چنانچہ آپ نے بہ ترتیب اِن ہی کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

ان اللہ حرم مکۃ یوم خلق السموات والارض	خدا نے جسدن آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اُسی دن مکہ کو حرام کر دیا
فھی حرام بحرام اللہ الی یوم القیمۃ لم	پس وہ بحرمت خدا حرام ہی، وہ میرے پہلے نہ کسی پر حلال
تحل لاحد قبلی ولا تحل لاحد بعدی	ہوا، اور نہ میرے بعد حلال ہوگا اور میرے لیے بھی بجز چند گھنٹون
ولم تحلل لی قط الا ساعۃ من الدھر لا ینفر	کے ہرگز حلال نہین ہوا، نہ اس کے شکار دن کو بدکایا جاسکتا،
صیدھا ولا یعضد شوکھا ولا یختلی	نہ اس کا کانٹا کاٹا جاسکتا، نہ اسکی گھاس کاٹی جاسکتی، نہ اسکی
خلاھا ولا تحل لقطتھا الا لمنشد،	گم شدہ چیز حلال ہوسکتی، بجز اس شخص کے جو اس کو ڈھونڈھ رہا ہی

آنحضرت صلعم کا سب سے اہم بالشان خطبہ وہ ہی جو آپ نے حجۃ الوداع مین دیا تھا، یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہی جسکو قدرۃً خشک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے، تاہم سلاست، روانی، اور شستگیِ الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبون سے کم نہین، آپ نے حمد و نعت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی،

ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم	لوگو! سنو! کیونکہ شاید مین اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ
بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا	مین اس شہر مین تم سے نہ مل سکون۔

سادہ سا جملہ یہ تھا کہ "غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہی" لیکن اس تفصیل اور اس پیرایہ بیان نے اس مفہوم کو اور بھی زوردار بنا دیا ہی، آپ نے فرمایا کہ مسلمانون کی عزت آبرو، جان مال، سب مسلمانون پر حرام ہے، اس مطلب کو اس بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہی،

اتدرون ای یوم ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فان ھذا یوم حرام اتدرون ای بلد ھذا، قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ای شھر ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شھر حرام،

کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟ لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپ نے فرمایا یہ یوم الحرام ہے، کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے؟ لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے آپنے فرمایا بلد الحرام ہے، کیا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے، لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اسکا علم ہے آپنے فرمایا شہر حرام ہے،

اس طرح جب لوگون کے دل مین اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہوگیا، تو آپ نے اصل مقصود کو بیان فرمایا،

ان اللہ حرم علیکم دماءکم واموالکم واعراضکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا، لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض،

خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو، تم پر اس مہینہ مین اس شہر مین اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم مین ہر ایک دوسرے کی گردن مارے،

آپ نے ان الفاظ مین مساوات کی تعلیم دی ہے،

ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم من آدم وآدم من تراب ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی کے تھے خدا کے نزدیک تم مین شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے،

عرب کا عام ذریعۂ معاش غارت گری تھی، لیکن شہر حرم کے چار مہینے تک وہ لوگ بیکار نہین رہ سکتے تھے اس لیے ان مہینون کو ادل بدل کیا کرتے تھے جسکو نسئی کہتے ہین، قرآن مجید نے اسکی ممانعت کی،

إِنَّمَا النَّسِيْءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ، نسی کفر میں اضافہ کرتی ہے،

آپ نے اپنے خطبہ میں اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا،

ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق	زمانہ ہر پھر کے پھر اُسی مرکز پر آگیا جیسا کہ اس دن تھا
اللّٰہ السمٰوات والارض،	جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا،

اِن حیثیتوں کے علاوہ آپ کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی تھی، آپ نے اِس حیثیت سے جو خطبے دیے ہیں وہ اگرچہ نہایت سادہ ہیں تاہم ان میں بھی بلاغت کا اسلوب موجود ہے، ایک اخلاقی واعظ کے لیے پیچدار ترکیب، شاندار الفاظ اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اُس کو صرف سادہ الفاظ، واضح جملے اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اِس حیثیت سے جو خطبے دیے ہیں، وہ تمامتر اِسی قسم کے ہیں، مدینہ آکر سب سے پہلا فقرہ جو زبانِ مبارک سے نکلا یہ تھا،

یا ایھا الناس، افشو السلام، واطعموا الطعام،	لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو، جب اور لوگ
وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنۃ بسلام،	سوتے ہوں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے،

مدینہ میں جو سب سے پہلا جمعہ آپ نے پڑھا ہے، ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حمد و ثنا کے بعد اُس میں آپ نے یہ خطبہ دیا تھا،

اما بعد ایھا الناس فقدموا لانفسکم تعلمن	حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! اپنے لیے پہلے سے سامان کرو، تمکو معلوم
واللّٰہ لیصعقن احدکم ثم لیدعن غنمہ لیس لھا	ہو جائیگا کہ خدا کی قسم تم میں سے ایک جب اپنے ہوش و حواس کھو چکے گا اور اپنی بکریوں (مال و دولت) کو چھوڑ جائیگا، جنکا
راع ثم لیقولن لہ ربہ لیس لہ ترجمان ولا	کوئی نگہبان نہ ہو گا، پھر خدا اُسکے بیچ میں نہ کوئی ترجمان ہو

حاجب یحجبہ دونہ المر یاتک رسولی فبلغک وآتیتک مالا فافضلت علیک فما قدمت لنفسک، فلینظرن یمینا وشمالا فلا یری شیئا ثم لینظرن قدامہ فلا یری غیر جہنم فمن استطاع ان یتقی بوجہہ من النار ولو بشق من تمرۃ فلیفعل ومن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ فانہا تجزی الحسنۃ بعشر امثالہا الی سبع مائۃ ضعف والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نہ دربان ہی جو روکے گا، اُس سے کہیگا کہ کیا تیرے پاس میرا فرستادہ نہین آیا، اور میرا پیغام نہین پہنچایا، اور مین نے تجکو دولت نہین دی، اور حاجت سے زیادہ نہین عطا کیا، تو، تونے اپنے لیے پہلے سے کیا سامان کیا، اُسوقت وہ بندہ دہنے بائین دیکھیگا تو اُس کو کچھ نظر نہین آئیگا، اپنے سامنے دیکھیگا تو جہنم کے سوا اُسکو کوئی چیز نظر نہین آئیگی، پس جسکو قدرت ہو وہ اپنے کو اس آگ سے بچائے گو چھوہارے کے ایک ٹکڑہ ہی سے کیون نہو، کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی سہی کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دہ گونہ بلکہ ہفتصد گونہ دیا جائیگا، تمپر خدا کی سلامتی اور اُسکی رحمت وبرکت نازل ہو،

اس کے بعد دوسری دفعہ آپ نے فرمایا،

الحمد للہ احمدہ واستعینہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ہادی لہ، واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ان احسن الحدیث کتاب اللہ قد افلح من زینہ اللہ فی قلبہ وادخلہ فی الاسلام بعد الکفر فاختارہ

خدا کی حمد ہو، مین خدا کی حمد کرتا ہون اور اس کے دامن مین اپنے نفس کی بُرائیون اور اپنے اعمال کی خرابیون سے پناہ چاہتے ہین جسکو خدا ہدایت دے اسکو گمراہ نہین کرسکتا اور جسکو وہ ہدایت نہ کرے اُسکی کوئی رہنمائی کرنیوالا نہین مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہین، وہی تنہا ہے کوئی اُسکا شریک نہین، بہترین کلام خدا کی کتاب ہے کامیاب ہوا وہ جسکے دلکو خدا نے اُس سے آراستہ کیا اور اسکو کفر کے بعد اسلام مین داخل کیا، انسانون کی باتون کو چھوڑ کر خدا کے کلام

علی ما سواہ من احادیث الناس انہ
احسن الحدیث وابلغہ، احبوا ما احب اللّٰہ
احبوا اللّٰہ من کل قلوبکم، ولا تملوا کلام
اللّٰہ وذکرہ ولا تقس عنہ قلوبکم فاعبدوا
اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئًا واتقوہ حق تقاتہ
وصدقوا اللّٰہ صالح ما تقولون بافواھکم
وتحابوا بروح اللّٰہ بینکم ان اللّٰہ یغضب
ان ینکث عھدہ، والسلام علیکم
ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ،

پسند کیا کیونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پر اثر ہے جسکو خدا
دوست رکھتا ہے تم بھی دوست رکھو، اور خدا کو دل سے پیار کرو
اور اس کے کلام اور ذکر سے کبھی نہ تھکو، اور تمہارے دل اسکی
طرف سے سخت نہ ہون، پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا
ساجھی نہ بناؤ، اور اس سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے،
اور خدا سے سچی بات کہو، اور آپس مین ایک دوسرے کو ذات
الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو، خدا اس سے ناراض ہوتا ہی کہ
کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے، تم پر خدا کی سلامتی اور رحمت
اور برکت نازل ہو،

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے خطبہ دیا جس مین صرف پانچ باتین بیان کین،

ان اللّٰہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام یخفض
القسط ویرفعہ، یرفع الیہ عمل اللیل
قبل عمل النہار، وعمل النہار قبل
عمل اللیل، حجابہ النور (صحیح مسلم رویۃ اللّٰہ تعالیٰ)

ہان خدا سوتا نہین اور نہ سونا اسکی ذات کے شایان شان ہے
وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے، رات کے اعمال اس کو
دن سے پہلے پہنچ جاتے ہین، اور دن کے اعمال رات سے
پہلے۔ خدا کا پردہ نور ہی،

جمعہ کے خطبہ مین عمومًا زہد ورقاق، حسن اخلاق، خوف قیامت، عذاب قبر، توحید وصفاتِ الٰہی بیان کرتے تھے، ہفتہ مین کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اُس کے متعلق ہدایات فرماتے تھے، اکثر ایسا بھی کرتے کہ نئے خطبہ کے بجائے قرآن مجید کی کوئی انھین مضامین کی موثر سورت قٓ وغیرہ پڑھ دیا کرتے، یہ سورہ

آپ جمعہ کے خطبہ مین اکثر اور بیشتر پڑھا کرتے تھے، عید کے خطبہ مین ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے، اتفاقی خطبے ضرورت کے موقعون پر دیا کرتے تھے، اور ان مین مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے، ایک دفعہ آفتاب مین گہن لگا، اتفاق سے اُسی دن آپ کے کمسن فرزند حضرت ابراہیمؑ نے وفات پائی تھی، مزعومات عرب کے مطابق لوگون نے کہا کہ یہ گہن اسی لیے لگا ہے، آپ نے اسموقع پر حسب ذیل خطبہ دیا،

اما بعد یا ایہا الناس انما الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ وانہما لا ینکسفان لموت احد من الناس،	حمد وثنا کے بعد، لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دو نشانیان ہین، وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہین ہوتے،
ما من شيء لم اکن رأیتہ الا وقد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار وانہ قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور مثل فتنۃ الدجال فیوتی احدکم فیقال ما علمک بھذا الرجل فاما الموقن فیقول ھو محمد ھو رسول اللہ جاء بالبینات والھدیٰ فاجبنا واطعنا، اما المرتاب فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئاً فقلت،	جس چیز کو مین نے پہلے نہین دیکھا تھا، اسکو یہین دیکھ لیا یہانتک کہ جنت و دوزخ کو بھی، اور ہان مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم قبرون مین آزمائے جاؤگے جسطرح دجال سے آزمائے جاؤگے تم مین سے ہر شخص کے پاس ایک آنیوالا آئیگا اور پوچھیگا کہ اس شخص (یعنی خود آنحضرت صلعم) کی نسبت کیا جانتے ہو، یقین والے کہین گے یہ محمد ہین یہ خدا کے رسول ہین جو نشانیان اور ہدایتین لیکر آئے، تو ہم نے ان کو قبول کیا اور ان کی پیروی کی، اور متشکک کہین گے مین نہین جانتا لوگون کو جو کہتے سنا وہ کہدیا،

انہ عرض علی کل شیئ تولجونہ فعرضت
علی الجنۃ حتی لوتناولت منہا قطفا اخذتہ
فقصرت یدی عنہ وعرضت علی النار فرأیت
فیہا امرأۃ تعذب فی ھرۃ لہا ربطتہا فلم
تطعمہا ولم تدعہا تاکل من حشاش الارض،
ورأیت ابا ثمامۃ عمرو بن مالک یجر قصبہ
فی النار وانہم کانوا یقولون ان الشمس والقمر
لا یخسفان الا لموت عظیم وانہما آیتان من
آیات اللہ یریکموھما فاذا خسفا فصلوا
حتی تنجلی[1]

میرے سامنے وہ تمام مقامات پیش ہوئے جنمین تم داخل ہوگے
تاآنکہ اگر مین چاہتا تو اس کا پھل توڑ لیتا، لیکن میرا ہاتھ رک گئی دوزخ
میرے سامنے رونما گئی مین نے اس مین ایک عورت کو دیکھا جسکو
صرف اسلیے سزا دیجارہی تھی کہ اسنے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ اسکو خود
کچھ کھانیکو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری پڑی کوئی چیز
کھائے، مین نے دوزخ مین ابو ثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا، یہ وہ
لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب مین کسی بڑے آدمی کی موت
سے گہن لگتا ہے، حالانکہ وہ تو خدا کی دو نشانیان ہین جب
تم گہن دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ، تاآن کہ وہ
صاف ہو جائے۔

ردِّ بدعت اور اعتصام بالسنتہ مین آپکا یہ مختصر خطبہ بتغیر الفاظ حدیث کی اکثر کتابون مین منقول ہی،

انما ھما اثنتان الکلام والھدی
فاحسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی
محمد الا وایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور
محدثاتہا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ
ضلالۃ الا لا یطولن علیکم الامد فیقسو

صرف دو باتین ہین قول اور عملی طریقہ، تو عمدہ کلام خدا کا کلام
ہی اور عمدہ طریقہ محمد کا طریقہ ہی، خبردار (مذہب مین) نئی باتون سے
بچو، نئی باتین بدترین چیزون ہین، ہر نئی بات بدعت ہی اور
ہر بدعت گمراہی ہی، تمکو درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے
دل سخت ہو جائین، جو چیز آنیوالی ہی وہ قریب ہی دور وہ چیز ہی

[1] صحیح مسلم بروایت مختلفہ۔

قلوبكم الا ان ما هو آت قريب وان البعيد ما ليس بآت الا انما الشقي من شقي في بطن امه والسعيد من وعظ بغيره الا ان قتال المومن كفر وسبابه فسوق ولا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلاث الا واياكم والكذب،

(ابن ماجہ (باب اجتناب البدع)

جو آنے والی نہین ہے، بدبخت اپنی ماں کے پیٹ مین بدبخت ہوتا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت حاصل کرے۔ خبردار مسلمان سے لڑنا کفر، اور اس سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے، مسلمان کے لیے جائز نہین کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے رنجیدہ رہے۔ ہان خبردار جھوٹ سے پرہیز کرنا)

اثرانگیزی (خطبات نبوی، تاثیر اور رقت انگیزی مین درحقیقت معجزۂ الٰہی تھے، پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سنکر چند لمحون مین موم ہوجاتے تھے، مکہ مین ایک دفعہ آپ نے سورۂ والنجم کی آیتین تلاوت کرکے سنائین تو یہ اثر ہوا کہ آپ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان، بڑے بڑے کفار بھی سجدہ مین گر پڑے[۱]،

آنحضرت صلعم کے زمانۂ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھونک کرنا جانتے تھے یہ سنکر کہ نعوذ باللہ آپ کو جنون ہی بغرض علاج آئے، آپ نے اُن کے سامنے مختصر سی تقریر کی، اُنھون نے کہا کہ محمد ذرا اس کو پھر تو دُہرانا، غرض آپ نے کئی بار تقریر دُھرائی تو اخیر مین انھون نے کہا "مین نے شاعرون کے قصیدے اور کاہنون کے کلام سنے ہین لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے[۲]"۔

ایک دفعہ ایک نومسلم قبیلہ ہجرت کرکے مدینہ آیا، آپ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی، مسجد نبوی مین تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپ نے ایک خطبہ دیا جس مین قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہین، یعنی،

---

[۱] صحیح بخاری سورۂ والنجم، [۲] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ وقصر الخطبہ،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ،	اے لوگو! اُس خدا سے ڈرو جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا،

پھر سورۂ حشر کی یہ آیت تلاوت کی وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ،

اِس کے بعد فرمایا "درہم، کپڑا، غلّہ، بلکہ چھوہارہ کا ایک ٹکڑا، جو ہو، راہِ خدا مین دو"، مدینہ کے مسلمانون کی مالی حالت جیسی کچھ تھی وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے لیکن بااین ہمہ آپ کی رقت انگیز اور موثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہوگیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا اس نے سامنے رکھدیا، بعضون نے اپنے کپڑے اُتار دیے، کسی نے گھر کا غلّہ لاکر دیدیا، ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیون کا ایک توڑا اُٹھا لائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بمشکل اُن سے اُٹھ سکتا تھا، راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے سامنے غلہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے، اور خوشی سے آپ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا[1]،

سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات مین آپ کے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کرکے جوشِ محبّت کا دریا بہا دیتے تھے، اَوس و خزرج کی سالہاسال کی عداوتین اسی اعجاز کی بدولت مبدل بہ محبّت ہوگئین غزوۂ بدر سے پہلے ایک دفعہ آپ سوار ہوکر نکلے، مسلمان اور منافقین یکجا بیٹھے ہوئے تھے، مسلمانون نے تو ادب سے سلام کیا لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا، یہ چنگاری تھی جس نے خرمن مین آگ لگا دی، قریب تھا کہ جنگ و جدل برپا ہوجائے، لیکن آپ کے چند فقرون نے آگ پر پانی ڈال دیا[2]،

غزوۂ مصطلق سے واپسی مین ایک واقعہ پر بعض منافقین نے اشتعال پیدا کیا اور بہت ممکن تھا کہ مہاجرین وانصار باہم دست و گریبان ہوجائین کہ عین وقت پر آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی، آپ تشریف لائے تو اس طرح

---

[1] صحیح مسلم باب الصدقات، [2] صحیح بخاری السلام علی جماعة فیہا المسلم والکافر،

تقریر فرمائی کہ چند لمحون مین مہاجرین و انصار[1] پھر شیر و شکر تھے، واقعۂ افک مین اوس و خزرج مین اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبوی مین شاید تلوارین نیام سے نکل پڑتین، آپ منبر پر تشریف فرما تھے آپنے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھا اور اثر یہ تھا کہ برادرانہ محبت کی لہرین پھر[2] جاری ہوگئین،

غزوۂ حنین مین مال غنیمت کی تقسیم پر جب انصار مین آزردگی پیدا ہوگئی تھی اسوقت آپنے جس بلیغانہ انداز مین تقریر فرمائی ہے اس کا مختصر ذکر اوپر گذر چکا ہی، اس تقریر کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے، اس قدر روے کہ ان کی ڈاڑھیان تر ہوگئین اور دل کا سارا غبار آب کوثر کے ان قطرون سے دفعۃً دھل گیا،[3]

فتح مکہ کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف جب آپ نے روساے قریش کی جان بخشی فرمائی تو ان مین سے وہ لوگ جنکی آنکھون مین خلق محمدی کا جلوہ نہ تھا، معترض ہوے کہ "آخر آپ کو اپنے وطن، و خاندان کی محبت آہی گئی" آپ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کرکے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کہا ہے، عرض کی ہان یا رسول اللہ! فرمایا "وطن و خاندان کی پاسداری میرے پیش نظر نہ تھی، مین خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہون، مین نے اللہ کی طرف ہجرت کی، اور تمہاری طرف، اب میرا جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے" یہ سنکر انصار پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے،

وعظ و نصیحت مین جو خطبات آپ ارشاد فرماتے تھے، وہ بھی اسی قدر موثر ہوتے تھے، ایک صحابی موقع کی تصویر ان الفاظ مین کھینچتے ہین،

وعظنا رسول اللہ صلعم یوما بعد الصلوٰۃ الغداۃ   صبح کی نماز کے بعد آنحضرت صلعم نے ایک دن ایسا موثر

---

[1] صحیح بخاری تفسیر منافقین و ابن سعد غزوۂ مذکور، [2] صحیح بخاری قصۂ افک، [3] صحیح مسلم فتح مکہ،

موعظۃ بلیغۃ ذرفت منها العیون و — وعظ کہا کہ آنکھیں اشک ریز ہوگئیں، اور دل
وجلت منها القلوب (ترمذی و ابوداود) — کانپ اٹھا،

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسما بنت ابی بکر بیان کرتی ہین،

قام رسول اللہ صلعم خطیبا فذکر فتنۃ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور
القبر التی یفتتن بها المرء فلما ذکر ذلک — اس مین فتنۂ قبر کو بیان کیا جسمین انسان کی آزمایش کیجاتی
ضج المسلمون ضجۃ[1]، — جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اُٹھے،

حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے، "والذی نفسی بیدہ" قسم ہے اُس ذات کی جس کے دستِ قدرت مین میری جان ہے" یہ الفاظ آپ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے، لوگون پر یہ اثر ہوا کہ جو جہان تھا وہین سر جھکا کر رونے لگا، راوی کہتے ہین کہ ہمکو بھی ہوش نہ رہا کہ آپ قسم کس بات پر کھا رہے ہین[2]،

حضرت انس کہتے ہین کہ ایک دن آپ نے خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اس قدر موثر تھا کہ مین نے ایسا خطبہ نہین سنا۔ اثنائے تقریر مین آپ نے فرمایا "اے لوگو! جو مین جانتا ہون اگر تم وہ جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ" اس فقرہ کا ادا ہونا تھا کہ لوگون کی یہ حالت ہوگئی کہ مُنہ پر کپڑے ڈالکر بے اختیار رونے لگے[3]۔

---

[1] صحیح بخاری باب ما جاء فی عذاب القبر [2] سنن نسائی کتاب الزکوۃ [3] صحیح بخاری تفسیر سورہ مائدہ،

عبادتِ نبوی

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

اے محمد جب تجھے فرصت ملے عبادت کے لیے کھڑا ہو جا اور اپنے رب سے دل لگا

(دنیا[1] مین آنحضرت صلعم کے سوا، اور کوئی پیغمبر ایسا نہین گذرا جس کے متعلق صحیح طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ اسکا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اس کے کون کون سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور انکی عبادتون کی نوعیت کیا تھی؟ گذشتہ انبیار مین حضرت نوحؑ، بلکہ آدمؑ سے لیکر حضرت موسیٰؑ تک جن کے حالات توراۃ مین مذکور ہین انکی زندگی کا یہ باب صحائف بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہی، انجیل مین حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہین کہین صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعائین مانگا کرتے تھے، لیکن جب کہ ان مذاہب کے پیروؤن نے اپنے پیغمبرون کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی جنپر دین و شریعت کا دار و مدار ہے وہ محفوظ نہین رکھ سکے، پیروان اسلام کو یہ فخر ہے کہ اُنھون نے اوّل سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقات عبادت اُس کے طریقے، اُس کے انواع، اُسکی کیفیات، غرض اُس کے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہی)

دعا و نماز (آنحضرت صلعم نبوّت سے پہلے بھی عبادتِ الٰہی مین مصروف رہتے تھے، اور غارِ حرا مین جا کر مہینون قیام[2] اور مراقبہ کرتے تھے، نبوت کے ساتھ ساتھ آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا، لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا اس لیے چھپکر نماز ادا کرتے تھے، نماز کا وقت جب آتا کسی پہاڑ کی گھاٹی مین چلے جاتے، اور وہان نماز پڑھ لیتے ایک دفعہ آپ حضرت علی کے ساتھ کسی درہ مین نماز پڑھ رہے تھے اتفاق سے ابوطالب آنکلے، اُنھون نے

---

[1] اضافہ تا ختم باب، [2] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

دیکھا تو پوچھا "بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ آپ نے انکو اسلام کی دعوت[1] دی۔

چاشت کی نماز آپ سب کے سامنے حرم ہی مین ادا کرتے تھے، کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب[2] مین بھی جائز تھی، صحیح بخاری مین ہو کہ ایک دن آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے اور روسائے قریش بیٹھے تمسخر کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا "کاش اسوقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اُٹھالاتا، اور محمدؐ جب سجدہ مین جاتے تو وہ انکی گردن پر ڈال دیتا" چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام[3] دیا، نماز مین جب آپ جہر سے قرأت فرماتے تو کفار برا بھلا[4] کہتے،

ایک دفعہ آپ حرم مین نماز ادا کر رہے تھے، بعض اشقیا نے چاہا کہ آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئین[5]، ایک دفعہ ایک شقی نے گلے مین پھانسی ڈال[6] دی، لیکن با این ہمہ مزاحمت، لذت شناسِ یادِ الٰہی اپنے فرض سے باز نہین آتا تھا،

راتون کو اُٹھ اُٹھ کر آپ نمازین پڑھا کرتے تھے، اس عبادت شبانہ کے متعلق مختلف صحابہ سے مختلف روایتین ہین، ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ رات بھر نمازین کھڑے رہے، ام سلمہؓ کہتی ہین کہ آپ کچھ دیر سوتے، پھر کچھ دیر اُٹھکر نماز مین مصروف ہوتے، پھر سو جاتے، پھر اُٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے، غرض صبح تک یہی حالت قایم رہتی، ابن عباسؓ کی روایت ہو کہ آدھی رات کے بعد آپ اُٹھتے تھے، اور ۱۳ رکعتین ادا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کی روایت ۹ رکعت کی ہے، محدثین نے ان سب مین یہ تطبیق دی ہے کہ آپ ان طریقون مین سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے، ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا[7] ہے، عام طور پر

---

[1] مسند ابن حنبل جلد۱ صفحہ ۹۵، [2] ابن اثیر۔ [3] صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوۃ، [4] صحیح بخاری تفسیر سورہ بنی اسرائیل [5] ابن ہشام۔ ذکر قبل ہجرت۔ [6] صحیح بخاری باب مالقی النبیؐ بمکۃ۔ [7] اس بحث کو زرقانی نے شرح مواہب مین بہ تفصیل لکھا ہے جلد، صفحہ ۴۵۵۔

آخر مین آپ کا طرزِ عمل وہی تھا جو حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی زبانی عبادت شبانہ کے عنوان مین گذر چکا ہے،

فرایض پنجگانہ کے علاوہ آپ کم از کم سنن و نوافل کی ۳۹ رکعتین روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے، دو صبح، چار چاشت، چھ ظہر، چھ عصر، چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہؓ) دو مغرب، چھ عشاء، تیرہ تہجد، دو وتر۔ ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوّابین، سنت تحیت مسجد وغیرہ الگ تھین، تمام سنن مین سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتون کے آپ سختی سے پابند تھے[۱]، کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اسکی قضا پڑھتے، حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اسکی ضرورت عام امت کے لیے نہین، ایسا واقعہ حضر مین صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے، ظہر و عصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس مین باریاب ہوا جسکی وجہ سے آپ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے، نماز عصر کے بعد آپ نے بعض ازواج مطہرات کے حجرون مین جاکر دو رکعت نماز ادا کی، چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی اس لیے ازواج مطہرات نے استفسار کیا، آپ نے واقعہ بیان فرمایا، عام امت کے لیے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن چونکہ آپ جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اس کو ترک کرنا پسند نہین کرتے تھے اس لیے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا[۲]،

رمضان کا مہینہ آپ کی عبادتون کے لیے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہین کہ "آپ فیاض تو تھے ہی، لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبریل قرآن سنانے آتے تو ہر آپ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی، آپ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی[۳]، رمضان کے ... ملنا ہی تھا

---

۱ صحیح بخاری ابواب نوافل، دسنن۔ ۲ مسند احمد و ابوداؤد و صحیح مسلم الرکعتان بعد العصر، ۳ صحیح بخا... ری، ... و ... این سعد

آپ اور زیادہ عبادت گزار ہو جاتے، حضرت عایشہ کہتی ہین کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ رات رات بھر بیدار رہتے تھے، ازواج سے بے تعلق ہو جاتے تھے، اہلبیت کو نماز کے لیے جگاتے تھے[1]، اس اخیر عشرہ مین آپ عموماً اعتکاف مین بیٹھا کرتے تھے یعنی ہمہ وقت مسجد مین بیٹھکر یاد الٰہی اور عبادت گزاری مین معروف رہتے تھے[2]۔

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے، ابو داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ تلاوت کا وقت نماز عشاء کے بعد تھا[3]، روزانہ سورتون کی تعداد مقرر تھی، اُسی تعداد کے موافق آپ تلاوت کر لیا کرتے تھے، رمضان مین پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے[4]، پچھلی رات کو اُٹھکر کوئی موثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے، حضرت **ابن عباس** کہتے ہین کہ ایک دفعہ رات کو مین نے دیکھا کہ آپ پچھلے پہر بیدار ہوئے۔ آنکھین ملتے ہوئے اُٹھے۔ رات کے سناٹے مین تارے جھلملا رہے تھے، آپ نے نظر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیتین پڑھین[5]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	آسمان اور زمین کی پیدایش اور شب و روز کے انقلاب مین اُن
اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَآیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ	دانشمندون کے لیے نشانیان ہین جو اُٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے ہوے
یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ	اللہ کو یاد کرتے ہین اور آسمان و زمین مین غور کرتے ہین کہ خدایا تو نے
وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا	یہ (نظام عالم) بے نتیجہ نہین پیدا کیا تو پاک ہی پس ہمکو دوزخ کے عذاب
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ	سے بچا، خدایا جسکو تو دوزخ مین داخل کرے، اُسکو تو نے رسوا کر دیا
اِدہ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ	گناہگارون کا کوئی مددگار نہین، خداوندا ہمنے ایک پکارنیوالے
طریقون سے مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا	کی آواز سنی جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ [2] صحیح بخاری باب الاعتکاف [3] ابو داؤد ابواب شہر رمضان۔ [4] صحیح بخاری بدء الوحی، [5] ابن ہشام۔ ذکر قبل ہجرت مسلسل۔

مین یہ تفصیل لکھا ہے جلد ۲ صفحہ ۵۵۴

مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ
فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا
عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا
تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ
لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی
بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُ
خْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ
وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ
الثَّوَابِ ۝ (آل عمران)

تو ہم ایمان لائے، خداوندا تو ہمارے گناہ بخشدے ہماری برائیوں
پر پردہ ڈال اور نیکوں کے ساتھ دنیا سے اٹھا، خداوندا تو نے اپنے
رسولوں کے ذریعہ ہمسے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہمکو عنایت کر اور
قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا، تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا
پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول کر لی کہ میں کسی کام کرنے
والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت، تم ایک دوسرے
سے ہو، جنہوں نے ہجرت کی یا اپنے گھروں سے نکالے اور
میری راہ میں ستائے گئے ہیں اور وہ لڑے ہیں اور مارے گئے
ہیں میں ان سب کے گناہوں کو مٹا دوں گا اور ان کو جنت
میں جگہ دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اللہ
کی طرف سے ان کو یہ جزا ملے گی، اور اللہ ہی کے
پاس اچھی جزا ہے۔

اسی موقع پر آپ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سراپا اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں،

اللھم لک الحمد انت نور السموات والارض	خداوندا تیری حمد ہو، تو آسمان و زمین کا نور ہے، تیری حمد ہو
ولک الحمد انت قیام السموات والارض	تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے
ولک الحمد انت رب السموات والارض ومن	تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے، تیری بات حق ہے، تجھسے ملنا حق ہے
فیھن انت الحق ووعدک الحق وقولک الحق	جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے، خداوندا میں نے

ولقاءك الحق والجنة حق، والنار حق، الساعۃ حق، اللھم لک اسلمت وبک آمنت وعلیک توکلت والیک انبت، وبک خاصمت والیک حاکمت، فاغفرلی ما قدمت وما اخرت واسررت واعلنت انت الٰہی لا الٰہ الا انت، (صحیح مسلم باب الدعا فی صلوٰۃ اللیل)

تیرے ہی آستانے پر سر جھکایا ہے، تجھی پر ایمان لایا ہون۔ تجھی پر مین نے بھروسہ کیا ہے۔ تیرے ہی زور سے جھگڑتا ہون، تجھی سے فیصلہ چاہتا ہون، تو میرا اگلا اور پچھلا، کھلا اور چھپا، ہر ایک گناہ معاف کر، تو ہی میرا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی اور معبود نہین۔

کبھی گھر کے لوگ جب سوجاتے، آپ چپ چاپ بستر سے اُٹھتے اور دعا و مناجات الٰہی مین مصروف ہوجاتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ کو بستر پر نہ پایا سمجھی کہ آپ کسی اور بیوی کے حجرہ مین تشریف لے گئے، اندھیرے مین ہاتھ سے اِدھر اُدھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی اقدس خاک پر ہے، اور آپ سربسجود دعا مین مصروف ہین، یہ دیکھکر حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ مجھکو اپنے شبہہ پر ندامت ہوئی اور دل مین کہا، سبحان اللہ! ہم کس خیال مین ہین، اور آپ کس عالم مین۔[1] کبھی کبھی راتون کو اُٹھکر آپ تن تنہا قبرستان مین تشریف لے جاتے تھے، اور دعا و زاری کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ گئین تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع مین داخل ہوئے اور دعا مانگی،[2]

دعا اور نماز کے بعد آپ سوجاتے یہان تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعۃً سپیدۂ صبح نمودار ہوتا، آپ بیدار ہوتے، صبح کی سنت ادا کرکے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اسوقت یہ الفاظ زبانِ مبارک پر ہوتے،

---

[1] سنن نسائی باب الغیرۃ [2] سنن نسائی باب الاستغفار للمؤمنین،

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی لسانی نوراً واجعل فی سمعی نوراً واجعل فی بصری نوراً واجعل فی خلفی نوراً ومن امامی نوراً واجعل من فوقی نوراً وتحتی نوراً واعطنی نوراً،

(صحیح مسلم باب الدعاء فی صلوۃ اللیل)

خدایا! میرے دل مین نور پیدا کر اور میری زبان مین اور میری قوت سامعہ مین نور پیدا کر، آنکھون مین نور پیدا کر اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر، میرے اوپر اور میرے نیچے نور پیدا کر، اور مجھے نور عطا کر،

ارکانِ نماز مین سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام مین ہوتا ہی لیکن حضرت انس رض سے مروی ہی کہ آنحضرت صلعم رکوع کے بعد اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ آپ سجدہ مین جانا بھول گئے[1]،

جو چیز نماز کی حضوری مین خلل ڈالتی تھی اُس سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جس مین دونون طرف حاشیے تھے، نماز مین اتفاق سے حاشیون پر نظر پڑگئی نماز سے فارغ ہوکر فرمایا کہ یہ لیجا کر فلان شخص (ابوجہیم) کو دے آؤ، اور اُن سے انبجانی مانگ لاؤ، حاشیون نے نماز کی حضوری مین خلل ڈالا[2]

ایک دفعہ دروازے پر منقش پردہ پڑا ہوا تھا، نماز مین اُس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہ رض سے فرمایا کہ اسکو ہٹا دو، اس کے نقش و نگار حضورِ قلب مین خلل انداز ہوئے[3]،

روزہ

(انبیاء اور داعیانِ مذاہب نے تکمیلِ روحانیت کے لیے تقلیلِ غذا، بلکہ ترکِ غذا (روزہ) کو اسباب ضروری مین شمار کیا ہی، ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیانِ مذاہب تو اس راہ مین حدِ افراط سے بھی آگے نکل گئے ہین، لیکن داعیِ اسلام کا طرزِ عمل اِس باب مین افراط اور تفریط کے بیچ مین تھا،

اسلام سے پہلے اہلِ عرب عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، آنحضرت صلعم بھی معمولاً اس دن

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۷۲، [2] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۵۴ کتاب الصلوۃ انبجانی ایک کپڑے کا نام ہے [3] صحیح بخاری کتاب اللباس والصلوۃ،

روزہ رکھتے تھے بعض حدیثون سے معلوم ہوتا ہی کہ مکہ کے قیام کے زمانہ مین آپ متواتر کئی کئی مہینون تک روزہ رکھتے تھے، لیکن مدینہ آکر اس معمول مین فرق آگیا، مدینہ مین یہود بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے آپ نے بھی رکھا، بلکہ تمام مسلمانون کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ نفل رہ گیا،

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ مین آپ نے کبھی نہین رکھا، صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہی اس مین قریب قریب پورے مہینہ بھر آپ روزہ سے رہتے، اس طرح سال مین دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزون مین گذرتے تھے، سال کے بقیہ مہینون مین یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ کبھی روزہ نہ توڑین گے، پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھین گے، مہینہ کے نصف اول مین جنکو ایام بیض کہتے ہین آپ اکثر روزون سے رہتے تھے مہینہ مین تین دن دو دو شنبہ اور ایک جمعرات کو آپ معمولاً روزے رکھا کرتے تھے، بعض روایتون مین ہی کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات مین سے تھا، ان کے علاوہ محرم کے دس دن یکم سے عاشورا تک اور شوال کے آغاز مین چھ[1] دن دوسری سے ساتوین تک آپ روزون مین گذارتے تھے،

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے، آپ کبھی گھر مین تشریف لاکر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے جواب ملتا "کچھ نہین" آپ فرماتے تو مین آج روزہ سے ہون[2]، کبھی کبھی آپ **صوم وصال** بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے، بیچ مین مطلق افطار نہین کرتے تھے، یا برائے نام کچھ کھالیتے تھے، لیکن جب صحابہ نے اس مین آپ کی تقلید کرنی چاہی تو آپ نے منع فرمایا، بعض لوگون نے

---

[1] روزہ کے متعلق یہ حدیثین تمام کتب حدیث مین ہین، اسوقت ابوداؤد اور صحیح مسلم کتاب الصوم پیش نظر ہین۔ [2] ابوداؤد باب النسیة فی الصیام،

اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپ حکماً نہین بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہین، اس لیے اس ممانعت کے باوجود آپ کے ساتھ انھون نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کیے، آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا، تیسرے دن اتفاق سے چاند ہوگیا، آپ نے فرمایا "اگر مہینہ بڑھ سکتا تو مین اتنے دن تک افطار نہ کرتا کہ ان مذہب مین غلو کرنے والون کا سارا غلو جاتا رہتا" صحابہ نے عرض کی "یارسول اللہ پھر حضور کیون کئی کئی دن تک افطار نہین کرتے؟" ارشاد ہوا "تم مین مجھسا کون ہی؟ مجھکو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہی" بعض روایتون مین یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہین "تم مین مجھ جیسا کون ہی، مین شب بسر کرتا ہون تو میرا خدا مجکو کھلا اور پلا دیتا ہے[۱]"

عام مسلمانون کے لیے آپ اس قسم کی مذہبی سختیون کو ناپسند فرماتے تھے، اور عام طور پر خود بھی ان چیزون سے احتراز کرتے تھے (تفصیلی واقعات آگے آتے ہین)

زکوۃ آنحضرت صلعم اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مبرات کیا کرتے تھے، جیسا کہ آغاز اسلام مین حضرت خدیجہ نے شہادت دی ہی[۲]، اسلام کے بعد آپ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس رہنے نہین دیتے تھے، جو کچھ آتا مستحقین مین تقسیم فرما دیتے لیکن بااین ہمہ زکوۃ کا ادا کرنا آپ سے ثابت نہین، اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہی کہ انبیا علیہم السلام پر زکوۃ فرض نہین ہوتی، لیکن اصل یہ ہی کہ زکوۃ کے دو مفہوم ہین، ایک مطلق صدقہ وخیرات اور اس باب مین جو آپ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہی؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و تعداد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو، اور سال بھر تک

[۱] صوم وصال کی یہ حدیثین صحیح مسلم سے لی گئین ہین، [۲] صحیح بخاری، بدء الوحی،

مالک کے قبضہ مین رہی ہو، ایک خاص شرح رقم ادا کیجائے، یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپ پر فرض ہی نہین ہوئی کاشانۂ نبوت مین کوئی قابل زکوٰۃ چیز سال بھر تک توکیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گزر جائے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے، ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہوسکی آپ نے رات بھر مسجد مین آرام فرمایا، اور کاشانۂ اقدس مین اُسوقت تک قدم نہین رکھا جب تک حضرت بلال نے آکر یہ اطلاع نہ دی کہ یارسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کیا[1]"

حج (اسلام سے پہلے آپ نے جسقدر حج کیے، ان کی صحیح تعداد متعین نہین کیجاسکتی ابن الاثیر نے لکھا ہی کہ چونکہ قریش عموماً ہرسال حج کیا کرتے تھے اس لیے قرینۂ غالب یہی ہو کہ آنحضرت صلعم بھی ہرسال حج ادا کرتے ہون گے، ترمذی[2] مین ہو کہ قیام مکہ کے زمانہ مین آپ نے دو حج کیے تھے، اور ابن ماجہ اور حاکم مین ہے کہ تین حج کیے تھے، لیکن یہ سب[3] روایتین مرسل ہین، مدینہ کے زمانۂ قیام مین متفقاً ثابت ہو کہ صرف ایک حج سنہ۱۰ھ مین کیا، یہ وہی حجۃ الوداع ہے جسکا ذکر بتفصیل پہلے گزر چکا ہو،

حج کے علاوہ آپ نے عمرے بھی ادا کیے ہین، ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہین، ایک عمرہ ذیقعدہ کے مہینہ مین، ایک حدیبیہ کے سال، ایک غزوۂ حنین کے بعد، اور چوتھا حجۃ الوداع[4] کے ساتھ، حضرت انس کہتے ہین کہ حجۃ الوداع والے عمرہ کے سوا تمام عمرے آپ نے ذیقعدہ کے مہینہ مین ادا کیے، ایک دفعہ حضرت ابن عمر سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت صلعم نے کئے عمرے کیے تھے؟ اُنھون نے جواب دیا، چار عمرے ان مین سے ایک ماہ رجب مین، حضرت عایشہ نے یہ سنا تو کہا خدا ابوعبدالرحمن (ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہین کیا جس مین وہ شریک نہ ہون، آنحضرت صلعم نے رجب مین کوئی عمرہ

[1] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین، [2] باب کم حج النبی صلعم، [3] زرقانی جلد ۸ صفحہ ۱۶۴، [4] صحیح مسلم وابوداؤد حجۃ الوداع وترمذی باب کم حج النبی صلعم، [5] جامع ترمذی باب مذکور،

نہین[1] کیا"۔

سال حدیبیہ مین سب سے پہلے دفعہ جب آپ عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہوتے ہین تو کفار قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی، صحابہ ان کی مدافعت مین آپ سے پیچھے ہٹ گئے، لیکن آپ کو خانۂ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق و شوق تھا کہ اپنے ہمراہیون کا انتظار کیے بغیر بےخطر آپ سب سے آگے بڑھے چلے جاتے تھے، آخر جان نثارون نے ابو قتادہ انصاری کو بھیجا کہ وہ جا کر ہماری جانب سے سلام عرض کرین اور یہ درخواست کرین کہ "آپ ذرا توقف فرمائین، ہمین یہ ڈر ہے کہ دشمن کہین ہمارے اور آپ کے درمیان حائل نہ ہو جائین" بارے آپ نے ان کی یہ درخواست قبول[2] فرمائی"

دوام ذکر الٰہی | قرآن مجید نے اہل ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے،

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ — جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے یاد کرتے ہین (آل عمران)

لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ — جن کو اشغال دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہین کرتے۔

اور قرآن کا مبلّغ ان اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ آنحضرت صلعم ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد مین مصروف رہتے تھے، ربیعہ بن کعب اسلمی رات کو آپ کے آستانہ پر پہرہ دیتے تھے وہ بیان کرتے ہین کہ آپ کی تسبیح و تہلیل کی آواز سنتے سنتے مین تھک جاتا تھا اور مجھے نیند آ جاتی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے سوتے جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر مین جاتے، واپس آتے گھر مین داخل ہوتے، مسجد مین قدم رکھتے، غرض ہر حالت مین دل و زبان ذکر الٰہی مین مصروف رہتے، چنانچہ اسی بنا پر احادیث مین مختلف اوقات و حالات کے لیے کثرت سے ادعیہ ماثورہ منقول ہین، اخیر زندگی

---

[1] بخاری و مسلم کتاب الحج [2] صحیح بخاری صفحہ ۲۴۵ باب جزاء الصید [3] ابو داؤد کتاب الطہارۃ [4] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۹

مین جب سورۂ اِذَا جَآءَ اتری جس مین تحمید و تسبیح کا حکم ہے تو امہات المومنین کا بیان ہو کہ ہر وقت اور ہر حالت مین زبانِ مبارک پر تسبیح و تہلیل جاری رہتی تھی[1]،

حضرت ابن عمر کہتے ہین کہ آپ اکثر یہ دعا رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے، ہم نے گنا تو ایک ایک نشست مین سو سو دفعہ یہ الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوئے[2]، سفر اور کوچ کی بے اطمینانی مین بھی آپ یادِ الٰہی سے غافل نہین ہوتے تھے، سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کرتے تھے[3] اور اسکی پرواہ نہین کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رُخ ہے یا نہین، سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا آپ اُدھر ہی منہ کیے نماز کی نیت کر لیتے کہ[4] اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ، جدھر رخ کرو اُدھر ہی خدا کا منہ ہے،

ذوق و شوق (آپ اصحاب کی محفل مین یا امہات المومنین کے حجرون مین بات چیت مین مشغول ہوتے کہ دفعۃً اذان کی آواز آتی، آپ اٹھ کھڑے[5] ہوتے، رات کا ایک معتد بہ حصہ گو شب بیداری مین گذرتا تھا، تاہم صبح کے وقت اُدھر موذن نے اللہ اکبر کہا اِدھر آپ بستر سے اُٹھ بیٹھے[6] شب کے وقت جس ذوق شوق اور وجد کی حالت مین نماز پڑھتے اس کا نقشہ حضرت عایشہ نے ان الفاظ مین کھینچا ہے "کبھی پوری پوری رات آنحضرت صلعم کھڑے رہتے، سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء (قرآن کی سب سے بڑی سورتین ہین) پڑھتے، جب کوئی خوف اور خشیۃ کی آیت آتی خدا سے دعا مانگتے، اور پناہ طلب کرتے کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا[7] مانگتے"، قرات اتنی زور سے فرماتے کہ

---

[1] ابن سعد جزء الوفاۃ، [2] ترمذی و ابن ماجہ و دارمی باب دعوات، [3] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد، وغیرہ، [4] صحیح بخاری باب یکون الرجل فی خدمۃ اہلہ صفحہ ۸۰۰، [5] صحیح بخاری من انتظر الاقامۃ [6] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۲،

دور دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپ کی آواز سنتے،[1] کبھی کبھی کوئی ایسی آیت آجاتی کہ آپ اس کے ذوق وشوق میں محو ہوجاتے، حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے نماز میں یہ آیت پڑھی،

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ — اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں، اور اگر معاف کردے تو تو غالب اور حکمت والا ہے،

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپ یہی آیت پڑھتے رہ گئے،[2]

زید بن خالد جہنی ایک صحابی ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج شب میں آپ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا (غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، پہلے دو رکعتیں معمولی ادا کیں پھر دو رکعتیں بہت ہی لمبی اور بڑی دیر تک پڑھیں، پھر دو دو رکعتیں کرکے آٹھ رکعتیں بتدریج چھوٹی پڑھیں، اور سب کے آخر میں وتر ادا[3] کی، خباب رض کی روایت ہے ایک شب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو صبح تک مصروف رہے،[4]

حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ ایک شب مجکو آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا آپ نے سورہ بقرہ شروع کی (قرآن کی یہ سب سے بڑی سورہ ہے) میں سمجھا آپ سو آیتوں تک پڑھیں گے لیکن آپ ان کو پڑھ کر اور آگے بڑھے، میں نے دل میں کہا شاید پوری سورہ آپ ایک ہی رکعت میں ختم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ نے جب اس سورہ کو ختم کیا تو میں نے خیال کیا کہ اب آپ رکوع کریں گے لیکن آپ نے فوراً ہی سورہ نسا شروع کردی، یہ بھی ختم ہوچکی تو سورہ آل عمران شروع کی (یہ تینوں سورتیں بلکہ سوا پانچ

---

[1] ابن ماجہ باب ما جاء فی صلوۃ اللیل، [2] ایضاً [3] صحیح مسلم موطا۔ ابوداؤد [4] نسائی احیاء اللیل،

پاروں کے قریب ہیں،) بہت ٹھہر ٹھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپ قرأت کر رہے تھے اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ مین تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے، اس کے بعد آپ نے رکوع کیا، رکوع مین قیام ہی کے برابر توقف فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر تک کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا، اور سجدہ مین بھی اسی قدر تاخیر فرمائی،[1])

میدانِ جنگ مین یادِ الٰہی (عین اسوقت جب دونون طرف سے فوجین برسرِ پیکار ہوتین، تیر و سنان اور تیغ و خنجر کی چمک سے آنکھین خیرہ ہو رہی ہوتین اور ہر طرف سے شور دار و گیر برپا ہوتا، آپ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینان قلب کے ساتھ دعا و زاری اور ذکر الٰہی مین مصروف ہوتے، سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیون پر بل ڈالے ہوئے دشمنون کے مقابلہ مین ہوتے، لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمینِ نیاز پر ہوتی، بدر، اُحد، خندق، خیبر، تبوک تمام بڑے بڑے معرکون مین آپ کی یہی کیفیت تھی۔

معرکہ ہائے جنگ مین سپہ سالارون کو اپنے بہادر سپاہیون کی قوت پر ناز ہوتا ہی، لیکن اسلام کے **قائد اعظم** کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا، عالم اسباب کے لحاظ سے گو آپ نے اصول جنگ کے مطابق ہر میدان مین اپنی فوجین مرتب کین لیکن اصلی اعتماد اور بھروسا اسباب کائنات سے ماورا، قادرِ مطلق کی ذات پر تھا، بدر مین دو صحابی حاضر ہوتے ہین اور عرض کرتے ہین کہ یا رسول اللہ! ہمکو کافرون نے اِس شرط پر رہا کیا ہی کہ ہم جنگ مین شرکت نہ کرین، ارشاد ہوتا ہے کہ "ہمکو صرف خدا کی مدد درکار ہی[2]" بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہی اور آپ خشوع و خضوع سے دونون ہاتھ پھیلا کر بارگاہِ ایزدی مین عرض کر رہے ہین "خدایا اپنا وعدۂ نصرت پورا کر" محویت اور بیخودی مین

---

[1] صحیح مسلم و نسائی صلوۃ اللیل - [2] صحیح مسلم باب الوفاء بالعہد،

ردائے مبارک کندھے سے گر گر پڑتی ہے اور آپ کو خبر نہیں ہوتی، کبھی سجدے میں گر پڑتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر تو قیامت تک نہ پوجا جائیگا[۱] اسی اثنا میں حضرت علیؓ تین دفعہ میدانِ جنگ سے حاضرِ خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے[۲]،

غزوۂ اُحد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسرت سے ہبل کی جے پکارتا ہے لیکن آپ اس دل شکستگی کے عالم میں بھی حضرت عمرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم، اللہ اعلیٰ واجل[۳] — خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں، خدا بڑا اور بلند ہے،

غزوۂ احزاب میں آپ خود اپنے دستِ مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے، اور لبِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے،

اللّٰھم لا خیر الا خیر الاٰخرۃ فبارک فی الانصار والمھاجرۃ، — خدایا، بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے، انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر،

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا، اور یہ محاصرہ متصل ۲۰، ۲۲ دن تک قائم رہا، لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں، ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی، آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا آپ کو سخت رنج ہوا، حملہ رُکنے پر سب سے پہلے باجماعت نماز ادا کی[۴]،

[۱] صحیح بخاری و مسلم، بدر۔ [۲] سیرۃ جلد اول صفحہ ۲۵۰ [۳] صحیح بخاری احد

غزوۂ خیبر مین جب آپ شہر کے قریب پہنچے تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے اللہُ اکبر خربت خیبر، اللہ اکبر خیبر ویران ہوچکا، عمارتین نظر آئین تو صحابہ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ پھر یہ دعا مانگی

اللھم انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا	اے خدا ہم تجھسے اس آبادی کی، اس آبادی والون کی
وخیر ما فیھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا	اس آبادی کی چیزون کی بھلائی چاہتے ہین۔ اور ان سب
وشر ما فیھا، (ابن ہشام)	کی برائیون سے تیری پناہ کے طلبگار ہین،

حنین کے معرکہ مین بارہ ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی لیکن اوّل ہی حملہ مین اس کے پانون اُکھڑ گئے، اس فوج کا سپہ سالار اگر انہی آدمیون کے بھروسہ پر میدانِ جنگ مین اُترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا لیکن آپ کو جس قوت پر اعتماد و بھروسا تھا آپ اس کو اس تنہائی مین بھی اسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے جس طرح فوج و لشکر کے ساتھ، عین اس وقت جب دس ہزار قدر انداز تیرون کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپ کے پہلو مین چند جان نثارون کے سوا کوئی اور باقی نہین رہا تھا، آپ سواری سے اتر آئے اور فرمایا "مین خدا کا بندہ اور پیغمبر ہون" پھر بارگاہِ الٰہی مین دست بدعا ہو کر نصرت موعودہ کی درخواست کی، دفعۃً ہوا کا رُخ پلٹ گیا اور نسیم فتح علم اسلام کو لہرانے لگی، دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیرون کو یکہ و تنہا مناجات و زاری کی سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبرون کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے،

اس مرقع کا سب سے موثر منظر غزوۂ بنی المصطلق مین نظر آتا ہے، سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہین اور غفلت کے منتظر ہین کہ دفعۃً نماز کا وقت آجاتا ہے اور آپ امام بنکر آگے کھڑے ہو جاتے ہین

---

[1] صحیح بخاری و مسلم حنین۔

صحابہ کی ایک جماعت مقتدی ہوکر نماز مین مصروف ہو جاتی ہے، اور دوسری دشمنون کا سامنا روک لیتی ہے، صلح حدیبیہ کے زمانہ مین اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا، آنحضرت صلعم مکہ کے پاس عسفان مین خیمہ زن تھے، قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیون مین دشمنون کی فوج کا ایک دستہ لیے ہوئے موقع کی تاک مین تھے، آخر قریش کی یہ راے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہون تو عین اسوقت ان پر بے خبری مین حملہ کیا جائے، خداوند کارساز کی بارگاہ مین قصر صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہوگئی، چنانچہ قصر کی آئتین نازل ہوئین، عصر کا وقت آیا تو آپ نماز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ کے سامنے تھے، صحابہ دو حصون مین منقسم ہوگئے ایک حصہ نے آپ کے پیچھے آکر نماز کی صفین قائم کرلین اور دوسرا حصہ دشمنون کے مقابل کھڑا ہوگیا، پہلی جماعت فارغ ہوکر بتدریج دشمنون کے مقابل آگئی، اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹکر آپ کے ساتھ نماز مین جاملی، یہ تمام تبدیلیان مقتدیون کی صفون مین ہو رہی ہین لیکن خود سپہ سالار خون آشام تلوارون کے سایہ مین تمام خطرات سے بے پروا عبادت الٰہی مین مصروف ہے[1]، اور اس کو ذرہ برابر جنبش نہین ہوتی

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکم الٰہی کی کہان تک تعمیل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا — مسلمانو! جب کسی گروہ سے مٹ بھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم رہو

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (انفال) — اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ، تم کامیاب ہوگے،

صحیح بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم جہاد مین جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر[2] کہتے

خشیۃ الٰہی — آپ خاتم الانبیا تھے، افضل رسل تھے، محبوب خاص تھے، تاہم خشیۃ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے

---

[1] ابوداؤد جلد اول باب صلوۃ المسافرین، [2] باب التکبیر عند الحرب۔

کہ "مجھکو کچھ نہین معلوم کہ میرے اوپر کیا گذرے گی" حضرت **عثمان بن مظعون** نے جب وفات پائی تو آپ تعزیت کو گئے، لاش دھری تھی، ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہو کر کہا "خدا گواہ ہی کہ خدا نے تجھکو نوازا" آنحضرت صلعم نے فرمایا "تمکو کیونکر معلوم ہوا" بولین "خدا نے اُن کو نہین نوازا تو اور کسکو نوازے گا" ارشاد ہوا کہ "ہان مجھکو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہی لیکن مین پیغمبر ہو کر بھی یہ نہین جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا"[1]

(جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپ سہم جاتے کسی ضروری کام مین ہوتے اس کو چھوڑ کر قبلہ رخ ہو جاتے[2] اور فرماتے "خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہون" جب مطلع صاف ہو جاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے، ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عایشہ نے پوچھا، یا رسول اللہ آپ کیون مضطرب ہو جاتے ہین" ارشاد ہوا "عایشہ! تجھے کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ نہ پیش آئے، جس نے بادل دیکھکر کہا کہ یہ ہماری کھیتون کو سیراب کرنے والا ہی، حالانکہ وہ عذاب[3] الہی تھا"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کے بال پکنے لگے، فرمایا "مجھے سورۂ ہود و واقعہ، والمرسلات، اور عم یتساءلون نے بوڑھا[4] کر دیا" (ان سورتون مین قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہین) ابی بن کعبؓ سے روایت ہی کہ جب دو ثلث شب گزر چکتی، باآواز یہ الفاظ ادا فرماتے "لوگو! خدا کو یاد کرو، زلزلہ آرہا ہی اُس کے پیچھے پیچھے آنے والا آرہا ہے، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی[5]"

فرمایا کرتے تھے "لوگو! جو کچھ مین جانتا ہون اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم، اور رونا زیادہ آتا[6]"

---

[1] صحیح بخاری باب الجنائز [2] سنن ابن ماجہ باب ما یدعو بہ الرجل اذا رای السحاب [3] یہ واقعہ بخاری ومسلم اور دیگر حدیث کی کتابون مین بھی مذکور ہی اخیر فقرہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہی [4] شمایل ترمذی ما جاء فی شیبہ صلعم [5] مشکوۃ بحوالہ ترمذی باب البکاء والخوف [6] صحیحین

ایک دفعہ آپ نے نہایت موثر طرز سے خطبہ مین فرمایا "اے معشر قریش! اپنی آپ خبر لو، مین تمکو خدا سے نہین بچا سکتا، اے بنی عبد المناف! مین تمکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! مین تمکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، اے صفیہ! رسول خدا کی پھوپھی! مین تجھکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! مین تجھکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، (صحیحین)

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبوی مین اتنا ہجوم ہوا کہ آپ پسینے کے قریب ہوگئے، مہاجرین نے اُٹھکر لوگون کو ہٹایا، آپ نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ مین داخل ہوگئے اور تقاضاے بشری سے بد دعا زبان سے نکل گئی، فوراً قبلہ رُخ ہوکر دونون ہاتھ خدا کی بارگاہ مین اُٹھائے اور دعا کی، خدایا! مین ایک انسان ہون اگر تیرے کسی بندہ کو مجھ سے تکلیف پہونچے تو مجھے سزا نہ دینا،[1])

گریہ وبکا | (خشیتِ الٰہی کیوجہ سے اکثر آپ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھون سے آنسو جاری ہوجاتے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے جب آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہوگئے[2]، اکثر نماز مین رقت طاری ہوتی، اور آنسو جاری ہوجاتے، ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نماز کسوف مین آپ ٹھنڈی سانسین بھرتے اور فرماتے تھے خدایا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو لوگون پر میرے ہوتے عذاب نہین نازل کریگا،[3]

عبد اللہ بن شخیرؓ ایک صحابی بیان کرتے ہین کہ مین ایک بار خدمت نبوی مین حاضر ہوا دیکھا تو آپ نماز مین مشغول ہین، آنکھون سے آنسو جاری ہین، روتے روتے اس قدر ہچکیان بندھ گئی تھین کہ معلوم

---

[1] (مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۷ و ۱۴۳، دونون صفحون مین دو روایتین ہین مگر غالباً ایک ہی واقعہ ہے،) [2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکورہ، [3] ابوداؤد، صلوٰۃ الکسوف،

ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی اُبل رہی ہے[۱]،

ایک بار آپ ایک جنازہ مین شریک تھے قبر کھودی جا رہی تھی آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھ کر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤن سے زمین نم ہوگئی، پھر فرمایا، بھائیو! اس دن کے لیے سامان کر رکھو[۲]،

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راہ مین ایک پڑاؤ ملا، کچھ لوگ بیٹھے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے ہم مسلمان ہین، ایک عورت بیٹھی چولھا سُلگا رہی تھی، پاس ہی اسکا لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لیکر آپ کی خدمت مین آئی، اور بولی آپ رسول اللہ ہین؟ ارشاد ہوا ہان بیشک، پھر اُس نے پوچھا کیا ایک مان اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے، خدا اپنے بندون پر اس سے زیادہ مہربان نہین ہے؟ آپ نے فرمایا ہان بیشک، اس نے کہا تو مان اپنے بچہ کو آگ مین نہین ڈالتی، آپ پر گریہ طاری ہوگیا، پھر سر اُٹھا کر فرمایا، خدا اُس بندہ کو عذاب دیگا جو سرکش اور متمرد ہے خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اُس کو ایک نہین کہتا[۳]،

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابراہیم کی دعا،

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ، — پروردگار! ان بتون نے بہت سے لوگون کو گمراہ کیا ان مین سے جسنے میری پیروی کی وہی میری جماعت مین ہے،

اس کے بعد حضرت عیسیٰ والی دعا پڑھی،

---

[۱] ترمذی و ابو داؤد باب البکاء فی صلوۃ اللیل۔ [۲] سنن ابن ماجہ باب الحزن والبکاء۔ [۳] سنن ابن ماجہ باب ما یرجی من رحمۃ اللہ۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ — اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہین، اور اگر
فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، — معاف کردے تو تو غالب و دانا ہے،

دونون ہاتھ اُٹھاکر اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فرماتے جاتے تھے اور آنکھون سے آنسو جاری[1] تھے،)

محبت الٰہی (دنیا مین دو قسم کے پیغیبر آئے ہین، ایک وہ جنکی آنکھون کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوح و حضرت موسیٰ علیہما السلام، دوسرے وہ جو محبت الٰہی مین سرشار تھے، اور وہ لوگون کو اسی خمخانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام، لیکن یہ دونون افراط و تفریط کے راستے تھے، پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک نہین پہنچاتی، اور دوسری عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے، جیسا کہ عیسائی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرۂ مسیح مین ہر شخص کو نظر آسکتا ہے، لیکن اسلام دونون جلوون کو یکسان نمایان کرنا چاہتا ہے، یہی سبب ہو کہ حامل شریعت اسلامیہ کی ذات مبارک مین یہ دونون پہلو بہ یک دفعہ نظر آتے ہین، قرآن مجید نے کمال ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہو:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ — جو ایمان لائے ہین انکو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے

صحیح روایتون مین ہو کہ آپ راتون کو اتنی دیر تک نماز مین کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا، یہ دیکھکر بعض صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے آپ یہ زحمت کیون اُٹھاتے ہین؟ ارشاد ہوا کہ "کیا مین عبد شکور نہ بنون" ارباب باطن کہتے ہین کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کی یہ عبادت خشیۃ الٰہی سے ہے، اور چونکہ آپ گناہون سے پاک کردیے گئے تھے اس لیے آپکو

[1] صحیح مسلم باب بکائہ صلعم لامتہ

ریاضات شاقہ کی ضرورت نہ تھی، آپ نے اپنے جواب مین اسی شبہہ کو دفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقتضا محبت الٰہی ہی خشیۃ الٰہی نہین، اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے،

وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ — میری آنکھون کی ٹھنڈک نماز مین ہے،

راتون کے سناٹے مین اٹھکر آپ کبھی دعا وزاری مین مصروف ہوتے کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت مین خدا سماے دنیا پر نزول فرماتا ہی[۱]، عبادت شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتون پر ہوتا تھا، جنکی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ "ان کے معاوضہ مین دنیا اور ما فیہا کی نعمتین بھی میرے سامنے ہیچ ہین[۲]"

ایک دفعہ ایک غزوہ مین کوئی عورت گرفتار ہوکر آئی اس کا بچہ گم ہوگیا تھا، محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ ملجاتا تو وہ سینہ سے لگالیتی، اور اس کو دودھ پلاتی، آپ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ مین ڈال دے، لوگون نے عرض کی "ہرگز نہین" فرمایا "تو خدا کو اپنے بندون سے اس سے زیادہ محبت ہی جتنی اس کو اپنے بچہ سے[۳] ہے"

اسی طرح ایک اور واقعہ اوپر گذر چکا ہی کہ آپ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، ایک عورت اپنے بچہ کو گود مین لیکر خدمت اقدس مین آئی اور عرض کی یا رسول اللہ! ایک مان کو اپنے بچہ سے جسقدر محبت ہوتی ہی، کیا خدا کو اپنے بندون سے اُس سے زیادہ نہین ہی؟ فرمایا ہان بیشک ہی! اُس نے کہا کوئی مان تو اپنے بچہ کو آگ مین ڈالنا گوارا نہین کرتی، یہ سنکر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہوگیا، پھر سر اٹھاکر فرمایا خدا صرف اس بندہ کو عذاب دیگا جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہی[۴]،

---

[۱] صحیح بخاری، [۲] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ [۳] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۰ باب رحمۃ الولد، [۴] سنن ابن ماجہ باب ما یرجی من الرحمۃ -

ایک دفعہ آپ صحابہ کی مجلس مین تشریف فرما تھے، ایک صاحب ایک چادر مین ایک پرند کو مع اس کے بچون کے لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! مین نے ایک جھاڑی سے ان بچون کو اُٹھاکر کپڑے مین لپیٹ لیا، اس کی مان نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، مین نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً بچون پر گر پڑی، ارشاد ہوا کیا اپنے بچون کے ساتھ مان کی اس محبت پر تمکو تعجب ہی قسم ہی اس ذات کی جس نے مجکو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہی، جو محبت اس مان کو اپنے بچون کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندون کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہی[1]،

آپ محبت الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتون کو ہیچ سمجھتے تھے، وفات سے پانچ دن پہلے آپ نے صحابہ کے مجمع مین ایک خطبہ دیا اس مین فرمایا مین خدا کے سامنے اس بات سے براءت کرتا ہون کہ تم مین سے (یعنی انسانون مین سے) کوئی میرا "دوست" ہو، کیونکہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا جس طرح ابراہیم کو اُس نے اپنا دوست بنالیا تھا، اگر مین اپنی اُمت مین سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا[2]،

وفات کے وقت زبانِ مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا یہ تھا،

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی — خدایا صرف رفیق اعلےٰ مطلوب ہی

یہ الفاظ سنکر حضرت عایشہ نے کہا کہ "اب آپ ہم لوگون کو چھوڑ دین گے[3]"،

اس "رفاقت علوی" کے رازِ جو کسی قدر آشنا ہین وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہین

"انبیاء علیہم السلام چون از مقام دعوت فارغ میگردند، و متوجہ عالم بقا می شوند، مصلحت رجوع (الی الخلق) تمام می شود، شوق تمام بذالرفیق الاعلیٰ برآوردہ، بہ کلیت متوجہ حق

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ۔ [2] صحیح مسلم صفحہ ۲۰۱ باب النہی عن بناء المساجد علی القبور۔ [3] صحیح بخاری باب الوفات،

جل شانہ میسر گردند و درمراتب قرب بیسری نمایند")[1]

توکل علی اللہ (توکل کے یہ معنی ہین کہ انسان کوششون کے نتائج اور واقعاتِ عالم کے فیصلہ کو خدا کے سپرد کردے، اسباب وعلل کے پردے اس کے سامنے سے اُٹھ جائین اور براہ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت مین نظر آئے، بظاہر اسباب وعلل گو ناموافق ہون مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام مین ذرّہ بھر موثر نہین ہو سکتے، بلکہ اصلی قوت وقدرت عالم اسباب سے ماوراہستی کے ہاتھ مین ہے، انسان کا استقلال، عزم، جرأت دبیباکی، یہ تمام باتین اسی ایک اصل کی پرتو ہین، اسی کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات مین بھی زمام صبر اس کے ہاتھ سے نہین چھوٹتی، پرخطر سے پرخطر راستون مین بھی جبن اور ضعفِ ہمت اُس کے قلب مین راہ نہین پاتا، شدید سے شدید حالات مین بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہین چھاتا،

آنحضرت صلعم کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان کے نیچے شدائد ومصیبتون کی کوئی ایسی صنف نہو گی جو آپ کی راہ مین حائل نہوئی ہو، لیکن آپ کا دل کبھی اضطراب وانتشار یا یوسی وناامیدی اور خوف وبیم سے آشنا نہوا، مکہ کی تنہائیون مین، مصائب کے ہجوم مین، دشمنون کے نرغہ مین حنین واحد کے خونریز معرکون مین ہر جگہ توکل واعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے، **ابوطالب** سمجھاتے ہین کہ "جانِ پدر! اس کام سے ہاتھ اُٹھاؤ" آپ فرماتے ہین، "عمِ محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجیے، حق زیادہ دیر تک تنہا نہین رہے گا۔ عجم وعرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا"[2] ایک دوسرے کے جواب مین آپ فرماتے ہین کہ "خدا مجھے تنہا نہین چھوڑ دے گا"۔ مکہ مین ایک

---

[1] مکتوبات امام ربانی، مجدد الف ثانی ؒ مکتوب ۲۰۷ جلد اول [2] یہ دونون واقعہ ابن ہشام مین ہین۔

مصیبت زدہ مایوس صحابی سے ارشاد ہوتا ہے "خدا کی قسم عنقریب وہ وقت آتا ہے جب یہ دین مرتبۂ کمال کو پہنچ جائے گا، اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں رہے گا"[۱]

ایک دفعہ حرم میں بیٹھکر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد اب جیسے ہی یہاں قدم رکھیں ان کی بوٹی بوٹی اڑادی جائے حضرت فاطمہؓ ان کی یہ تقریریں سن ہی تھیں وہ روتی ہوئی آپ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا، آپ نے اُن کو تسکین دی، اور وضو کے لیے پانی مانگا، وضو کرکے آپ بےخطر حرم کی سمت روانہ ہوگئے، جب خاص صحنِ حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپ پر پڑی خود بخود اُن کی نگاہیں جھک گئیں[۲]،

جلد اوّل میں پڑھ چکے ہو کہ شبِ ہجرت میں قریش کے بہادر خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے لیکن آپ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنے عزیز وقوتِ بازو علی مرتضیٰ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا، حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے، بسترِ خواب نہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک اور قادرِ کل ہستی ہے جو تختۂ مقتل کو فرشِ گل بنا سکتی ہے، اُن کو لٹاتے ہوئے نہایت بےپروائی سے فرمایا کہ تمکو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا[۳]،

گھر کے چاروں طرف دشمنانِ قریش محاصرہ کئے ہوئے تھے اور خیال ہوسکتا تھا کہ صبح امید کے انتظار میں مکہ کے برنا و پیر عجب نہیں کو یوں اور گلیوں میں مشتاقِ خبر چل پھر رہے ہوں، لیکن آپ نے اِذنِ الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا اُس وقت سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں زبانِ مبارک پر تھیں جن میں نبوّت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہے، آخری آیت یہ تھی،

---

[۱] صحیح بخاری اداحد جلد اول۔ [۲] مسند احمد جلد اول صفحہ ۳۶۸۔ [۳] ابن ہشام و طبری

وَجَعَلْنَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (یٰسین) — ہمنے اُن کے آگے اور اُن کے پیچھے دیواریں کھڑی کردی ہیں ہمنے انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں

اور یہ بالکل سچ تھا،

مکہ سے نکلکر آپ نے مع حضرت ابوبکرؓ کے غار ثور میں پناہ لی، قریش میں خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا، اور اس لیے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہوگا، وہ آپ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اُسی غار کے پاس پہنچگئے، کون کہسکتا ہے کہ شخص پرخطر حالت میں کسی کے حواس برجا رہ سکتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے گھبراکر عرض کی کہ "یا رسول اللہ دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑجائے گی" لیکن آپ نے روحانیت کی پرسکون آواز میں فرمایا "ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو"[1] پھر جیساکہ قرآن مجید میں ہے، فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا — غم نہ کرو، خدا ہمارے ساتھ ہے،

سینۂ نبوت کے سوا اس روحانی سکون کا جلوہ اور کہاں نظر آسکتا ہے،

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمدؐ کو زندہ یا اُن کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ ملیں گے سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا، اور اس قدر قریب پہنچگیا، کہ وہ آپ کو پاسکتا تھا، حضرت ابوبکرؓ بار بار گھبراکر اُدھر دیکھ رہے تھے لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی مڑکر نہیں دیکھا کہ سراقہ کس ارادہ سے آرہا ہے، یہاں دل پر وہی سکینتِ ربانی طاری تھی اور لب ہائے مبارک تلاوت قرآن میں مصروف تھے[2]،

---

[1] صحیح بخاری و مسلم ہجرت، [2] صحیح بخاری ہجرت۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مدینہ آکر آپ کی زندگی ہر قسم کے خطرون سے محفوظ ہو گئی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ گو اسلام کو یہان اعوان و انصار کی ایک معتد بہ تعداد مل گئی تھی لیکن اسی کے ساتھ ان دشمنون کا سامنا بھی تھا جو دشمنان مکہ سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ مین قریش گو آپ کے دشمن تھے لیکن اُن مین اور رسول اللہ صلعم مین نسبی تعلقات تھے جو کبھی کبھی کسی کو غمخواری اور مواسات پر بھی مائل کر دیتے تھے، لیکن مدینہ کے منافقین اور یہود کو مواسات و ہمدردی کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی تھی۔ علاوہ برین یہود و منافقین مدینہ اور قریش مکہ مین باہم آنحضرت صلعم کے قتل و جلاوطنی کی سازشین شروع ہو گئین تھین[۱]، اس بنا پر صحابہ جان نثاری کی بنا پر آکر راتون کو پہرہ دیا کرتے تھے، اسی زمانہ مین ایک رات صحابہ آپ کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی،

وَاللّٰہُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ) اور اللہ لوگون سے تیری حفاظت کریگا۔

اور آپ نے اُسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر صحابہ سے فرمایا[۲]،

ایھا الناس انصرفوا فقد عصمنی اللہ، لوگو واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے

غزوہ نجد سے واپسی مین آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا، یہان بہت سے درختون کے جھنڈ تھے، دوپہر کا وقت تھا، صحابہ درختون کے سایہ مین اِدھر اُدھر سو رہے تھے، آپ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما تھے، آپ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی کہ ناگاہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک مین تھا، چپکے سے آیا اور آپ کی تلوار اُتار کر نیام سے باہر کی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعۃً آپ ہشیار ہوئے، دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے، بدو نے پوچھا "اے محمدؐ اب مجھ سے تمکو کون بچا سکتا ہے"؟

[۱] سیرۃ جلد اول سلسلۂ غزوات۔ [۲] جامع ترمذی، تفسیر مائدہ

ایک پراطمینان صدا آئی کہ "اللہ"!

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپ پر حملہ کی گھات مین تھا، آپ نے فرمایا "اسکو چھوڑ دو[1] کہ یہ مجکو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہین کرسکتا تھا" یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے، خیبر مین جس یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا، اس سے آپ نے دریافت کیا کہ تمنے[2] یہ حرکت کیون کی، اس نے جواب دیا کہ آپ کے قتل کرنے کے لیے" آپ نے فرمایا کہ خدا تم کو اسپر مسلط[3] نہ کرتا،

احد اور **حنین** کے معرکون مین جب میدانِ جنگ تھوڑی دیر کے لیے جان نثارون سے خالی ہوگیا تھا آپ کا استقلال، توکل علے اللہ و سکینت روحانی کی معجزانہ مثال ہے،

یہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی یکرخی تصویر ہے۔ اس مرقع کا دوسرا رُخ بھی کچھ اس سے کم موثر نہین ہے، آپ پر فقر و غنا کے مختلف دور گذرے، کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبوی کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا، اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے، حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لیے اُٹھا رکھا جائے، لیکن تمام عمر آپ کا طرزِ عمل اس کے خلاف رہا کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیے اُٹھا کر نہین رکھی گئی، ضروری اور بقدر کفاف اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک اہل استحقاق پر صرف کر دیا جاتا تھا، ترمذی مین حضرت انسؓ سے روایت ہے،

ان رسول اللہ صلعم کان لا یدخر لغد	آنحضرت صلعم کل کے لیے کوئی چیز اُٹھا کر نہین رکھتے تھے،

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۷۱
[3] صحیح مسلم باب السم،

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر مین رہ جاتی تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی[1]، بلکہ آپ اُسوقت تک گھر مین تشریف نہین لے جاتے تھے، جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہان خدا کی برکت کے سوا کچھ نہین[2] ہے، اِس قسم کے متعدد واقعات جود وسخا کے عنوان مین مذکور ہین۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے، آپ کو یاد آیا کہ حضرت عایشہ کے، پاس کچھ اشرفیان رکھوائی تھین، وہ پڑی ہون گی، اِس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپ کو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا، ارشاد ہوا کہ "عایشہ! کیا محمدؐ، خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ پہلے ان کو خیرات کر دو[3]"

صبر وشکر (رنج وغم کے متعاقب اور توام دور کسکی زندگی مین نہین آتے، لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصولِ مقصد اور کامیابی کے نشہ مین سرشار اور از خود رفتہ نہ ہو تو دوسری طرف مصائب وآلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کرے، اور یہ یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے، کامیابی وناکامی دونون کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ مین ہے قرآن مجید نے اِس آیت مین اِسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے؛

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ	جتنی مصیبتین زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہین وہ ان کے
اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ	وجود سے پہلے، دیوان قضا مین لکھ لی گئین ہین، یہ بات
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى	خدا کے لیے آسان ہے یہ اس لیے کیا گیا تاکہ تم ناکامی پر
مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ	غم، اور حصولِ مقصد پر فخر نہ کرو، خدا مغرور، اور

[1] صحیح بخاری باب من صلّی بالناس فذکر حاجۃ فتخطاہم ومسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۹۳، [2] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین، [3] مسند احمد وابن سعد جزء الوفاۃ،

لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (حدید ۳) فخار کو دوست نہین رکھتا۔

رسول اللہ صلعم کو اپنی زندگی مین وہ بڑی سے بڑی کامیابیان حاصل ہوئین، جو اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھین، تاہم آپ کے آئینۂ دل مین کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہین ڈالا۔ آپ نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ "مین آدم کے بیٹون کا سردار ہون، لیکن مجھے اس پر فخر نہین" عدی بن حاتم طائی نے جو مذہبًا عیسائی تھے آپ کے جو حالات سنے تھے ان کی بنا پر ان کو یہ شک تھا کہ آپ بادشاہ ہین، یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے تو عین اسی وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض کے لیے بارگاہِ اقدس مین آئی اور مجمع سے ذرا ہٹکر کچھ سن لینے کی درخواست کی آپ فورًا اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس وقت تک گلی مین کھڑے رہے جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہین گئی، عدی کہتے ہین کہ آپ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھکر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پیغمبر ہین بادشاہ نہین[1]،

مفتوح شہرون مین داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہو جاتا ہے لیکن مکہ و خیبر کا فاتح اسوقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی مین جھکا کر شہر مین داخل ہوا، ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ مین جب آنحضرت صلعم ذی طوی مین پہونچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا،

ان رسول اللہ صلعم لما انتھی الی ذی طوی وقف علی راحلتہ ...... لیضع راسہ تواضعًا	جب آنحضرت صلعم ذی طوی مین پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپکو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپنے اپنی سواری پر توقف کیا..... تاکہ اپنا

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۰ ۲ جلد ۲،

لله حین رای ما اکرمہ اللہ بہ من الفتح — سر خدا کے سامنے جھکالین۔ پھر یہان تک آپ جھکے کہ آپکی

حتی ان عثنون لیکاد یمس واسطۃ الرحل[۱] — ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔

آنحضرت صلعم کثرت سے عبادت اور تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے، بعض صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ

خدا تو آپ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا اب آپ کیون یہ زحمت اٹھاتے ہین، ارشاد ہوا

افلا اکون عبداً شکوراً[۲] — کیا مین خدا کا شکرگذار بندہ بنون،

یعنی اگر یہ تعبّد و تسبیح و تحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لیے تھی تو اب اس مرتبہ کے حصول

پر شکرگذاری اور احسان مندی کے اعتراف مین ہے۔

دنیا کے اعاظم رجال جنکو روحانیت کا کوئی حصہ نہین دیا گیا اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوت بازو

اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب و داب کی طرف منسوب کرتے ہین لیکن مقربین الٰہی کی اصطلاح مین

یہ تخیل شرک و کفر کے ہمپایہ ہے، ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر خود **قادر کل** کا دست غیر

مرئی کا کام کرتا نظر آتا ہے، حدیث مین[۳] ہے کہ

انہ کان اذا جاءہ امر سرور او بشر بہ خر — آنحضرت صلعم کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا

ساجداً شاکراً للہ تعالٰی، — تعالٰی کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ فوراً سجدہ مین گر پڑتے تھے،

قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ کو پہونچی تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا[۴]۔ اسی طرح ایک دفعہ

اور کسی بات کی آپ کو خبر دی گئی تو آپ فوراً سجدہ الٰہی بجالائے[۵]،

---

[۱] سیرت ابن ہشام ذکر فتح مکہ، [۲] صحیح بخاری قیام اللیل، [۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔ [۴] زاد المعاد بحوالہ بیہقی بسند علی شرط البخاری جلد اوّل صفحہ ۷۰ [۵] زاد المعاد مذکور بحوالہ ابن ماجہ

وحی کے ذریعہ سے جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھپر درود بھیجے گا اس پر خدا درود بھیجے گا، تو اِس منزلت پر آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا[1]،

حضرت سعد بیان کرتے ہین کہ ہم لوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام زدعراء کے قریب پہونچے تو سواری سے اُتر گئے اور ہاتھ اُٹھا کر دیر تک بارگاہِ الٰہی مین دعا کی، پھر سجدہ مین گئے، اور دیر تک اِسی حالت مین پڑے رہے، پھر سر اُٹھا کر بدستور دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور پھر دیر تک سجدہ مین رہے، پھر اُٹھ کر تضرع کے ساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جبین نیاز خاک پر رکھی، اِس دعا و سجود سے فارغ ہو کر آپ نے صحابہ سے فرمایا "مین نے اپنی امت کی مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا، مین شکر کے لیے سجدہ مین گرا، پھر مزید درخواست کی اس نے وہ بھی قبول کی مین سجدۂ شکر بجالایا اور پھر دعا و زاری کی اس نے اس کو بھی درجہ استجابت بخشا، اور پھر مین سجدہ مین گر پڑا[2]،

سورہ والضحیٰ مین اللہ تعالیٰ نے آپ کے اِسی وصف کو نمایان کیا ہے

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ	(اے پیغمبر!) دن کے پہلے پہر کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالدے
رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ	کہ تیرے پروردگار نے نہ تجکو چھوڑا، اور نہ تجھسے ناراض ہوا، یقیناً
مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ	تیری پچھلی زندگی پہلی سے بہتر ہے وہ تجکو وہ کچھ دیگا جس سے تو خوش
فَتَرْضٰى ۝ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَ	ہو جائیگا کیا اس نے تجکو یتیم نہین پایا تو اپنے پناہ مین لے لیا
جَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا	اور تجکو راہِ حق کا جویان پایا تو اس نے سیدھی راہ دکھادی

[1] مسند احمد عن عبدالرحمن بن عوف [2] ابوداؤد کتاب السجود، [3] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء۔

فَاَغْنٰی ۞ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّائِلَ   اور تجکو مفلس پایا تو غنی کر دیا تو (ان نعمتوں کے شکریہ مین) یتیم پر ظلم نہ کرنا

فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞   اور سائل کو نہ جھڑکنا اور اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرتے رہنا

آپ کی سوانح زندگی کا حرف حرف شاہد ہے کہ آپ عمر بھر کیونکر اس ارشاد ربانی کی تعمیل کرتے رہے،

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ صلعم کی ذات پاک مین یہ دونون متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہوگئے تھے اور آپ کو عملاً دونون کے اظہار کا موقع ملا، حدیث شریف مین ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟" ارشاد ہوا کہ پیغمبرون پر، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگون پر[1]" واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہین، آپ سرور انبیا، تھے، اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ مین سب سے زیادہ آپ کے دوش مبارک پر تھا، اسی لیے قرآن مجید مین بار بار آپ کو صبر کی تلقین کیگئی ہے، سورۂ احقاف مین ہے

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ   (اے پیغمبر!) جسطرح اولوالعزم پیغمبرون نے صبر کیا، تم بھی صبر کرو

آپ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا، عہد طفولیت مین تھے کہ سر سے مان کا سایہ اُٹھ گیا، اس کے دو برس کے بعد دادا نے جنکی نگاہ لطف زخم یتیمی کا مرہم تھی، وفات پائی، نبوت کے بعد ابو طالب نے جو قریش کے ظلم و ستم کی سپر تھے، مفارقت کی، محرم اسرار اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ جو اس ہجوم مصایب مین آپ کی تنہا مونس و غمخوار تھین، موت نے ان کو بھی اسی زمانہ مین آپ سے علیحدہ کر دیا، والدین اور بیوی کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے جسکی مفارقت کا زخم تمام عمر مندمل نہین ہوتا، آپ کی اولاد ذکور حسب اختلاف روایت کم سے کم دو، اور زیادہ سے

[1] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء۔

زیادہ آٹھ تھی، لڑکیون کی تعداد چار تھی، لیکن ایک (حضرت فاطمہ) کے سوا سب نے کمسنی یا جوانی مین آپکی نگاہون کے سامنے جان دی۔ ان واقعات پر اگرچہ کبھی کبھی آپ کی آنکھین اشک آلود ہوگئین لیکن زبان و دل پر ہمیشہ صبر وسکینت کی مہر لگی رہی اور کبھی کوئی کلمہ زبانِ مبارک سے ایسا نہین نکلا جس سے کارکنانِ قضا کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو،

آپ کی سب سے بڑی صاجزادی حضرت زینب نے ۸ھ مین وفات پائی تو تجہیز وتکفین کے متعلق آپ نے خود بنفسِ نفیس ہدایات دین، جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، لیکن زبانِ مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا، حضرت زید (پروردۂ خاص) اور حضرت جعفر (ابن عم) دونون آپ کو بہت محبوب تھے، غزوۂ موتہ مین ان کی شہادت کی خبر آئی تو چشم مبارک اشک آلود ہوگئی، لیکن اسی اثنا مین حضرت جعفر کے گھر سے نوحہ کی آواز آئی، تو آپ نے منع کر بھیجا، آپ کا ایک نواسہ جس سے آپ کو محبت تھی مبتلاے نزع ہوا تو صاجزادی نے بُلا بھیجا لیکن آپ نے اس کے جواب مین سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا،

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ	اللہ نے جو لےلیا وہ اُسی کا تھا اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے
بِاَجَلٍ مُّسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ،	اسکا ہر کام وقت مقررہ پر ہوتا ہے، صبر کرو اور اس سے خیر طلب کرو،

صاجزادی نے دوبارہ بہ اصرار بلایا، آپ چند صحابہ کے ساتھ وہان تشریف لیگئے، بچہ آپ کی گود مین رکھدیا گیا، وہ دم توڑ رہا تھا، آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، ایک صحابی نے کہا "یارسول اللہ یہ کیا ہے" فرمایا یہ جذبۂ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندون کے دل مین رکھا ہے، خدا اپنے بندون مین سے رحمدلون ہی پر رحم کرتا ہے،

ایک بار آپ سعد بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لائے، اور ان کی حالت دیکھکر فرمایا کہ "انتقال کر گئے" صحابہ نے کہا نہین یارسول اللہ! آپ رو پڑے، تو آپ کو روتے دیکھکر صحابہ بھی رو پڑے، آپ نے فرمایا "اللہ تعالی آنکھون کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہین کرتا، لیکن زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ) اس سے عذاب ہوتا ہے، حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت جب آپ کی آنکھون سے اشک محبت جاری ہوئے تو عبد الرحمان بن عوف نے کہا "یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے" فرمایا "یہ رحمت وشفقت ہے" حضرت عبد الرحمن نے دوبارہ گذارش کی، ارشاد ہوا[1]،

إنّ العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول	آنکھ اشک ریز ہے، دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی کہین گے جو
إلا ما يرضى ربّنا وإنّا بفراقك يا ابراهيم	ہمارے رب کی مرضی ہو، اے ابراہیم ہم تمہارے فراق
لمحزونون،	مین بہت غمگین ہین،

بہرحال یہ واقعات آتی ہین یعنی ان کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہے، پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع مصائب وحوادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیمانۂ صبر لبریز نہ ہونے پائے، سخت مشکل ہے، ہجرت سے پہلے ۱۳ سال تک طایف اور مکہ کے اشقیا نے دعوت حق کا جس تحقیر واستہزا سب وشتم، تعذیب وایذارسانی کے ساتھ جواب دیا، اس کے دہرانے کی حاجت نہین، مدینہ منورہ مین آٹھ نو برس تک جن خونین معرکون کا ہمیشہ سامنا رہا، اور دشمنون نے آپ کی جلاوطنی وقتل وشکست کے جو جو منصوبے باندھے ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہین لیکن ان تمام تیرون کی بوچھار صبر کے سوا آپ نے کس سپر پر روکی؟

[1] ان تمام واقعات کے لیے صحیح بخاری کتاب الجنائز دیکھو،

اس سے بھی زیادہ مشکل اُن واقعات پر صبر ہی جو خود اختیاری ہون، فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتی تھی لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملتا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقرا مین لٹ چکا ہوتا، چنانچہ اسی بنا پر خود آپ اور تمام اہلبیت کی زندگی اکثر فقر و فاقہ مین گذرتی تھی، جسم مبارک کے لیے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑا نہین ہوتا تھا، تاہم یہ تمام شدائد اس لیے گوارا تھے کہ صبر کی لذت الوانِ نعمت کی خوشگواری اور لباس ہاے فاخرہ کی مسرت سے کہین زیادہ تھی۔

لیکن سب سے زیادہ حوصلہ شکن اور صبر آزما اس تیر کا نشانہ ہی جو دشمنون کے نہین بلکہ دوستون کے ہاتھ سے لگایا جاے دو دفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانون نے آپ کے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر مبنی تھا، اعتراض کیا، اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، صحیح بخاری مین ہی کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریون نے اعتراض کیا کہ آنحضرت صلعم نے یہ دوسرون کو کیون دیدیا حق تو ہمارا تھا، آپ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا

رحمۃ اللّٰہ علی موسیٰ قد اوذی اکثر من ذلک فصبر (باب غزوۂ حنین)

موسیٰ پر خدا کی رحمت ہو وہ اس سے بھی زیادہ (اپنے دوستون کی طرف سے) ستائے گئے ہین لیکن انہون نے صبر کیا)

اخلاق نبوی

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

(حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا یہ وہ حصّہ ہی جہان اگر آپ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہی، تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظون کا خود عملی نمونہ کیا تھا، تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی، دنیا کے تمام مصلحین اخلاق مین گوتم بدھ اور مسیح کا درجہ سب سے بڑا ہے، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلح اعظم (بودھ) عملاً خود کیا تھا، کوہ زیتون کے ریمانہ اخلاق کا واعظ (مسیحؑ) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا، لیکن اسکی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زرین مقولون کی تائید مین تم کو معلوم ہے؟

لیکن مکہ کا معلم اُمّی پکار کر کہتا تھا،

لم تقولون مَا لا تفعلون (بقرہ) — جو نہین کرتے، وہ کہتے کیون ہو،

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانون کے مجمع عام مین وہ جو کچھ کہتا تھا، گھر کے خلوت کدہ مین وہ اسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق و عمل کا جو نکتہ وہ دوسرون کو سکھاتا تھا، وہ خود اس کا عملی پیکر بنجاتا تھا، بیوی سے بڑھکر انسان کے اخلاق کا اور کون راز دان ہو سکتا ہے، چند صاحبون نے آکر حضرت عائشہ سے درخواست کی کہ حضرتؐ کے اخلاق بیان کیجیے، اُنھون نے پوچھا کیا تم قرآن نہین پڑھتے؟ ان خلق رسول اللہ صلعم کان القرآن، آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا[1]۔

---

[1] ابو داؤد باب الصلوۃ فی اللیل۔

موجودہ صحائفِ آسمانی اپنے داعیون کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہین لیکن کیا ان کا ایک حرف
بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہو، قرآن مجید لاکھون مخالفین اور اہل عناد کی بھیڑ مین اپنے داعی حق کی
نسبت گویا تھا،

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ — اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو،

بید رونکتہ چین آج تیرہ سو برس کے بعد آپ کو سنگدل کہتے ہین لیکن اسوقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا
قرآن خود دشمنون کے مجمع مین آپ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران) — خدا کی عنایت سے تم اُن سے بنرمی پیش آتے ہو، اگر تم کہین کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے

دوسری جگہ کہتا ہے،

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (توبہ) — تمہارے پاس تم مین سے خود ایک پیغمبر آیا، اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہو تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہو،

مسئلۂ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کیگئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو
پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیدیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہرتہ مین اور واقعات کے ہر
پہلو مین نمایان ہوتی ہو، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت
غرض ہرجگہ اور ہر ایک تک دائرۂ اخلاق کی وسعت ہے، آنحضرت صلعم کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت
سے نظر ڈالنی چاہیے،

اخلاقِ نبوی کا جامع بیان اس سے پہلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، اُن صاحبون کے بیانات زیر تحریر آتے ہین، جنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین سالہا سال اور مدتہاے دراز بسر کی ہین اور جو آپ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھکر دنیا مین کون ہوسکتا ہی، حضرت **خدیجۃ الکبریٰ** جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمتِ زوجیت مین رہی تھین زمانۂ آغاز وحی مین آپ کو اِن الفاظ مین تسلّی دیتی تھین "ہرگز نہین، خدا کی قسم، خدا آپکو کبھی غمگین نہ کریگا، آپ صلۂ رحم کرتے ہین، مقروضون کا بار اُٹھاتے ہین، غریبون کی اعانت کرتے ہین، مہمانون کی ضیافت کرتے ہین، حق کی حمایت کرتے ہین، مصیبتون مین لوگون کے کام آتے ہین[۱]"

امہات المومنین مین حضرت **عایشہ** سے بڑھ کر کسی نے آپ کے اوصاف تفصیل سے نہین بیان کئے ہین، فرماتی ہین "آنحضرت صلعم کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ مین بُرائی نہین کرتے تھے، بلکہ درگذر کرتے تھے، اور معاف فرمادیتے تھے، آپ کو جب دو باتون مین اختیار دیا جاتا تو ان مین جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہو، ورنہ آپ اُس سے بہت دور ہوتے، آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ مین انتقام نہین لیا، لیکن جو احکام الہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اُس سے انتقام لیتا تھا (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی آپ اس پر حد جاری فرماتے تھے) آپ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہین کی، آپ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور کو اپنے

---

[۱] صحیح بخاری باب بدء الوحی، [۲] جامع ترمذی و شمائل ترمذی [۳] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد، کتاب الادب،
[۴] یہ تفصیل مسلم اور ابوداؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات مین حضرت عایشہ سے مروی ہی،

ہاتھ سے نہین مارا، آپ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہین فرمائی، لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو[1]، آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خندان ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستون مین پانون پھیلاکر نہین[2] بیٹھتے تھے، باتین ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے[3]"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلعم کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس مین رہے تھے، ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے اُن سے آپ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا، فرمایا "آپ خندہ جبین، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہین کرتے تھے، کوئی بُرا کلمہ منہ سے کبھی نہین نکالتے تھے، عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کے ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے، (یعنی صراحۃً انکار و تردید نہین کرتے تھے، بلکہ خاموش رہتے تھے، اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزین آپ نے بالکل دور کر دی تھین، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس مین پڑنا، دوسرون کے متعلق بھی تین باتون سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو بُرا نہین کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہین کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ مین نہین رہتے تھے، وہی باتین کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا، جب آپ کلام کرتے صحابہ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سرون پر پرندے بیٹھے ہین، جب آپ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس مین بات چیت کرتے، کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، چپ سنا کرتے، لوگ جن باتون پر

[1] حاکم بہ سند متصل اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم مین بھی ہین۔ [2] ابن سعد [3] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد۔

ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے، دوسرون کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہین کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ کے احسان وانعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہو جاتا آپ اسکی بات درمیان سے نہین کاٹتے تھے، نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع، اور نہایت خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعۃً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے[2] لگتا"

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت صلعم کے آغوش پرورده تھے وہ بیان کرتے ہین[3] کہ "آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہین رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتون پر اظہار شکر فرماتے تھے، کسی چیز کو برا نہین کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے، اور اس کو برا بھلا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آجاتا، اور اسکی پوری حمایت کرتے، لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپکو غصہ نہین آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔)

مداومتِ عمل اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہی کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اُس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اسکی فطرت ثانیہ بن جائے انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرۃً اُسی پر مجبول ہے، آفتاب صرف روشنی بخشتا ہی، اُس سے تاریکی کا صدور نہین ہو سکتا، رات تاریکی ہی پھیلاتی ہی، وہ روشنی کی علت نہین، درخت اپنے موسم ہی مین پھلتے ہین اور پھول ایام بہار ہی مین پھولتے ہین، حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال واخلاق سے ایک سر مو تجاوز نہین کر سکتا، لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے، وہ آفتاب بھی ہی، اور

---

[1] یہ پوری تفصیل شمائل ترمذی بیانِ اخلاق مین ہی [2] یہ ٹکڑہ شمائل ترمذی بیان حلیۂ مبارک مین ہی [3] شمائل ترمذی،

رات کی تاریکی بھی، اس کے جوہر کا درخت ہر موسم مین پھلتا ہے، اور اُس کے اخلاق کے پھول ایام و
کے پابند نہین۔ وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال واخلاق پر مجبور نہین، اس کو اختیار د
اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے، اُ
اس شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے، کہ گویا و
اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے، اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لین کہ اس شخص
اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہین سکتی، گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہین
آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل اور پھول سے خوشبو، کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت مین الگ
نہین ہو سکتین، اِسی کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے،

آنحضرت صلعم اپنے تمام کامون مین اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس ط
سے جو وقت آپ نے شروع فرمایا، اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے، سُنّت کا لفظ ہما
شریعت مین اسی اصول سے پیدا ہوا ہے، سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضرت صلعم نے ہمیشہ مداومت
فرمائی، اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہین فرمایا، اس بنا پر جس قدر سنن ہین وہ درحقیقت آ
استقامت حال اور مداومت عمل کی ناقابل انکار مثالین ہین، آپ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے
ہے، جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپ کے تمام اخلاق واعمال کسقدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر اس
ایک ذرہ فرق نہین پیدا ہوا، ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم کے عبادات واعمال کے متع
حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کسی خاص دن یہ کرتے تھے، انھون نے جواب دیا لاکان

آپ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برسنے پر آتی ہے تو نہین رکتی، اسی طرح آپکا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ نے اختیار کرلی ہمیشہ اسکی پابندی کی پھر فرمایا وایکم یستطیع ما کان النبی صلعم یستطیع آنحضرت صلعم جو کرسکتے تھے وہ تم مین سے کون کرسکتا ہے[1]، دوسری روایت مین ہو

وکان اذا عمل عملاً اثبته[2] جب آنحضرت صلعم کوئی کام کرتے تھے تو اسپر مداومت فرماتے تھے

اس لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خود ارشاد[3] ہے،

ان احب العمل الی اللہ ادومہ، خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہو جسپر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے

آپ راتون کو اُٹھکر عبادت کیا کرتے تھے، حضرت عایشہ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے کبھی رات کی یہ عبادت ترک نہین کی، اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سُست ہوا تو بیٹھکر ادا کرتے[4] تھے، جریر بن عبد اللہ ایک صحابی ہین جنکو دیکھکر آپ محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے، ان کا بیان ہو کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ مین خدمت اقدس مین حاضر ہوا ہون اور آپ نے مسکرانہ دیا[5] ہو،

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ نے مقرر کرلیا تھا اس مین کبھی تخلف نہوا، نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جُلنے کے طرز و انداز مین کبھی فرق نہین آیا، اور اب وہی مسلمانون کی زندگی کا دستور العمل ہے،)

حسن خلق! (حضرت علی حضرت عایشہ، حضرت انس، حضرت ہند بن ابی ہالہ وغیرہ جو مدتون آپ کی خدمت مین رہے تھے، ان سب کا متفقہ بیان ہو کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نکو سیرت تھے آپکا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق، [2] ابو داؤد آخر کتاب الصلوۃ و صحیح بخاری کتاب الادب [3] ایضاً [4] ابو داؤد قیام اللیل [5] صحیح مسلم مناقب جریر بن عبد اللہ،

چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہین کرتے تھے،)

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپ کے کان مین کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اُسکی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود مونھہ نہ ہٹالے۔ مصافحہ مین بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہات ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اُسکا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس مین بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینون سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے،[1]

اکثر نوکر چاکر، لونڈی غلام خدمت اقدس مین پانی لیکر آتے کہ آپ اس مین ہات ڈال دین تاکہ تبرک ہوجائے، جاڑون کے دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ کبھی انکار نہ فرماتے؛[2]

ایک دفعہ آپ سعد بن عبادہ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انھون نے اپنے صاحبزادہ قیس کو ساتھ کر دیا، کہ آنحضرت صلعم کے ہمرکاب جائین۔ آنحضرت صلعم نے قیس سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہولو، اُنھون نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہولو، یا گھر واپس جاؤ، وہ واپس چلے آئے،[3]

ایک دفعہ نجاشی کے ہان سے ایک سفارت آئی آپ نے اس کو اپنے ہان مہمان رکھا اور خود بہ نفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیے، صحابہ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دین گے، ارشاد ہوا کہ ان لوگون نے میرے دوستون کی خدمت گذاری کی ہی اس لیے مین خود ان کی خدمت گذاری کرنی چاہتا ہون[4]۔

---

[1] ابو داؤد و ترمذی [2] صحیح مسلم باب فی قرب النبی صلے اللہ علیہ وسلم من الناس۔ [3] سنن ابو داؤد کتاب الادب
[4] شرح شفا ے قاضی عیاض بحوالہ دلایل بیہقی جلد اخلاق۔

عتبان بن مالک جو اصحاب بدر مین تھے ان کی بینائی مین فرق آگیا تھا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر درخواست کی کہ مین اپنے محلہ کی مسجد مین نماز پڑھاتا ہون لیکن جب بارش ہو جاتی ہو تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر آپ میرے گھر مین تشریف لاکر نماز پڑھ لیتے تو مین اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا' دوسرے دن صبح کے وقت آپ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر اُن کے گھر گئے' اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا' اندر سے جواب آیا تو گھر مین تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہان نماز پڑھون؟ اُنھون نے جگہ بتا دی' آپ نے تکبیر کہکر دو رکعت نماز ادا کی' نماز کے بعد لوگون نے کھانے کے لیے اصرار کیا' حریرہ ایک کھانا ہوتا ہو' قیمہ پر چھڑک کر تیار کرتے ہین وہ سامنے آیا' محلہ کے تمام لوگ کھانے مین شریک ہوئے' حاضرین مین سے کسی نے کہا مالک بن دخشن نظر نہین آتے' ایک نے کہا وہ منافق ہو' ارشاد فرمایا یہ نہ کہو' وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہین' لوگون نے کہا ہان لیکن ان کا میلان منافقین کی طرف ہے' آپ نے فرمایا جو شخص خدا کی مرضی کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہو خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے[1]۔

(ابتداے ہجرت مین خود آنحضرت صلعم اور تمام مہاجرین انصار کے گھر مہمان رہے تھے' دس دس آدمیون کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر مین مہمان اتاری گئی تھی مقداد بن الاسود کہتے ہین کہ مین اس جماعت مین تھا جسمین خود آنحضرت صلعم شامل تھے' گھر مین چند بکریان تھین جن کے دودھ پر گذارہ تھا' دودھ دُہ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے اور آپ کے لیے پیالہ مین چھوڑ دیتے' ایک شب کا واقعہ ہو کہ آنحضرت صلعم کی تشریف آوری مین تاخیر ہوئی' لوگ دودھ پی پی کر سو رہے' آپ نے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا' خاموش ہو رہے' پھر فرمایا خدایا! جو آج کھلا دے اس کو تو بھی کھلا دینا' حضرت مقدادؓ

[1] بخاری جلد اول صفحہ ۶۱ کتاب الصلوٰۃ'

چھری لیکر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کر کے گوشت پکائین، آپ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دُوہ کر جو کچھ نکلا اُسی کو پی کر سو رہے[1] اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔

ابو شعیب رضؓ ایک انصاری تھے ان کا غلام بازار مین گوشت کی دوکان رکھتا تھا، ایک دن وہ خدمت اقدس مین آئے، آپ صحابہ کے حلقہ مین تشریف فرما تھے اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا، ابو شعیب رضؓ نے جاکر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیون کا کھانا طیار کردو، کھانا طیار ہو چکا تو آکر آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ صحابہ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائین، کل پانچ آدمی تھے، راہ مین ایک اور شخص ساتھ ہولیا آنحضرتؐ نے ابو شعیب سے کہا کہ یہ شخص بے کہے ساتھ ہولیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے ورنہ رخصت کردیا جائے، اُنھون نے کہا آپ اِن کو بھی ساتھ لائین[2]۔

عقبہ بن عامر ایک صحابی تھے ایک دفعہ آنحضرت صلعم پہاڑ کے درہ مین اونٹ پر سوار جا رہے تھے یہ بھی ساتھ تھے، آنحضرت صلعم نے ان سے کہا کہ "آؤ سوار ہو لو" اُنھون نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہون، آنحضرت صلعم نے دوبارہ کہا، اب انکار کرنا امتثال امر کے خلاف تھا، آنحضرت صلعم اُتر پڑے اور یہ سوار ہو لیے[3]،

مجالسِ صحبت مین لوگون کی ناگوار باتون کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینب رضؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہین بیٹھے رہے، اس وقت پردہ کا حکم نازل نہین ہوا تھا، اور حضرت زینبؓ بھی مجلس مین شریک تھین آپ چاہتے تھے کہ لوگ اُٹھ جائین، لیکن زبان سے کچھ نہین فرماتے تھے، لوگون نے کچھ خیال نہ کیا، آپ اُٹھ کر حضرت عایشہ کے حجرہ تک گئے،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴ - [2] بخاری صفحہ ۸۲۱ [3] نسائی صفحہ ۸۰۳،

واپس آے تو اسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے، اور دوبارہ تشریف لائے، پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری[1]۔

غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ مین نماز کا وقت آگیا، حسب دستور ٹھہر گئے، موذن نے اذان دی **ابو محذورہ** جو اس وقت تک اسلام نہین لائے تھے، چند دوستون کے ساتھ گشت لگا رہے تھے، اذان سنکر سب نے چلا چلا کر استہزاء کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی، آنحضرت صلعم نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی، ابو محذورہ خوش لحن تھے ان کی آواز پسند آئی سامنے بٹھا کر سر پر ہات پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی، پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اسی طرح حرم مین اذان دیا کرنا[2]۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن مین مین انصار کے نخلستان مین چلا جاتا اور ڈھیلون سے مار کر کھجورین گراتا، لوگ مجکو خدمت اقدس مین لے گئے، آپ نے پوچھا ڈھیلے کیون چلاتے ہو؟ مین نے کہا کھجورون کے لیے، ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجورین کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہکر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی[3]۔

عباد بن شرحبیل مدینہ مین ایک صاحب تھے، ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت مین ایک باغ مین گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے، کچھ دامن مین رکھ لیے، باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اسنے آکر ان کو مارا اور کپڑے اتروا لیے یہ آنحضرت صلعم کے پاس شکایت لیکر آئے، مدعا علیہ بھی ساتھ تھا، آپ نے اسکی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینا تھا، یہ بھوکا تھا اس کو کھانا کھلانا تھا، یہ کہکر کپڑے

[1] بخاری صفحہ ۹۲۲، باب آیۃ الحجاب، [2] دارقطنی مطبوعہ دہلی جلد اول صفحہ ۸۶ کتاب الصلوۃ [3] ابوداؤد کتاب الجہاد،

واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔[1]

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے تو ان کو گھروں سے نکال دیتے، اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے، آنحضرت صلعم جب مدینہ مین تشریف لائے تو انصار نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، اس پر آیت اتری کہ اس حالت مین مقاربت ناجائز ہے، اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہین، یہودیون نے آپ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ شخص بات بات مین ہماری مخالفت کرتا ہے صحابہ آپ کی خدمت مین آئے کہ یہود جب یہ کہتے ہین تو ہم مقاربت بھی کیون نہ کرین، رخسارۂ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا، دونون صاحب چلے گئے، آپ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزین بھیجین اس وقت انکو تسکین ہوئی کہ آپ ناراض نہ تھے،[2]

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے، ایک دفعہ ایک صاحب زرد کپڑے پہنکر خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے کچھ نفرمایا، جب وہ اُٹھکر چلے گئے تو لوگون سے کہا کہ ان سے کہدینا کہ یہ رنگ دھو ڈالین[3]،

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا اچھا آنے دو، وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہین ہے، لیکن جب وہ خدمت مبارک مین حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی، حضرت عائشہ کو اس پر تعجب ہوا اور آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو اس کو اچھا نہین سمجھتے تھے، پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا، آپ نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جسکی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دین[4]،

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ کتاب البیوع۔ [2] ابوداؤد باب مواکلۃ الحائض [3] ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب، [4] صحیح بخاری و ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب،

یہود جس درجہ شقی اور دشمن اسلام تھے، اس کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا، بایں ہمہ آنحضرت صلعم ان سنگدلوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور اُن سے داد وستد رکھتے سخت سے سخت غصہ کی حالت مین صرف اس قدر فرماتے "اسکی پیشانی خاک آلود ہو"[1]

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہین کہ مدینہ مین ایک یہودی رہتا تھا جس سے مین قرض لیا کرتا تھا، ایک سال اتفاق سے کھجورین نہین پھلین اور قرضہ ادا نہ ہو سکا اس پر پورا سال گذر گیا، بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا، اب کی بھی پھل کم آئے، مین نے آیندہ فصل کی مہلت مانگی، اس نے انکار کیا، مین نے آنحضرتؐ سے آکر تمام واقعات بیان کیے، آپ چند صحابہ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دیدو، اُس نے کہا "ابو القاسم! مین کبھی مہلت نہ دونگا" آپ نخلستان مین تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے، اور اس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہوا، بالآخر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترہ پر (جو مسقّف تھا) فرش بچھا دو، اس پر آرام فرمایا اور سو گئے، سو کر اُٹھے تو پھر یہودی سے خواہش کی کہ مہلت دیدے، اُس شقی نے اب بھی نہ مانا، اب آپ درختون کے جھنڈ مین جا کر کھڑے ہو گئے اور جابر سے کہا کہ کھجورین توڑنی شروع کرو، آنحضرت صلعم کی برکت سے اتنی کھجورین نکلین کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہین[2]،

(مجلس نبوی مین جگہ بہت کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ باقی نہین رہتی تھی ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیے آپ خود اپنی رداے مبارک بچھا دیتے تھے، ایک دفعہ مقام جعرانہ مین آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے اور اپنے ہاتھ سے لوگون کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے مین

[1] ادب المفرد امام بخاری [2] بخاری صفحہ ۸۱۰ باب الرطب والتمر،

ایک عورت آئی اور آپ کے پاس چلی گئی، آنحضرت صلعم نے دیکھا تو اسکی نہایت تعظیم کی، اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھا دی، راوی کہتا ہے کہ مین نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی، تو لوگون نے کہا یہ حضور کی رضاعی ماں تھین[1]،

اسی طرح ایک دفعہ کا اور ذکر ہے کہ آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد آئے، آپ نے اُن کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا، پھر رضاعی ماں آئین، آپ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا، آخر مین رضاعی بھائی آئے، تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کو اپنے سامنے بٹھالیا[2]،

حضرت ابوذر مشہور صحابی ہین، ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا تو وہ گھر مین نہین ملے، تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ لیٹے ہوئے تھے، ان کو دیکھکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگا لیا[3]،

حضرت جعفر بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے تو آپ نے ان کو گلے لگالیا اور انکی پیشانی کو بوسہ دیا[4]،

سلام مین پیش دستی فرماتے، راستہ مین جب چلتے تو مرد، عورتین بچے جو سامنے آتے انکو سلام کرتے[5]، ایک دفعہ آپ راستہ سے گذر رہے تھے ایک مقام پر مسلمان اور منافق دکا فر یکجا بیٹھے ملے۔ آپ نے سب[6] کو سلام کیا۔

کسی کی کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس مین نام لیکر اس کا ذکر نہین کرتے تھے، بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہین، لوگ ایسا کہتے ہین۔ بعض لوگون کی یہ عادت ہی، یہ طریقۂ ابہام اس لیے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہوا اور اس کے احساس غیرت

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب، [2] ابوداؤد کتاب الادب برّالوالدین ۔ [3] ابوداؤد کتاب الادب باب المعانقہ [4] حوالہ سابق ۔ [5] بخاری وابوداؤد، باب السلام [6] بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا الکافر۔

مین کمی نہ آجاے

حسنِ معاملہ | اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہان تک کہ وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ مین بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہان گرو تھی لیکن ہرحال مین حسنِ معاملہ کا سخت اہتمام تھا۔ مدینہ مین دولتمند عموماً یہودی تھے اور اکثر انہی سے آپ قرض لیا کرتے، یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے ہین آپ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیان برداشت فرماتے تھے،

(نبوت سے پہلے جن لوگون سے آپ کے تاجرانہ تعلقات تھے، انھون نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسنِ معاملہ کا اعتراف کیا ہے اسی لیے قریش نے متفقاً آپ کو امین کا خطاب دیا تھا۔ نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے تاہم انکی دولت کے لیے مامون مقام آپ ہی کا کاشانہ تھا، عرب مین سائبؓ نام ایک تاجر تھے وہ مسلمان ہوکر بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے، لوگون نے مدحیہ الفاظ مین آپ سے ان کا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا "مین ان کو تم سے زیادہ جانتا ہون" سائب نے کہا میرے مان باپ فدا، آپ میرے ساجھی تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا[1]

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجورین قرض کے طور پر لین چندروز کے بعد وہ تقاضا کو آیا آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کرین، انصاری نے کھجورین دین لیکن ویسی عمدہ نہ تھین جیسی اُسنے دی تھین، اس شخص نے لینے سے انکار کیا، انصاری نے کہا تم رسول اللہ کی عطاکردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو، بولا ہان، رسول اللہ عدل نہ کرین گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے، آنحضرت صلعم نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے، اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے[2]

---

[1] ابوداؤد، جلد ۲ صفحہ ۲۱۷، [2] ترغیب و ترہیب بحوالہ مسند احمد صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ مصر، جلد ۲،

ایک دن ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آنحضرت صلعم پر تھا، بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہین اُسنے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی، صحابہ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھکو خبر ہے تو کس سے ہمکلام ہی، بولا کہ مین تو اپنا حق مانگ رہا ہون، آنحضرت صلعم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگون کو اسی کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ اس کا حق ہو (قرضخواہ کو بولنے کا حق ہی) اس کے بعد صحابہ کو اس کا قرض ادا کر دینے کا حکم فرمایا اور زیادہ دلوایا[1])

ایک غزوہ مین حضرت عبداللہ بن جابر انصاری ہمرکاب تھے ان کی سواری مین جو اونٹ تھا سست رو تھا، اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہوگیا تھا، آپ نے اونٹ اُن سے خرید لیا اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دیدیا کہ دونون تمھارے ہین[2]،

(یہی واقعہ ایک روایت مین اس طرح پر ہو کہ آنحضرت صلعم نے ان سے فرمایا تمھارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو، اُنھون نے دی، آپ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا، پھر آنحضرت صلعم نے ان سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کا سواری کا حق ہے مدینہ پہنچکر جابر بن عبداللہ نے قیمت طلب کی آپ نے بلال رض سے فرمایا کہ ان کو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو، چنانچہ حضرت بلال رض نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا[3])

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرضہ تو نہیں ہی اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا تو صحابہ سے فرماتے تم جنازہ کی نماز پڑھاو، خود شریک نہ ہوتے[4]،

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا

---

[1] ابن ماجہ باب لصاحب الحق سلطان [2] بخاری صفحہ ۲۸۲ باب شری الدواب [3] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ [4] صحیح بخاری صفحہ ۸۰۹ کتاب النفقات

سب سے بہتر وہ لوگ ہین جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہین[1]۔

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا، سو اتفاق سے وہ گم گیا تو اس کا تاوان ادا فرمایا[2]،
عموماً فرمایا کرتے تھے کہ مین تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہین کرتا، بجز اوس دینار کے جسکو قرض ادا کرنے کے انتظار مین اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہون[3]۔

ایک دفعہ ایک بدّو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا آنحضرت صلعم کو خیال یہ تھا کہ گھر مین چھوہارے موجود ہین، آپ نے ایک وسق چھوہارون پر گوشت چکالیا، گھر مین آکر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے، باہر تشریف لاکر قصاب سے فرمایا کہ مین نے چھوہارون پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہین ہین، اُسنے واویلا مچائی کہ ہاے بد دیانتی! لوگون نے سمجھایا کہ رسول اللہ بد دیانتی کرین گے؟ آپ نے فرمایا نہین چھوڑ دو اس کو کہنے کا حق ہے، پھر قصاب کی طرف خطاب کرکے وہی فقرہ ادا کیا اُس نے پھر وہی لفظ کہے، لوگون نے پھر روکا، آپ نے فرمایا اس کو کہنے دو اس کو کہنے کا حق ہے، اور اس جملہ کو کئی بار دھراتے رہے، اس کے بعد آپ نے ایک انصاریہ کے ہان اس کو بھجوا دیا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہان سے لے لے، جب وہ چھوہارے لیکر پلٹا تو آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس کا دل آپ کے حلم و عفو اور حسن معاملت سے متاثر تھا، دیکھنے کے ساتھ بولا "محمدؐ! تمکو خدا جزاے خیر دے تم نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی[4]"۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر فروکش تھا، ایک سرخ رنگ کا اونٹ اُسکے ساتھ تھا، اتفاقاً اُدھر سے آپ کا گذر ہوا آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگون نے قیمت بتائی،

[1] ترمذی صفحہ ۱۶۷، [2] ترمذی صفحہ ۱۷۲۔ [3] بخاری جلد ا صفحہ ۳۲۲ کتاب الاستقراض [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۶۸

بے مول تول کئے آنحضرت صلعم نے وہی قیمت منظور کرلی، اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے، بعد کو لوگون کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہمنے جانور کیون حوالہ کردیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی، قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، اُس نے کہا "مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہین دیکھا" یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو آپ نے اُن کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجورین بھجوادین[1]،

غزوۂ حنین مین آپ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی، صفوان اس وقت تک کافر تھے، اُن کے پاس بہت سی زرہین تھین، آپ نے اُن سے کچھ زرہین طلب کین، انہون نے کہا "محمد! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟" فرمایا "نہین، مین عاریۃً مانگتا ہون، اگر ان مین سے کوئی تلف ہوئی تو مین تاوان دونگا" چنانچہ انھون نے تیس چالیس زرہین مسلمانون کو عاریۃً دین حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ اور دیگر سامانون کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زرہین کم نکلین، آپ نے صفوان سے کہا، تمہاری چند زرہین کم ہین، انکا معاوضہ لے لو، صفوان نے عرض کی "یا رسول اللہ صلعم میرے دل کی حالت اب پہلی جیسی نہین[2]" یعنی مسلمان ہوگیا، اب معاوضہ کی حاجت نہین،

عدل وانصاف کوئی شخص گوشہ نشین ہوکر بیٹھ جائے تو اس کے لیے عدل وانصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے آنحضرت صلعم کو عرب کے سیکڑون قبایل سے کام پڑتا تھا، یہ آپس مین ایک ایک کے دشمن تھے، ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بنجاتا، اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت صلعم کو تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا، ان سب مشکلات اور پیچیدگیون پر بھی عدل وانصاف

---

[1] دارقطنی جلد ثانی ص ۳۰۰ کتاب البیوع، [2] ابوداؤد باب تضمین العاریۃ،

کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا،

فتح مکہ کے بعد تمام عرب مین صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خم نہین کی، آنحضرت صلعم نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اُٹھالینا پڑا، صخر ایک رئیس تھے اُن کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جا کر طائف کی حصار بندی کی اور اہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہوگئے، صخر نے بارگاہ نبوت مین اطلاع کی مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے کہ صخر نے میری پھوپی کو قبضہ مین کر رکھا ہے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو، اس کے بعد بنو سلیم آئے کہ جس زمانہ مین ہم کافر تھے صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا اب ہم اسلام لائے ہمارا چشمہ ہم کو دلا دیا جائے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان ومال کی مالک ہو جاتی ہے اس لیے ان کو انکا چشمہ دیدو، صخر کو منظور کرنا پڑا، راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت کے حکم سے صخر نے دونون حکم منظور کیے تو مین نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کے چہرہ پر شرم سے سرخی آگئی[1] کہ صخر کو دونون معاملون مین شکست ہوئی، اور فتح طائف کا اُن کو کوئی صلہ نہ ملا،

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان مخزوم سے تھی چوری کی، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے، حضرت اسامہ بن زید رسول اللہ کے محبوب خاص تھے لوگون نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجیے، انھون نے آنحضرت صلعم سے معافی کی درخواست کی، آپ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کے بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امرا سے درگذر کرتے تھے[2]

---

[1] ابو داؤد صفحہ ۸۰ جلد ۲ – [2] صحیح بخاری کتاب الحدود –

خیبر کے یہودیون سے جب صلح ہوکر وہان کی زمین مجاہدین مین تقسیم کردی گئی تو عبد اللہ بن سہل ایکدفعہ کھورون کی بٹائی کے لیے گئے، محیصتہ ان کے چچیرے بھائی بھی ساتھ تھے، عبد اللہ گلی مین جارہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کرکے لاش ایک گڈھے مین ڈال دی، محیصتہ نے آکر رسول اللہ صلعم کے پاس جاکر استغاثہ کیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "تم قسم کھاسکتے ہوکہ یہودیون نے ان کو قتل کیا" بولے "مین نے اپنی آنکھ سے نہین دیکھا" آپ نے فرمایا تو یہود سے حلف لیاجائے؟ بولے "حضرت! یہودیون کی قسم کا اعتبار کیا، یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالین گے"

خیبر مین یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی یہ یقینی تھا کہ یہودیون نے ہی عبد اللہ بن سہل کو قتل کیا ہے تاہم چونکہ عینی شہادت موجود نہ تھی آنحضرت صلعم نے یہود سے تعرض نہین فرمایا اور خونبہا کے سوؔ اونٹ بیت المال سے دلوائے[1]،

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب مین پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے شہر کے قریب پہنچکر مقام کیا، زنانی سواری بھی ساتھ تھی، ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے، اور سلام علیک کی، ہمنے سلام کا جواب دیا، ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا اسکی قیمت پوچھی، ہمنے جواب دیا اتنی کھجورین، انھون نے کچھ مول تول نہین کیا اور وہی قیمت منظور کرلی پھر اونٹ کی مہار پکڑکر شہر کی طرف بڑھے نظرون سے اوجھل ہوگئے تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے اور ہم لوگ ان کو پہچانتے نہین، لوگون نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا، محمل نشین خاتون نے کہا مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر چودھوین رات کے چاند کی طرح

---

[1] یہ واقعہ بخاری ونسائی وغیرہ مین (باب القسامۃ) مین باختلاف روایات مذکور ہے،

روشن نہین دیکھا (یعنی ایسا شخص دغا نہ دیگا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ نے تمھارے لیے کھانا اور کھجورین بھیجی ہین، دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ مین آئے آنحضرت صلعم مسجد مین خطبہ دے رہے تھے، ہملوگون کو دیکھکر ایک انصاری نے اٹھکر کہا "یا رسول اللہ! یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہین اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کردیا تھا اس کے بدلہ مین ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجیے"، آپ نے فرمایا "باپ کا بدلہ بیٹے سے نہین لیا جا سکتا[1]"،

سرق ایک صحابی تھے، انھون نے ایک بدوی سے ایک اونٹ مول لیا لیکن قیمت نہ ادا ہوسکی، بدو انکو پکڑ کر آنحضرت صلعم کیخدمت مین لے گیا اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ قیمت ادا کردو، انھون نے ناداری کا عذر کیا، آپ نے بدو سے کہا بازار مین لیجا کر انکو فروخت کرلو، بدو ان کو بازار مین لیگیا، ایک صاحب نے دام دیکر بدو سے خریدا اور آزاد کردیا[2]،

(ابو حدرد اسلمی ایک صحابی تھے، جنپر ایک یہودی کا قرض آتا تھا اور اُن کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے، اُن کے سوا کچھ نہ تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلعم خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے، ابو حدرد نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا اور انکو پکڑ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین لایا، آپ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کردو، انھون نے عذر کیا، آپنے پھر فرمایا، انھون نے پھر یہی جواب دیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ غزوہ خیبر قریب ہے شاید وہان سے واپسی پر کچھ ہات آئے تو مین اسکو ادا کردون، آپنے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کردو، آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض مین نذر کیا اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا[3]،

اِس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپ کے شدید ترین دشمن تھے

[1] دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ و ۳۰۶، [2] دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۳۱۴ [3] مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۲۳ معجم صغیر طبرانی معجم عبدان۔

اپنے مقدمات اِسی بارگاہِ عدالت مین لاتے تھے اور اُن کی شریعت کے مطابق اُس کا فیصلہ ہوتا تھا
چنانچہ قرآن مجید مین اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے، اسلام سے پہلے یہودیانِ بنونضیر و قریظہ مین عزت
و شرافت کی عجیب و غریب حد قائم تھی، کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص مین وہ مارا جاتا،
لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بارِ شتر چھوہارا تھی، اسلام مین
جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت صلعم کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے فوراً توراۃ کے آئین کے
مطابق اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ کے حکم سے دونون قبیلون مین برابر کا قصاص جاری کردیا۔[1]

عدل و انصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ مین بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے
ایک بار آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے لوگون کا گرد و پیش ہجوم تھا، ایک شخص آکر منھ کے بل آپ پر لدگیا،
دست مبارک مین پتلی سی لکڑی تھی آپ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اُس کے منھ
مین لگ گیا اور خراش آگئی فرمایا مجھسے انتقام لے لو، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مین نے معاف کردیا،[2]

مرض الموت مین آپ نے عام مجمع مین اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر مین نے
کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال آبرو حاضر ہے اِسی دنیا مین وہ اپنا انتقام
لے لے، مجمع مین سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے،[3]

جود و سخا جود و سخا آپ کی فطرت تھی، (ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ تمام لوگون سے زیادہ
سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ مین آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے)[4] تمام عمر کسی کے سوال
پر "نہین" کا لفظ نہین فرمایا،[5]

---

[1] ابو داؤد باب تضمین العاریۃ جلد ثانی [2] ابو داؤد کتاب الدیات، [3] ابو داؤد باب القود بغیر حدید [4] ابن اسحاق بحوالۂ ابن ہشام [5] صحیح بخاری باب بدء الوحی [6] صحیح بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق۔

انّما انا قاسم وخازن واللہ یعطی (بخاری) مین تو صرف دینے بانٹنے والا اور خازن ہون دیتا اللہ ہے[1]

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس مین آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریون کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اُس نے آپ سے درخواست کی اور آپ نے سب کی سب دیدین۔ اسنے اپنے قبیلہ مین جاکر کہا کہ اسلام قبول کرلو، محمد صلعم ایسے فیاض ہین کہ مفلس ہوجانے کی پرواہ نہین کرتے[2]،

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہین ہے تم میرے ساتھ آؤ، حضرت عمر بھی ساتھ تھے، عرض کی کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہین تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے ایک اور صاحب حاضر تھے، انھون نے کہا یا رسول اللہ! آپ دیے جایے اور عرش والے خدا سے نہ ڈریئے وہ آپ کو محتاج نہ کریگا آپ فرط بشاشت سے مسکرا دیئے[3]،

(عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ کی خدمت مین حاضر ہوتا اگر آپکے پاس کچھ سرمایہ موجود رہتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے، ورنہ وعدہ فرماتے، اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر دلیر ہوگئے تھے کہ ایک مرتبہ مین اقامتِ نماز کے وقت ایک بدّو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ مین اس کو بھول نہ جاؤن اس کو پورا کرو یجیے، چنانچہ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اسکی حاجت براری کرکے آئے تو نماز پڑھی[4]،

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اسکو بطورِ عطیہ کے عنایت فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر سے ایک اونٹ خریدا اور پھر اُسی وقت اسکو عبداللہ بن عمر کو دیدیا[5]، حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی اِسی قسم کا ایک واقعہ مذکور ہے[6]،

---

[1] صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخا، [2] صحیح مسلم صفحہ ۲۹۰، [3] ادب المفرد امام بخاری [4] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۸۴، [5] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۸۲،

کھانے پینے کی چیزون مین معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے بلکہ تمام صحابہ کو شریک فرمالیتے کسی غزوہ مین ۱۳۰ صحابہ ہمراہ تھے آپ نے ایک بکری خرید فرماکر ذبح کروائی اور کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا، وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا[۱]۔

جو چیز آن حضرت صلعم کے پاس آتی جب تک صرف نہو جاتی آپ کو چین نہ آتا، بیقراری سی رہتی ام المومنین ام سلمہ بیان کرتی ہین کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم گھر مین تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا، ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خیر ہے؟ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے[۲]،

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے آنحضرت صلعم نے فرمایا، ابوذر! اگر احد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو مین کبھی یہ پسند نہ کرونگا کہ تین راتین گزر جائین اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے، لیکن ہان وہ دینار جس کو مین ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑ دون[۳]،

اکثر یہان تک معمول تھا کہ گھر مین نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کردی جاتی گھر مین آرام نہ فرماتے، رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کرکے خدمتِ نبوی مین بھیجا، حضرت بلالؓ نے بازار مین غلہ فروخت کرکے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا، پھر آنحضرتؐ کی خدمت مین آکر اطلاع کی، آپ نے پوچھا کچھ بچ تو نہین رہا، بولے ہان کچھ بچ بھی رہا، فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہے گا مین گھر مین نہین جا سکتا، حضرت بلالؓ نے کہا مین کیا کرون کوئی سائل نہین، آنحضرت صلعم نے مسجد مین رات بسر کی، دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آکر کہا یا رسول اللہ خدا نے آپ کو سبکدوش

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹، [۲] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۹۳ [۳] صحیح بخاری کتاب الاستقراض صفحہ ۳۲۱،

کردیا یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اُٹھکر گھر تشریف[1] لے گئے،

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھکر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے لوگون کو تعجب ہوا، آپنے فرمایا مجکو نماز مین خیال آیا کہ کچھ سونا گھر مین پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہ کہین ایسا نہو کہ رات ہوجائے اور وہ گھر مین پڑا رہ جائے اس لیے جاکر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا[2]

غزوۂ حنین مین جو کچھ ملا آنحضرت صلعم اس کو خیرات فرماکر واپس آرہے تھے، راہ مین بدوؤن کو خبر لگی کہ ادھر سے آنحضرت صلعم کا گذر ہونے والا ہے اس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمین بھی کچھ عنایت ہو، آپ ازدحام سے گھبراکر ایک درخت کی آڑ مین کھڑے ہوگئے انہون نے ردائے مبارک تھام لی، بالآخر اس کشاکش مین جسم اطہر سے چادر اُترکر اُن کے ہاتھ مین رہ گئی، فیاض عالم نے کہا "میری چادر دیدو، خدا کی قسم، اگر ان جنگلی درختون کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو مین سب تمکو دیدیتا اور پھر مجکو بخیل نہ پاتے نہ دروغگو نہ نامرد[3]"،

لوگون کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مرجائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، مین اس کو ادا کردون گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثون کا حق ہے[4] مجھے اس سے کوئی مطلب نہین۔

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع مین تشریف فرما تھے ایک بدو آیا اور آپ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچکر بولا "محمد! یہ مال نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا ہے ایک بار شتر دے" آپ نے اس کے اونٹ کو جو، اور کھجورون سے لدوا دیا[5]،

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا، اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام مین

[1] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین [2] صحیح بخاری یفکر الرجل الشئی فی الصلوٰۃ [3] صحیح بخاری باب الشجاعۃ فی الحرب، [4] صحیح بخاری [5] ابوداؤد کتاب الادب،

نہین آئی تھی، آپنے حکم دیاکہ اس کو صحن مسجد مین ڈلوادو، اس کے بعد جب آپ مسجد مین تشریف لائے تو آپ
مڑکر بھی نظر نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہوکر آپ نے اسکی تقسیم شروع کی جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے۔
حضرت عباسؓ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہین رہے تھے اتنا دیا کہ اٹھکر چل نہین سکتے تھے، اسی طرح
اور لوگون کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے، جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے[1]،

اسلام مین قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مرجائے تو اس کا ترکہ آقا کو ملتا ہے، ایک دفعہ
آپکا اسی قسم کا ایک غلام مرگیا، لوگ اس کا متروکہ سامان اٹھاکر آپ کے پاس لائے، آپ نے دریافت
فرمایا کہ کوئی اس کا یہان ہموطن ہے، لوگون نے کہا ہان ہے، آپ نے فرمایا یہ تمام چیزین اسی کے حوالہ کردو[2]

ایک دفعہ چند انصار نے آپ سے کچھ مانگا آپ نے دیدیا، پھر مانگا، پھر دیا، پھر جب تک رہا آپ
دیتے رہے یہان تک کہ آپ کے پاس کچھ نہین رہا، لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور درخواست کی
فرمایا میرے پاس جو کچھ ہو مین اس کو تم سے بچاکر نہین رکھون گا[3]،

ایثار: آپ کے اخلاق و عادات مین جو وصف سب سے زیادہ نمایان اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا وہ
ایثار تھا، اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی اور ان مین حضرت فاطمہؓ اس قدر عزیز تھین کہ جب آتین
تو فرط محبت سے کھڑے ہوجاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ بٹھاتے، تاہم حضرت فاطمہ کی عسرت
اور تنگدستی کا یہ حال تھا کہ گھر مین کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستین اور خود ہی پانی کی مشک بھر لاتین چکی پیستے
پیستے ہتیلیان گھس گئی تھین اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے، ایک دن خدمت اقدس مین حاضر
ہوئین، خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کرسکین، جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا، اور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ باب القسمۃ، [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۷۰، [3] صحیح بخاری صفحہ ۱۹۸ کتاب الصدقات۔

درخواست کی کہ فلان غزوہ مین جو کنیزین آئی ہین ان مین سے ایک کنیز ملجائے، آپ نے ارشاد فرمایا ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہین ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہولے مین اور طرف توجہ نہین کر سکتا۔[1]

ایک روایت مین ہو کہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیان اور حضرت فاطمہ زہراؓ خدمت اقدس مین گئین اور اپنے افلاس و تنگدستی کی شکایت کرکے عرض کی کہ اب کی غزوہ مین جو کنیزین آئی ہین ان مین سے ایک دو ہمکو ملجائین، آپ نے فرمایا بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں[2]

(ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی، فرمایا یہ نہین ہوسکتا کہ مین تمکو دون اور اہل صفہ کو اس حال مین چھوڑ دون کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ[3] پلیٹتے پھرین،

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لاکر پیش کی، آپ کو ضرورت تھی، آپ نے لے لی، ایک صاحب حاضر خدمت تھے، انہون نے کہا کیا اچھی چادر ہے، آپ نے اتار کر ان کو دیدی، جب اٹھکر چلے گئے تو لوگون نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کسی کا سوال رد نہین کرتے، انھون نے کہا ہان لیکن مین نے تو برکت کے لیے لی ہے کہ مجکو اسی چادر کا کفن دیا جائے[4]،

زہد و قناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہین اُن سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت صلعم کس عسرت اور تنگدستی مین بسر فرماتے تھے، ۳ھ کے بہت بعد فتوحات کو وسعت حاصل ہوئی ہے،

---

[1] یہ روایت کتب احادیث (سنن ابو داؤد وغیرہ) مین مختلف طریقون سے مروی ہے۔ ایک روایت مین ہو کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو ایک دعا بتا دی کہ یہ لونڈی سے بڑھ کر ہے۔

[2] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۳۔ [3] مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۷۹۔

[4] صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخا، و باب من استعد الکفن

عرب مین باغات سب سے بہتر جائداد تھے [1] سنہ ۳ ہجری مین یہودانِ بنو نضیر مین سے مخیرق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ میثب۔ صافقہ۔ دلال حسینی۔ برقہ۔ اعواف۔ مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت آنحضرت صلعم کو وصیت کردیے، آپ نے سب کو خیرات کردیا، یعنی وہ خدا کی راہ مین وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا غربا اور مساکین کو دیدیا جاتا تھا [2]۔

ایک صحابی نے شادی کی، سامان ولیمہ کے لیے گھر مین کچھ نہ تھا آنحضرت صلعم نے اُن سے فرمایا کہ عایشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جاکر لے آئے، حالانکہ کاشانۂ نبوت مین اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا [3]،

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا، رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا، وہ آپ نے اس کے نذر کردیا، یہ تمام رات خانۂ نبوی مین فاقہ سے گذری حالانکہ اس سے پہلی شب مین بھی یہان فاقہ ہی تھا [4]،)

مہمان نوازی | (عرب کے مختلف اطراف اور صوبون سے جوق جوق لوگ بارگاہ نبوی مین آتے تھے، رملہ ایک صحابیہ تھین، انکا گھر دار الضیوف [5] تھا، یہین لوگ مہمان اترتے تھے، ام شریک جو ایک دولتمند اور فیاض انصاریہ تھین ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان [6] خانہ تھا، مخصوص لوگ مسجد نبوی مین اتارے جاتے تھے، چنانچہ وفد ثقیف یہین اترا تھا، آنحضرت صلعم خود بنفس نفیس ان مہمانون کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے، یون بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پیے واپس نہ آتے تھے [7]،

فیاضی مین کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا، مشرک و کافر سب آپ کے مہمان ہوتے اور آپ

---

[1] فتح الباری شرح کتاب الفرائض [2] اصابہ تذکرہ مخیرق [3] مسند احمد ۴ ص ۵۸ [4] مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۹۷ [5] زرقانی ذکر وفود [6] مسلم جلد ۲ ص ۵۱۹ [7] شمایل ترمذی۔

یکسان ان کی مہمان نوازی کرتے، جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ نے خود اپنے ہان انکو مہمان اُتارا، اور خود بنفس نفیس انکی خدمت[1] کی، ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا، آپ نے ایک بکری کا دودھ اُسے پلایا، وہ سارے کا سارا پی گیا، آپ نے دوسری بکری منگوائی وہ بھی کافی نہوئی، غرض سات بکریون تک نوبت آئی، جب تک وہ سیر نہوا آپ پلاتے گئے[2]۔

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھرمین جو کچھ موجود رہتا وہ انکی نذر ہو جاتا اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے[3]، آپ راتون کو اُٹھ اُٹھ کر اپنے مہمانون کی خبر گیری کرتے تھے[4]،

صحابہ مین سب سے مفلس اورنادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا، وہ مسلمانون کے مہمان عام تھے لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت صلعم کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دوآدمی کا کھانا ہو وہ اُن مین سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ ان مین سے پانچ آدمی کو ساتھ لیجائے، چنانچہ حضرت ابوبکر تین آدمی کو ساتھ لائے لیکن آنحضرت صلعم دس آدمیون کو ہمراہ[5] لے گئے،

اصحاب صفہ مین حضرت ابوہریرہ اپنے فقروفاقہ کی داستان نہایت دردانگیز طریقہ سے بیان کرتے ہین، وہ فرماتے ہین کہ مین ایک روز شدت گرسنگی کی حالت مین گذرگاہ عام پر بیٹھ گیا، حضرت ابوبکر راستے سے گذرے تو مین نے بطورحسن طلب کے اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گذر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، اور وہی نتیجہ ہوا، اس کے بعد آنحضرت صلعم کا گذر ہوا تو آپ مجکو دیکھکر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ، آپ گھرمین پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ

[1] شفائے قاضی عیاض بسند متصل۔ [2] صحیح مسلم باب المومن یاکل فی معی [3] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۳ [4] ابوداؤد کتاب الادب،
[5] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۰،

نظر آیا، آپ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے، آپ نے مجھ سے کہا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ، مین ان کو بلا لایا تو آپ نے مجکو دودھ کا وہ پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کر دو[1]،

آنحضرت صلعم کے گھر مین ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اُٹھا سکتے تھے، جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا، اور اصحاب صفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے، یہان تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرت صلعم کو اُکڑون بیٹھنا پڑتا کہ لوگون کے لیے جگہ نکل آئے[2]،

مقدادؓ کا بیان ہے کہ مین اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی، ہم لوگون نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہین کیا، آخر ہم لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ دولت خانہ پر لواگئے اور تین بکریون کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو، چنانچہ ہم مین ہر شخص دودھ دوہ کر اپنا اپنا حصّہ پی لیا کرتا تھا[3]،

(ایک دن اصحاب صفہ کو لیکر حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ، جو ئی کا پکا ہوا کھانا سامنے لاکر رکھا گیا، آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، اسکے بعد بڑے سے پیالہ مین دودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامان مہمانی کی آخری قسط تھی[4])

گداگری اور سوال سے نفرت

باوجود اس کے کہ آپ کا ابرِ کرم ہر وقت برستا رہتا تھا، تاہم کسی کا بے ضرورتِ شدید سوال کرنا آپ پر سخت گران ہوتا تھا، ارشاد فرماتے کہ "اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لاد لائے اور بیچکر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگون سے سوال کرے[5]"

(ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ نہین ہے؟

---

[1] ترمذی صفحہ ۲۹۹ [2] ابو داؤد، کتاب الاطعمہ [3] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ [4] ابو داؤد کتاب الادب، [5] صحیح بخاری کتاب الصدقات صفحہ ۱۹۸،

ہوئے کہ بس ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا اور کچھ بچھا لیتا ہون اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے آپ نے دونون چیزین منگوائین پھر فرمایا یہ چیزین کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے دو درم لگائے آپ نے فرمایا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟ ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیے۔ آپ نے دونون چیزین دیدین اور درہم انصاری کو دیے، کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر مین دے آؤ، اور دوسرے سے رسّی خرید د اور جنگل سے لکڑیان لا کر شہر مین بیچو، پندرہ دن کے بعد وہ خدمت اقدس مین آئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہوگئے تھے، اس سے کچھ کپڑا خریدا کچھ کا غلہ مول لیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا 'یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت مین چہرہ پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے'[1]؟

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا، آپ نے عنایت فرمایا، پھر جب تک کچھ رہا آپ نے انکی درخواست رد نہین فرمائی جب کچھ نہین رہا تو آپ نے فرمایا میرے پاس جب تک کچھ رہے گا مین تم سے بچا کر اسکو نہین رکھونگا لیکن جو شخص اللہ سے یہ دعا مانگے کہ وہ اس کو سوال وگداگری کی ذلت سے بچائے تو وہ اس کو بچا دیتا ہے، اور جو خدا سے غنا کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنا مرحمت فرماتا ہے، اور جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو صابر بنا دیتا ہے، اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہین دی گئی[2]۔

حکیمؓ بن حزام فتح مکہ مین اسلام لائے تھے، ایک دفعہ انھون نے آپ سے کچھ طلب کیا آپ نے عنایت فرمایا، کچھ دن کے بعد پھر مانگا آپ نے پھر ان کو دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا، پھر کچھ مرحمت کیا اسکے بعد فرمایا اے حکیم یہ دولت سبز و شیرین ہے جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے، اور اسکی مثال اس شخص کی جیسی ہے

---

[1] ابوداؤد و ترمذی صدقات، [2] صحیح بخاری ص ۱۹۸، کتاب الصدقات،

جو کھاتا چلا جاتا ہے اور سیر نہین ہوتا، دستِ بالا دستِ زیرین سے بہتر ہے" حکیم پر آنحضرت صلعم کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک زندہ رہے کبھی کسی سے کوئی معمولی چیز بھی نہین[۱] مانگی،

حجۃ الوداع مین آنحضرت صلعم صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آکر شامل ہوئے آپ نے انکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پانون کے درست معلوم ہوئے، آپ نے فرمایا "اگر تم چاہو تو مین اس مین سے دے سکتا ہون لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لایق لوگون کا اس مین کوئی حصّہ نہین[۲] ہے"

قبیصہ نام ایک صاحب تھے وہ مقروض ہو گئے تھے، آپ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی آپ نے وعدہ کیا اس کے بعد ارشاد فرمایا "اے قبیصہ سوال کرنا اور لوگون کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصون کو روا ہے، ایک اُس شخص کو جو قرض سے زیر بار ہو وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اسکی ضرورت پوری ہو جائے تو اُسکو رک جانا چاہیے، دوسرے اس شخص کو جسپر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا، اُس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اسکی حالت کسی قدر درست نہو جائے تیسرے وہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلہ کے تین معتبر آدمی گواہی دین کہ ہان اس کو فاقہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا[۳] ہے"

صدقہ سے پرہیز: آنحضرت صلعم اپنے اور اپنے خاندان کے لیے صدقہ و زکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ و عار سمجھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ "مین گھر مین آتا ہون تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہون جی مین آتا ہے کہ اُٹھا کر منھ مین ڈال لون، پھر خیال ہوتا ہے کہ کہین صدقہ کی کھجور نہ ہو اس لیے ڈال دیتا ہون[۴]"

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۱۹۹، کتاب الصدقات، [۲] ابوداؤد کتاب الزکوۃ، [۳] ایضاً۔ [۴] بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۰ کتاب اللقطہ،

ایک دفعہ راستہ مین ایک کھجور ہاتھ آگئی فرمایا اگر صدقہ کا شبہ نہ ہوتا تو مین اس کو کھاجاتا[1]،

ایک بار امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی کھجورون مین سے منہ مین ایک کھجور ڈال لی، آپ نے ڈانٹ کر کہا کیا تمھین یہ خبر نہین کہ ہمارا خاندان صدقہ نہین[2] کھاتا" پھر منہ سے اگلوا دیا،

آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لیکر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ تو آپ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبون کو عنایت فرما دیتے[3]،

ہدایا اور تحفے قبول کرنا (دوست واحباب کے ہدایا اور تحفے آپ قبول فرماتے تھے بلکہ آپ نے اس کو ازدیاد محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے،

تہادوا تحابوا، (حدیث) باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی،

اسی لیے صحابہ عموماً کچھ نہ کچھ روز آپ کے گھر بھیجا کرتے تھے، اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ حجرۂ عایشہ مین قیام فرماتے[3] تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کیجاتی تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ کہتا تو قبول فرماتے ورنہ احتراز کرتے[4]، ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس مین پیش کی آپ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی آپ نے ان کو عنایت فرما دی[5])،

آس پاس کے ملوک وسلاطین بھی آپ کو تحفے بھیجا کرتے تھے، حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا، عزیز مصر نے بھی ایک خچر مصر سے بھیجا تھا، ایک امیر نے آپ کو موزے بھیجے تھے،

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۸ کتاب اللقطہ، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱، کتاب الصدقات، [3] بخاری مناقب عائشہ، [4] صحیح بخاری کتاب الصدقہ، [5] صحیح بخاری کتاب الجنائز،

ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کی خدمت مین ایک پوستین بھیجی جسمین دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی آپ نے ذرا دیر کے لیے پہن لی پھر اتار کر حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی) کے پاس بھیجدی وہ پہنکر خدمت اقدس مین آئے، آپنے ارشاد فرمایا کہ "مین نے اس لیے نہین بھیجی کہ تم خود پہنو" عرض کی پھر کیا کرون، ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیجدو[1]، حضرت جعفر ایک مدت یعنی فتح خیبر تک حبش مین رہے تھے اور نجاشی نے انہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی،

ہدایا اور تحفے دینا | (جن لوگون کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے انکو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے، حضرت عائشہ سے روایت ہے کان یقبل الهدیة ویثیب علیها آنحضرت صلعم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے) یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے آنحضرت صلعم کو ایک قیمتی حُلّہ بھیجا جس کو اس نے ۳۳، اونٹون کے بدلہ مین خریدا تھا آپ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حلہ ہدیۃً بھیجا جو ۲۰، اونٹ دیکر خریدا گیا تھا[2]،

(ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ کی خدمت مین ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی آپ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا، آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو، اور مین بقدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہون تو ناراض ہوتے ہو، آیندہ قریش، انصار، ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کرونگا[3]،

حضرت ابوایوب انصاری جن کے مکان مین آپ چھ مہینے تک فروکش رہے تھے آپ اکثر انکو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے[4] ہمسایون اور پڑوسیون کے گھرون مین بھی تحفے بھیجتے تھے، اصحاب صفہ اکثر آپ کے

---

[1] ابوداؤد صفحہ ۵۰ جلد دوم [2] ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۲۰۳، [3] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۸۱ [4] مسلم کتاب الاطعمۃ)

تحفون سے مشرف ہوا کرتے تھے"

عدم قبول احسان | کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے، حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جان نثار کون ہو سکتا تھا تاہم ہجرت کے وقت جب انھون نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا تو آپ نے قیمت ادا کی[1]، مدینہ مین مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی مالکان زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی لیکن آپ نے قیمت دیکر لی،

ایک دفعہ عبد اللہؓ بن عمر اور حضرت عمرؓ دونون ہمسفر تھے، عبد اللہؓ بن عمر کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت صلعم کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، عبد اللہؓ بن عمر روکتے تھے لیکن وہ قابو کا نہ تھا، حضرت عمر بار بار عبد اللہؓ بن عمر کو ڈانٹتے تھے، آنحضرت صلعم نے حضرت عمر سے کہا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو، انھون نے کہا کہ نذر ہے، آپ نے فرمایا نہین دام لو، انھون نے دوبارہ عرض کی کہ یون ہی حاضر ہے آپ نے انکار کیا، بالآخر حضرت عمر نے دام لینے منظور کیے، آپ نے خرید کر عبد اللہؓ بن عمر کو دیدیا کہ اب یہ تمھارا ہی[2]،

عدم تشدد | حضرت معاذ بن جبل (جو اکابر صحابہ مین سے تھے) ایک محلہ مین امامت کرتے اور نماز فجر مین بڑی بڑی سورتین پڑھتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہین کہ مین اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہون، ابو مسعود انصاری کا بیان ہے کہ مین نے آنحضرت صلعم کو کبھی اس قدر غضبناک نہین دیکھا جس قدر اس موقع پر دیکھا، آپ نے لوگون سے خطاب کرکے فرمایا "بعض لوگ ایسے ہوتے ہین جو لوگون کو متنفر کردیتے ہین، جو شخص تم مین سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے، کیونکہ نماز مین بوڑھے کمزور کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہین[3]"

حدّ و قصاص مین نہایت احتیاط فرماتے اور جہان تک ممکن ہوتا درگذر کرنا چاہتے، ماعز اسلمی ایک

[1] بخاری صفحہ ۵۵۳ - [2] بخاری صفحہ ۲۸۴ - [3] بخاری کتاب الصلوۃ و باب ہل یقضی الحاکم و ہو غضبان صفحہ ۱۰۶۰،

صاحب تھے جو زنا مین مبتلا ہو گئے تھے لیکن فوراً مسجد مین آئے اور کہا یا رسول اللہ! مین نے بدکاری کی، آپ نے منہ پھیر لیا، وہ دوسری سمت آئے آپ نے اور طرف منہ پھیر لیا، آپ بار بار منہ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آکر زنا کا اقرار کرتے، بالآخر آپ نے فرمایا کہ تمکو جنون تو نہین ہے؟ بولے نہین! پھر پوچھا تمھاری شادی ہو چکی ہے؟ بولے ہان، آپ نے فرمایا کہ تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا، بولے نہین بلکہ مجامعت کی، آخر مجبور ہوکر آپ نے حکم دیا کہ سنگسار کیے جائین[1]،

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا، آپ حد (سزا) کا حکم دین، آپ چپ رہے اور نماز کا وقت آگیا، نماز کے بعد انھون نے پھر آکر وہی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم نے نماز نہین پڑھی بولے ہان پڑھ لی، ارشاد فرمایا کہ تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا[2]،

ایک دفعہ قبیلۂ **غامد** کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ مین نے بدکاری کی، آپ نے فرمایا "واپس جاؤ" دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپ مجکو **ماعز** کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہین، خدا کی قسم مجکو حمل رہگیا ہے پھر فرمایا واپس جاؤ، وہ چلی گئی، تیسرے دن پھر واپس آئی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو، بچہ جب پیدا ہوا تو بچہ کو گود مین لیے ہوئے آئی، (یعنی اب زنا کی سزا دینے مین کیا تامل ہے؟) آپ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا، جب رضاعت کا زمانہ گذر گیا تو پھر حاضر ہوئی، اب آپ نے مجبور ہوکر سنگسار کرنے کا حکم دیا، لوگون نے اس پر پتھر برسانے شروع کیے، ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرہ پر لگا اور خون کی چھینٹین اُڑکر ان کے چہرہ پر آئین، انھون نے اس کو گالی دی، آنحضرت صلعم نے فرمایا "زبان روکو، خدا کی قسم اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول

---

[1] یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب مین ہے موقع کے لیے صفحہ ۱۰۰۸ دیکھنا چاہیے [2] بخاری صفحہ ۱۰۰۸۔

لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخشدیا جاتا[1]"

ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیون اور عیسائیون کے ملک مین رہتے ہین کیا ان کے برتنون مین کھانا کھالیا کرین، فرمایا اور برتن ہات آئین تو ان کے برتنون مین نہ کھاؤ، ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو[2]

(ایک بار ایک صحابی نے ماہ رمضان تک کے لیے اپنی بی بی سے ظہار کرلیا لیکن ابھی یہ مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ اس سے مقاربت کرلی پھر لوگون کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا مجھے رسول اللہ کی خدمت مین لے چلو، سب نے انکار کردیا، انھون نے خود آنحضرت صلعم کیخدمت مین حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا، آپ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا، پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، انھون نے ناداری کا عذر کیا تو آپ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی، انھون نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے، اب آپ نے ساٹھ مسکینون پر صدقہ کرنے کو فرمایا، انھون نے کہا ہم تو خود فاقہ کر رہے ہین، آپ نے فرمایا کہ صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمھین ایک وسق کھجور دیگا اس مین سے ساٹھ مسکینون کو دیدینا اور جو بچے وہ اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا، وہ پلٹے تو لوگون سے کہا کہ تم لوگ متشدد اور بدتدبیر تھے، لیکن مجھے رسول اللہ کی خدمت مین حسن راے اور آسانی نظر آئی[3]،

ایک بار ایک اور صحابی خدمت اقدس مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ مین برباد ہوگیا روزہ مین اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا، آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرسکتے ہو، کہا نہین، فرمایا دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو، کہا نہین، فرمایا ساٹھ محتاجون کو کھانا کھلا سکتے ہو، کہا اسکی بھی قدرت نہین، آنحضرت

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۲۳، [3] ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۲۰،

نے تامل فرمایا کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک شخص نے کھجورون کی ایک ٹوکری ہدیۃً پیش کی، آپ نے فرمایا
سائل کہان گیا؟ سائل نے کہا یا رسول اللہ مین یہ ہون، فرمایا ان کھجورون کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات
دیدو، سائل نے عرض کی یا رسول اللہ مدینہ مین مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا، آنحضرت صلعم ہنس پڑے
اور فرمایا جاؤ گھر ہی والون کو کھلا دو[1]"

تقشف ناپسند تھا رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے، صحابہ مین سے بعض بزرگ میلان طبعی یا عیسائی راہبون کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے، آنحضرت صلعم نے ان کو باز رکھا، بعض صحابہ ناداری کی وجہ سے شادی نہین کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے، انھون نے قطع اعضا کرنا چاہا، آپ نے سخت ناراضی ظاہر کی، قدامہ بن مظعون اور ایک اور صحابی آئے کہ ہم مین سے ایک نے ترک حیوانات اور دوسرے نے ترک نکاح کا عزم کر لیا ہے، آپ نے فرمایا کہ "مین تو دونون سے متمتع ہوتا ہون" آپ کی مرضی نہ پا کر دونون صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے، عرب مین صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے صحابہ نے بھی اس کا ارادہ کیا لیکن آپ نے سختی سے روکا، حضرت عبداللہ بن عمرو نہایت مرتاض زاہد تھے، انھون نے عہد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھین گے اور رات بھر عبادت کرین گے، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ عرض کی "ہان" فرمایا کہ تم پر تمھارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہینہ مین تین دن کے روزے کافی ہین، عبداللہ بن عمرو نے کہا مجکو اس سے زیادہ طاقت ہے، فرمایا کہ اچھا تیسرے دن، بولے مین اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہون، ارشاد فرمایا کہ ایک دن بیچ دیکر کہ یہی داؤد کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے، انھون نے عرض کی کہ مجکو

[1] بخاری صفحہ ۲۰۰ باب اذا جامع فی رمضان۔

اس سے بھی زیادہ قدرت ہے؟ ارشاد ہوا بس اس سے زیادہ بہتر نہیں[1]،

ایک روایت مین ہے کہ عبداللہ بن عمرو کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت صلعم خود اُن کے پاس تشریف لے گئے، انھون نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا، آپ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا کہ ہر مہینہ مین تین روزے بس نہین کرتے، عرض کی نہین، فرمایا پانچ، بولے نہین، غرض آپ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہوتے، بالآخر آپ نے فرمایا کہ اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو[2]

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ مین جوان آدمی ہون اور اتنا مقدور نہین کہ نکاح کرون، نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے، آنحضرت صلعم چپ رہے، حضرت ابوہریرہؓ نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا آپ چپ رہے، سہ بارہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ٹل نہین سکتا[3]،

(قبیلۂ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر واپس گئے پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا لیکن اتنے ہی زمانہ مین ان کی شکل و صورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرت صلعم انکو نہ پہچان سکے، انھون نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت صلعم نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے تمہاری صورت کیونکر بگڑ گئی، انھون نے کہا جب سے آپ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہون، آپ نے فرمایا اپنے آپ کو کیون عذاب مین ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینہ مین ایک دن کا روزہ کافی ہے، انھون نے کہا مین اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہون، آپ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا، انھون نے اور اضافہ کی درخواست کی آپ نے تین دن کر دیے، انکو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو آپ نے شہر حرام کے روزون

[1] بخاری کتاب الصوم [2] بخاری کتاب الصوم، [3] بخاری کتاب النکاح،

کا حکم دیا،[1]

ایک دن چند صحابہ خاص اس غرض سے ازواج مطہرات رضؓ کیخدمت مین حاضر ہوئے کہ آنحضرت صلعم کی عبادت کے حالات دریافت کرین، وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلعم رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہون گے، حالات سنے تو انکے معیار کے موافق نہ تھے، بولے کہ بھلا ہمکو آنحضرت صلعم سے کیا نسبت؟ ان کے اگلے پچھلے گناہ سب خدا نے معاف کر دیے ہین، پھر ایک صاحب نے کہا کہ مین تو رات بھر نماز پڑھا کرون گا، دوسرے صاحب بولے مین عمر بھر روزہ رکھون گا، ایک اور صاحب نے کہا مین کبھی شادی نہین کرونگا، آنحضرت صلعم سن رہے تھے فرمایا کہ "خدا کی قسم مین تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہون تاہم روزہ بھی رکھتا ہون اور افطار بھی کرتا ہون، نماز بھی پڑھتا ہون اور سوتا بھی ہون، عورتون سے نکاح بھی کرتا ہون، جو شخص میرے طریقہ پر نہین چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے[2]"،

کسی غزوہ مین ایک صحابی کا ایک غار پر گذر ہوا جس مین پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیان تھین، خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ! مجکو ایک غار ملگیا ہے جس مین ضرورت کی سب چیزین ہین، میرا دل چاہتا ہے کہ وہان گوشہ گزین ہو کر ترک دنیا کرون، آپ نے فرمایا "مین یہودیت یا نصرانیت لیکر دنیا مین نہین آیا، مین آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لیکر آیا ہون[3]"

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی

مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ مجلس اقدس مین ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین مین سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپ نے فرمایا "تمنے اپنے دوست کی گردن کاٹی" یہ الفاظ چند بار فرمائے، پھر ارشاد کیا کہ "تمکو اگر کسی کی خواہی

---

[1] ابوداؤد صفحہ ۳۴۴ [2] صحیح بخاری کتاب النکاح [3] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۶۶،

نخواہی مدح کرنی ہو تو یون کہو کہ میرا ایسا خیال ہے[1]"،

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا حضرت مقداد بھی موجود تھے انہون نے زمین سے خاک اٹھاکر اس کے منہ مین جھونک دی اور کہا کہ ہمکو رسول اللہ نے حکم دیا ہو کہ مداحون کے منہ مین خاک بھر دین[2]۔

ایک دفعہ آپ مسجد مین تشریف لاے ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، **محجن ثقفی** رض سے پوچھا، یہ کون ہے، محجن نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی، ارشاد فرمایا کہ "دیکھو یہ سن نپاے ورنہ تباہ ہو جائیگا" یعنی دل مین غرور پیدا ہوگا، جو موجب ہلاکت[3] ہو گا،

ایک دفعہ **اسود بن سریع** جو شاعر تھے، خدمت عالی مین آئے اور عرض کی کہ "مین نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح مین کچھ اشعار کہے ہین" فرمایا کہ ہان خدا کو حمد پسند ہے اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیئے اسی اثنا مین کوئی صاحب باہر سے آگئے، آپ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتین کر کے چلے گئے پھر اسود نے پڑھنے شروع کیے، وہ صاحب پھر آگئے، آپ نے اسود کو پھر روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا، اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہین جنکے لیے آپ مجکو بار بار روک دیتے ہین، فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتین پسند نہین کرتا[4]۔

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم **حسان** کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے اللھم ایدہ بروح القدس، حالانکہ یہ اشعار آنحضرت کی مدح مین ہوتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسان کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے، عرب مین شعرا کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ

[1] ادب المفرد صفحہ ۶۶ [2] ایضاً صفحہ ۶۷ [3] ایضاً صفحہ ۶۷ [4] ایضاً۔

کہ زورِ کلام سے جس شخص کو چاہتے ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے، ابن الزبعریٰ اور کعب اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت صلعم کو ضرر پہنچانا چاہا تھا، حسّان کی مداحی انکا رد عمل تھا۔

سادگی اور بے تکلفی معمول تھا کہ مجلس سے اُٹھکر گھر میں تشریف لیجاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے[1]،

روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے، ارشاد تھا کہ ایک دن بیچ دیکر کنگھا کرنا چاہیے۔

(کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اُٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف نہ تھا، کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے، پہننے کو موٹا جھوٹا جو ملجاتا پہن لیتے، زمین پر چٹائی پر فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے[2]، آپ کے لیے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کیجاتی تھی[3]۔ کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے، لباس میں نمایش کو ناپسند فرماتے تھے، سامان آرایش سے آپ طبعاً نفور تھے[4]، غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی،)

امارت پسندی سے اجتناب اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام، اسی بنا پر آپ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے۔ اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اُٹھاتے تھے، تاہم ناز و نعمت تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے،

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا، حضرت فاطمہ زہرا نے کہا کہ رسول اللہ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا، حضرت علی گئے اور آپ سے جا کر عرض کی آپ تشریف لائے لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھکر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے، (حضرت علی نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی

[1] ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۲۰۸ [2] دیکھو شمائل [3] صحیح بخاری کتاب الاطعمہ صفحہ ۸۱۴ [4] صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد واقعات ہیں

زیب وزینت کے مکان مین داخل ہو۔[1])

فرمایا کرتے کہ گھر مین ایک بستر اپنے لیے ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے۔ چوتھا شیطان کا حصہ ہے[2]،

ایک دفعہ کسی غزوہ مین تشریف لے گئے حضرت عائشہؓ رہ گئین، لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر مین چھت گیر لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہمکو دولت اس لیے نہین دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائین[3]،

ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا، آپنے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے لوگون نے نام بتایا، آپ چپ ہو رہے، جب وہ حسب معمول خدمت اقدس مین آئے اور سلام کیا تو آپ نے منھ پھیر لیا، اُنھون نے پھر سلام کیا آپنے پھر منھ پھیر لیا، وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے جاکر گنبد کو زمین کے برابر کردیا ایک دن آپ بازار مین نکلے تو گنبد نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا، ارشاد فرمایا کہ "ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لیے وبال ہے[4]"،

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی آپ نے پہن لی پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدی، حضرت عمر روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجکو عنایت ہوتی ہے، ارشاد ہوا کہ مین نے استعمال کے لیے نہین بلکہ فروخت کرنے کے لیے بھیجی چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ہزار درہم اُٹھے[5]،

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا آپ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا تو وہ پہنکر خدمت اقدس

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ [2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۸۔ کتاب اللباس [3] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ [4] ایضاً صفحہ ۳۶۴ [5] ایضاً۔ کتاب اللباس [6] ایضاً۔

مین آئے آپ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا کہ مین نے اس لیے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادرین بنائی جائین[1]"

مُہر کرنے کی ضرورت سے جب آپ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی آپ کی تقلید سے صحابہ نے بھی زرین انگوٹھیان بنوائین، آپ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ اب نہ پہنون گا، صحابہ نے بھی اُسی وقت اتار کر پھینک دین[2]۔

(جس طرح آپ خود سادگی پسند فرماتے تھے، اسی طرح آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپکے اہل و عیال بھی سادہ زندگی بسر کرین اور تکلف و تنعم سے پاک رہین، عورتون کو شریعت مین سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے، مگر آنحضرت صلعم اہلبیت کرام کے لیے اس بات کو بھی خلاف اولیٰ تصور فرماتے تھے۔)

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے مین سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تمکو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہین گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے مین آگ کا ہار ہے[3]؛

ایک دفعہ حضرت عایشہ کے ہاتھون مین سونے کے کنگن (مسکتہ) دیکھے فرمایا کہ اگر اس کو اُتار کر درس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتین تو بہتر ہوتا[4]،

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیورات آنحضرت صلعم کی خدمت مین ہدیۃً بھیجے' ان مین ایک انگوٹھی بھی تھی جس مین حبشی پتھر کا ایک نگینہ جڑا تھا، آپ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوتے تھے، اور لکڑی سے اس کو چھوتے تھے ہاتھ نہین لگاتے تھے[5]۔

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس، [2] ابو داؤد کتاب الخاتم، [3] نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۸۳، [4] ایضاً
[5] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۹،

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیۃً بھیجا آپ نے پہن لیا اور اس کو پہنکر نماز ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہوکر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا، پھر فرمایا "پرہیزگاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہین"۔

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے، حضرت عمر کو خیال تھا کہ جمعہ و عیدین مین یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائین، اتفاق سے ایک بار راستہ مین ایک ریشمی کپڑا (حلّہ سیراء) بک رہا تھا حضرت عمر نے موقع پاکر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کپڑا حضور خرید لین، اور جمعہ مین اور سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائین، ارشاد ہوا کہ "یہ وہ پہنے جس کا آخرت مین کوئی حصہ نہین"،

اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اور انہی کپڑوں مین وفات[1] پائی۔

بستر کمل کا تھا کبھی چمڑے کا جس مین کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی، کبھی معمولی کپڑا جو دو تہ کر دیا جاتا تھا حضرت حفصہ بیان کرتی ہین کہ ایک شب کو مین نے بستر مبارک چارتہ کرکے بچھایا کہ ذرا نرم ہوجائے، صبح اٹھکر آنحضرت صلعم نے ناگواری[2] ظاہر فرمائی،

سنہ ۹ھ مین جبکہ یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی فرمان روائے اسلام کے گھر مین صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ[3] تھا، حضرت عائشہ بیان کرتی ہین کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر مین کھانے کو کچھ نہ[4] تھا صحابہ سے فرمایا

[1] اوپر کی تمام روایتین صحیح بخاری کتاب اللباس سے ماخوذ ہین [2] شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری کتاب اللباس [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۰۔

کرتے تھے کہ "دنیا مین انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادراہ[1] کے لیے"۔ ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے اُٹھے تو لوگون نے دیکھا کہ پہلوے مبارک پر نشان پڑ گئے ہین، عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کرین، ارشاد ہوا کہ مجکو دنیا سے کیا غرض؟ مجکو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ مین کسی درخت کے سایہ مین بیٹھ جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ[2] جاتا ہے،

ایلاء کے زمانہ مین حضرت عمر جب مشربہ مین جو اسباب کی کوٹھری تھی حاضر ہوئے تو انکو نظر آیا کہ سرورِ عالم کے بیتِ قدس مین دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے ایک کھری چارپائی بچھی ہے سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس مین خرمے کی چھال بھری ہے ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہین، ایک کونے مین پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے۔ کچھ مشکیزہ کی کھالین سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہین۔ یہ دیکھکر حضرت عمر کہتے ہین کہ میری آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے۔ آنحضرت صلعم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی یا رسول اللہ! مین کیون نہ روؤن، چارپائی کے بان سے جسم اقدس مین بدھیان پڑ گئی ہین، یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے اس مین جو سامان ہے وہ نظر آرہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹین اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہوکر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا کہ اے ابن خطاب! تمکو یہ پسند نہین کہ وہ دنیا لین اور ہم آخرت[3]!،،

مساوات

(آپ کی نظر مین امیر و غریب، صغیر و کبیر آقا و غلام سب برابر تھے، سلمان و صہیب و

[1] ابن ماجہ کتاب الزہد [2] جامع ترمذی کتاب الزہد۔ [3] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب تخییر الازواج۔

بلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپ کی بارگاہ مین رؤساے قریش سے کم رتبہ نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت سلمان و بلال ایک موقع پر جمع تھے اتفاق سے **ابوسفیان** نکلے، ان لوگون نے کہا ابھی تلوار نے اِس دشمن خدا کے گردن پر پورا قبضہ نہین پایا ہے، حضرت ابوبکر نے ان لوگون سے کہا سردار قریش کی شان مین یہ الفاظ! پھر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہین تم نے ان لوگون کو ناراض تو نہین کیا، ان لوگون کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکر نے فوراً جاکر ان بزرگون سے کہا بھائیو آپ لوگ مجھسے ناراض تو نہین ہوئے، ان لوگون نے کہا نہین۔ خدا تم کو معاف کرے[1]،

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم مین گرفتار ہوئی، **اسامہ بن زید** جنسے آنحضرتؐ نہایت محبت رکھتے تھے لوگون نے ان کو شفیع بناکر خدمتِ نبوی مین بھیجا، آپنے فرمایا اُسامہ کیا تم حدودِ خداوندی مین سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ نے لوگون کو جمع کرکے خطاب فرمایا "تم سے پہلے کی امتین اسی لیے برباد ہوگئین کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے، اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے[2]"

غزوۂ بدر مین دوسرے قیدیون کے ساتھ آپ کے چچا حضرتِ عباس بھی گرفتار ہوکر آئے تھے قیدیون کو زرِ فدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا، بعض نیک دل انصار نے اس بناپر کہ وہ آپ سے قرابت قریبہ رکھتے ہین عرض کی کہ یارسول اللہ! اجازت دیجیے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرِ فدیہ معاف کردین آپ نے فرمایا نہین ایک درہم بھی معاف نہ کرو[3]۔

---

[1] صحیح مسلم فضائل سلمان و صہیب [2] بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الحدود، [3] صحیح بخاری باب فداء المشرکین۔

مجلس مین جو چیزین آتین ہمیشہ داہنی طرف سے اسکی تقسیم شروع فرماتے، اور ہمیشہ اس مین امیر و غریب، صغیر و کبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا)

ایک دفعہ خدمتِ اقدس مین صحابہ کا مجمع تھا، اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبد اللہؓ بن عباس بیٹھے ہوے تھے، جو بہت کمسن تھے، بائین جانب بڑے بڑے معمر صحابہ تھے، کہین سے دودہ آیا آپ نے نوش فرماکر عبداللہؓ بن عباس سے کہا تم اجازت دو تو مین ان لوگون کو دون۔ انہون نے عرض کی اس عطیہ مین مین ایثار نہین کرسکتا، چونکہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی رو سے انہی کا حق تھا آپ نے انہی کو ترجیح دی[1]۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کو پانی مانگا مین نے بکری کا دودھ پیش کیا۔ مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکر بائین جانب، حضرت عمر سامنے، اور ایک بدو داہنی طرف تھا، آپ نے پی لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا، یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو، آپ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے، یہ کہکر بچا ہوا دودہ بدو کو عنایت فرمایا[2]۔

(قریش اپنے فخر و امتیاز کے لیے مزدلفہ مین قیام کرتے تھے لیکن آنحضرت صلعم نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا۔ بعثت سے[3] پہلے اور بعثت کے بعد[4] بھی ہمیشہ عام لوگون کے ساتھ مقام کرتے تھے، علاوہ برین یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہان خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھکر آپ کے لیے مخصوص کردی جائے اور وہان سایہ کے لیے کوئی چھپر ڈال دیا جائے، صحابہ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا جو پہلے پہنچ جائے

[1] صحیح بخاری صفحہ ۸۰۰، [2] بخاری صفحہ ۳۵۰، [3] ابو داؤد کتاب المناسک، [4] ایضاً،

اسی کا مقام ہے[1]"

صحابہ جب سب ملکر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت صلعم ان کے ساتھ شریک ہوجاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے، مدینہ مین آکر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی اس مسجد اقدس کی تعمیر مین دیگر صحابہ کی طرح خود آنحضرت صلعم بھی بہ نفس نفیس شریک تھے، خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابہ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانین قربان آپ کیون زحمت فرماتے ہین لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آتے[2]. غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ مدینہ کے چار دن طرف خندق کھود رہے تھے، آپ بھی ایک ادنی مزدور کی طرح کام کر رہے تھے، یہان تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی[3]

ایک سفر مین کھانا طیار نہ تھا، تمام صحابہ نے ملکر کھانا پکانے کا سامان کیا، لوگون نے ایک ایک کام بانٹ لیا، جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت صلعم نے اپنے ذمہ لیا، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کام ہم خدام کرلین گے، فرمایا ہان سچ ہے، لیکن مجھے یہ پسند نہین کہ مین تم سے اپنے کو ممتاز کرون، خدا اس بندہ کو پسند نہین کرتا جو اپنے ہمراہیون مین ممتاز بنتا ہے[4]"

غزوۂ بدر مین سواریون کا سامان بہت کم تھا، تین تین آدمیون کے بیچ مین ایک ایک اونٹ تھا، لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے آنحضرت صلعم بھی عام آدمیون کی طرح ایک اونٹ مین دو اور آدمیون کے ساتھ شریک تھے، ہمراہ جان نثارانہ اپنی باری پیش کرتے، اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ آپ سوار رہین حضور کے بدلہ ہم پیادہ چلین گے، ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چلسکتے ہو

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۷، [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ و بناء المسجد، [3] صحیح بخاری باب غزوۂ احزاب، [4] زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶، بحوالہ سیرت محب طبری۔ یہ روایت کسی اور کتاب مین نہین ہے۔

اورنہین تم سے ثواب کا محتاج ہون[1]،)

تواضع | گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑون مین پیوند لگاتے، گھر مین خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، گدھے کی سواری سے آپ کو عار نہ تھا، غلامون اور مسکینون کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز[2] نہ تھا، ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا کہ "اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے[3] نہ اُٹھو"

غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے، مفلسون اور فقیرون کے ہان جاکر ان کے ساتھ بیٹھتے، صحابہ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکتا، کسی مجمع مین جاتے تو جہان جگہ ملجاتی بیٹھ جاتے[4]،

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہین، مین فرشتہ نہین ایک قریشی عورت کا بیٹا ہون جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی[5]،

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپ اکڑون بیٹھکر کھانا تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "مین بندہ اور بندون کی طرح کھاتا اور بندون ہی کی طرح بیٹھتا ہون" ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی، اور لوگ زیادہ آگئے آپ اکڑون بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے، ایک بدوی مجلس مین شریک تھا اس نے کہا محمد! یہ کیا طرز نشست ہے؟ آپ نے فرمایا خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے، جبّار اور سرکش نہین بنایا[6] ہے،

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہین پسند فرماتے تھے، ایک بار

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ و مسند ابو داؤد طیالسی [2] شمائل ترمذی [3] ابو داؤد، و ابن ماجہ [4] شمائل ترمذی [5] ایضاً [6] ابو داؤد کتاب الاطعمہ

ایک شخص نے اِن الفاظ سے آپ کو خطاب کیا "اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند، اور اے ہم مین سب سے بہتر اور ہم مین سب سے بہتر کے فرزند" آپ نے فرمایا لوگو، پرہیزگاری اختیار کرو شیطان تمھین گرا نہ دے مین عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہون، خدا کا بندہ اور اس کا رسول، مجکو خدا نے جو مرتبہ بخشا مین پسند نہین کرتا کہ تم مجھے اُس سے زیادہ بڑھاؤ،[1]

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو یا خیر البریۃ (یعنی اے بہترین خلق) کہکر مخاطب کیا آپ نے فرمایا وہ ابراہیمؑ تھے،[2]

عبداللہ بن شخیر کا بیان ہے کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمت اقدس مین آئے تو عرض کی کہ حضور ہمارے آقا (سید) ہین، ارشاد فرمایا کہ "آقا خدا ہے" پھر ہم لوگون نے عرض کی آپ ہم مین سب سے افضل اور سب سے برتر ہین، ارشاد ہوا کہ "بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہین چلا رہا ہے"[3]

مدینہ منورہ مین ایک عورت تھی جس کے دماغ مین کچھ فتور تھا آپ کی خدمت مین آئی اور کہا کہ محمدؐ مجکو تم سے کچھ کام ہے، فرمایا جہان کہو چلسکتا ہون، وہ آپ کو ایک کوچہ مین لوا گئی اور وہین بیٹھ گئی، آپ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور جو کام تھا انجام دے دیا،[4]

مخرمہ ایک صحابی تھے ایک دفعہ انھون نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس کہین سے چادرین آئی ہین، اور وہ تقسیم فرمارہے ہین آؤ ہم بھی چلین، آئے تو آپ زنانہ مین تشریف لیجا چکے تھے، کہا آواز دو، انہون نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ مین آنحضرت صلعم کو آواز دون، مخرمہ نے کہا بیٹے محمدؐ جبار نہین ہین، ان کی جرأت دلانے سے مسور نے آواز دی، آنحضرتؐ فوراً نکل آئے، اور ان کو دیبا کی قبا عنایت

---

[1] صحیح مسلم باب فضائل ابراہیم [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ [3] ابوداؤد کتاب الادب [4] ایضاً

کی جسکی گھنڈیان زرین تھین[1]،

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانون پر فضیلت دی، یہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم پر تعریض ہی غصہ مین آکر اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، وہ وہ آنحضرت صلعم کے پاس فریادی آیا، آپ نے انصاری کو بلا بھیجا اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ مجکو انبیا پر فضیلت نہ دو[2]"،

(انسان کے غرور و ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہی جب وہ اپنے چپ و راست جلو مین ہزارون آدمیون کو چلتے ہوئے دیکھتا ہی جو اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کردینے کو تیار ہوجاتے ہین خصوصًا جب وہ فاتحانہ ایک جرار و پرجوش لشکر کے ساتھ شہر مین داخل ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلعم کے تواضع و خاکساری کا منظر اس وقت اور نمایان ہوجاتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جب آپ شہر مین داخل ہوئے تو تواضعًا سر مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آکر ملگیا[3]، غزوۂ خیبر مین جب آپ کا داخلہ ہوا تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس مین لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی[4] حجۃ الوداع مین جس کجاوہ پر آپ سوار تھے سن چکے ہو کہ اسکی قیمت کیا تھی۔)

تعظیم اور مدح مفرط سے روکتے تھے

(شرک کا پہلا دیباچہ انبیاء اور صلحا کی مبالغہ آمیز تعظیم ہے، آنحضرت صلعم اس نکتہ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے حضرت عیسیٰؑ کی مثال پیش نظر تھی، فرمایا کرتے تھے کہ میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہین، مین تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہون[5]")

قیس بن سعد کہتے ہین کہ مین ایک دفعہ حیرۃ گیا وہان لوگون کو دیکھا کہ رئیس شہر کے دربار

---

[1] بخاری صفحہ ۸۷۱ [2] بخاری کتاب الانبیاء ذکر موسیٰ [3] شرح شفا قاضی عیاض و سیرۃ ابن ہشام [4] مشکوۃ اخلاق النبی بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی [5] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۰۔

مین جاتے ہین، تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہین، آنحضرت صلعم کی خدمت مین یہ واقعہ بیان کیا، اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہین، آپ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گذروگے تو سجدہ کروگے؟ کہا نہین، فرمایا تو جیتے جی بھی سجدہ نہین کرنا چاہیے[1]۔

معوذ بن عفراء کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا اُس پر بیٹھ گئے، گھر کی لڑکیان آس پاس جمع ہوگئین اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگین۔ گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا،

فِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ — ہم مین ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی باتین جانتا ہے،

فرمایا یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھین[2]،

آنحضرت صلعم کے صاحبزادے حضرت **قاسم** نے جس روز انتقال کیا اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا، لوگون کے خیال مین ایک پیغمبر کی ظاہری عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ اس کے درد وصدمہ سے کم از کم اجرام سماوی مین انقلاب پیدا ہو جائے، لوگون نے اِس اتفاقی واقعہ کو اسی قسم کے واقعہ پر محمول کیا۔ ایک جاہ پسند انسان کے لیے اِس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہوسکتا تھا، لیکن نبوّت کی شان اِس سے بدرجہا ارفع واعلیٰ ہے، آنحضرت صلعم نے اسی وقت لوگون کو مسجد مین جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج مین گرہن لگنا خدا کی آیات قدرت مین ہے کسی کی زندگی اور موت سے ان مین گرہن نہین لگتا[3]،

(ایک دفعہ آنحضرت صلعم وضو کر رہے تھے وضو کا پانی جو دستِ مبارک سے گرتا فدائی برکت کے

---

[1] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأۃ [2] صحیح مسلم باب ضرب الدف فی النکاح [3] صحیح بخاری ومسلم باب صلوۃ الخسوف،

تیاں سے اسکو چلوین لیکر بدن مین مل لیتے، آپ نے پوچھا کہ تم یہ کیون کرتے ہو، انھون نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت مین، فرمایا اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ جب باتین کرے سچ بولے، جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے، اور کسی کا پڑوسی ہے تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نباہے[1]،

ایک صاحب بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے اثنائے گفتگو مین انھون نے کہا "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہین" ارشاد ہوا "تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا کہو کہ جو خدا تنہا چاہے[1]"۔)

شرم وحیا (صحاح مین ہے کہ آپ دوشیزہ لڑکیون سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، اور شرم وحیا کا اثر آپ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا، کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہین کی، بازارون مین جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے، تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندہ و قہقہہ سے آشنا نہین ہوئے،)

بھری محفل مین کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے، چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے،

عرب مین اور ممالک کی طرح شرم وحیا کا بہت کم لحاظ تھا، ننگے نہانا عام بات تھی، حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے، آنحضرت صلعم کو بالطبع یہ باتین سخت ناپسند تھین، ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو، لوگون نے عرض کی کہ حمام مین نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری مین فائدہ ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو، عرب مین حمام نہ تھے لیکن شام و عراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے، وہان کثرت سے حمام تھے، اس بنا پر آپ نے فرمایا کہ تم جب عجم فتح کروگے تو وہان

[1] مشکوۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی [2] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۷ مصر

حمام ملین گے ان مین جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔

ایک دفعہ کچھ عورتین حضرت ام سلمہ کے پاس آئین، انھون نے وطن پوچھا، بولین حمص (شام کا ایک شہر ہے) حضرت ام سلمہ نے کہا تھین وہ عورتین ہو؟ جو حمام مین نہاتی ہین، بولین کیا حمام کوئی بری چیز ہے، فرمایا کہ مین نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر مین کپڑے اتارتی ہے خدا اُسکی پردہ دری کرتا ہے[1]، ابو داؤد مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے حمام مین نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا، پھر مردون کو پردہ کی قید کے ساتھ اجازت دی لیکن عورتون کے لیے وہی حکم قائم رہا،

عرب مین جائے ضرور نہ تھے[2] لوگ میدانون مین رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے۔ لیکن پردہ نہین کرتے تھے بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے، آنحضرت صلعم نے اسکی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اِس سے ناراض ہوتا ہے[3]۔

معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھون سے اوجھل ہو جاتے، مکہ معظمہ مین جب تک قیام تھا، حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا،

اپنے ہاتھ سے کام کرنا

(اگرچہ تمام صحابہ آپکے جان نثار خادمون مین داخل تھے، باایں ہمہ آپ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہ، ابو سعید خدری، اور امام حسن سے روایت ہے کہ کان یخدم نفسہ یعنی آپ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے[4]، ایک شخص نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ گھر مین کیا کیا کرتے تھے جواب دیا کہ گھر کے کام کاج مین مصروف رہتے تھے، کپڑون

---

۱ یہ تمام روائتین ترغیب وترہیب مین کتب حدیث کے حوالہ سے منقول ہین۔ ۲ صحیح بخاری حدیث افک،
۳ ابو داؤد وابن ماجہ، ۴ شرح شفاے قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۱۱۶،

مین اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے گھر مین خود جھاڑو دے لیتے تھے، دودھ دوہ لیتے تھے، بازار سے سودا خرید لاتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، ڈول مین ٹانکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ ملکر آٹا گوندھتے[1]"

ایک دفعہ حضرت انس بن مالک خدمت مبارک مین حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہین، ان سے دوسری روایت ہے کہ انھون نے دیکھا کہ آپ صدقہ کے اونٹون کو داغ رہے ہین، تیسری روایت مین وہ کہتے ہین کہ آپ بکریون کو داغ لگا رہے[2] تھے، ایک دفعہ مسجد نبوی مین تشریف لے گئے دیکھا تو کسی نے مسجد مین ناک صاف کی ہے آپ نے خود دست مبارک سے ایک کنکرے کر اس کو کھرچ ڈالا، اور آئندہ لوگون کو اس فعل سے منع فرمایا[3]

آپ جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معمارون کے پاس لاتے[4] تھے مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھودنے مین جس طرح عام مزدورون کے ساتھ ملکر آپ نے کام کیا خود دست مبارک سے جس طرح پتھر اٹھا اٹھا کر دیا اور جس طرح زمین کھود دی اسکی تفصیل جلد اول کے واقعات مین گزر چکی ہے، ایک سفر مین صحابہ نے بکری ذبح کی اور اس کے پکانے کے لیے آپس مین کام بانٹ لیے، آپ نے فرمایا "جنگل سے لکڑی مین لاؤن گا" صحابہ نے تامل کیا، تو فرمایا "مین امتیاز پسند نہین[5] کرتا"، ایک اور سفر مین آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا آپ نے خود اس کو درست

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب اور باب ما یکون الرجل فی مہنۃ اہلہ مین مجمل ہے، قاضی عیاض نے شفا مین متعدد حدیثون سے لیکر اور ٹکڑے بھی جمع کردیے ہین، زرقانی نے جلد ۴ صفحہ ۳۰۴ مین مسند احمد و ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے اسکو صحیح کہا ہے، [2] یہ تینون روایتین صحیح مسلم مین ہین پہلی روایت کتاب الادب مین اور دوسری اور تیسری باب جواز وسم الحیوان مین ہے [3] سنن نسائی کتاب المساجد [4] صحیح بخاری باب الجاہلیۃ [5] زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری -

کرنا چاہا، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ لائیے مین ٹانک دون، فرمایا "یہ تشخص پسندی ہی جو مجھے محبوب نہین"[1] ہے" ، وصحابی بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہین، ہم لوگ بھی اس کام مین شریک ہوگئے، جب کام ختم ہوگیا تو آپ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی[2]،)

دوسرون کے کام کر دینا | (خباب بن ارت ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے انکو کسی غزوہ پر بھیجا خباب کے گھر مین کوئی مرد نہ تھا اور عورتون کو دودھ دوہنا نہین آتا تھا اس بنا پر آپ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے[3]، حبش سے جو مہمان آئے تھے صحابہ نے چاہا کہ وہ انکی خدمت گذاری کرین لیکن آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ "انہون نے میرے دوستون کی خدمت کی ہی اس لیے مین خود ان کی خدمت گذاری کا فرض انجام[4] دونگا"، کفار ثقیف جنھون نے طایف مین آپ کے پاے مبارک کو زخمی کیا تھا، ۹ھ مین وفد لیکر آئے تو آپ نے ان کو مسجد نبوی مین اتارا اور بہ نفس نفیس انکی مہمانی کے فرایض ادا کیے،

مدینہ کی لونڈیان آپ کی خدمت مین آتین اور کہتین "یا رسول اللہ میرا یہ کام ہی" آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور اُن کا کام کر دیتے، مدینہ مین ایک پاگل لونڈی تھی وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ کا دست مبارک پکڑ لیا آپ نے فرمایا "اے عورت! مدینہ کی جس گلی مین تو چاہے بیٹھ مین تیرا کام کر دون گا" چنانچہ آپ اُسکے ساتھ مدینہ کی ایک گلی مین جاکر بیٹھے اور اسکی ضرورت پوری کی[5]، عبد اللہ بن ابی اوفی ایک صحابی ہین وہ

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۰۶ بحوالہ کتاب تمثال النعل الشریف لابی الیمن بن عساکر [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۶۹ [3] ابن سعد حصہ ہشتم صفحہ ۲۱۳ ترجمہ بنت خباب، [4] شفای قاضی عیاض بسند متصل بحوالہ بیہقی [5] مسلم اور ابو داؤد، اخلاق و آداب۔

فرماتے ہین،

ولا یانف ان یمشی مع الارملۃ والمسکین — بیوہ اور مسکین کے ساتھ چلکر انکا کام کردیتے ہین

فیقضی لہ الحاجۃ (نسائی ودارمی) — آپ کو عار نہ تھا،

ایک دفعہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہوچکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑکر بولا "میرا ذراسا کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ مین بھول جاؤن پہلے اس کو کردو" آپ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دیکر نماز ادا کی،[1]

عزم واستقلال (خدانے قرآن مجید مین اولوالعزم من الرسل کہکر انبیاء کبار کی مدح فرمائی ہے آنحضرت صلعم چونکہ خاتم الرسل تھے اس لیے خصوصیت کے ساتھ خدانے یہ وصف آپ کی ذات مین ودیعت کیا تھا، ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت صلعم کے عزم واستقلال کا مظہر اتم ہے، عرب کے کفرستان مین ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے بے یار ومددگار دعوتِ حق کی صدائین بلند کرتا ہے، ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اسکی مخالفت مین پہاڑ بنکر سامنے آتا ہے لیکن وقارِ نبوت اور عزمِ ربانی سے ٹھوکر کھاکر پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور مخالفتون کی تمام قوت اس کے سامنے چورچور ہوجاتی ہے،

تیرہ برس کی متواتر ناکامیون کے بعد بھی ذاتِ اقدس جبین ویاس سے آشنا نہین ہوتی، اور بالآخر وہ دن آتا ہے جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جان نثارون کو چھوڑکر دنیاے فانی کو الوداع کہتا ہے، ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہ نے کفار کی ایذا رسانیون سے تنگ آکر خدمتِ مبارک مین عرض کی کہ آپ ہمارے لیے کیون دعا نہین فرماتے" آپکا چہرہ غصّہ سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ "تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہین اُن کو

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب وبخاری کتاب الصلوٰۃ مختصراً۔

آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا تھا لیکن یہ آزمائشیں بھی انکو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں، خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچکر رہے گا، یہان تک کہ صنعا سے حضر موت تک ایک سوار اسطرح بیخطر چلا آئے گا کہ اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا؛[1]

مکہ مین رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیرون سے تھک گئے تو انہون نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی، ان مین سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگا دینے کے لیے کافی تھی، لیکن آپ نے ذلت کے ساتھ انکی درخواست کو ٹھکرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری امتحان تھا، اس وقت آپ نے جواب مین جو فقرے فرمائے، عالم کائنات مین ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقۂ تعبیر ہے، آپ نے فرمایا "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ مین سورج اور بائین مین چاند رکھ دین تب بھی اپنے اعلانِ حق سے باز نہ آؤن گا" (ابن ہشام)

غزوۂ بدر مین جب تین سو بے سر و سامان مُسلم ایک ہزار با ساز و سامان فوج سے معرکہ آرا تھے، کفار قریش اپنے زور و کثرت سے بھپرتے آتے تھے، اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت صلعم کے پہلو مین آ جاتے تھے اور با این ہمہ نبوت کا کوہ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا؛[2]

غزوۂ احد مین آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی راے دی لیکن جب آپ زرہ پہنکر تیار ہو گئے تو صحابہ نے رک جانے کا مشورہ دیا، آپ نے فرمایا "پیغمبر زرہ پہنکر اتار نہین سکتا"[3]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ باب مالقی النبیؐ، [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۲۶، [3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ باب قول اللہ وامرہم شوریٰ بینہم،

غزوۂ حنین مین جب قبیلۂ ہوازن کے قدر اندازون نے متصل تیرون کی بوچھار کی تو اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے لیکن آپ نہایت سکون و اطمینان سے چند جان نثارون کے ساتھ میدان مین جمے رہے اس وقت زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا،

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب[1] مین پیغمبر صادق ہون، مین فرزند عبد المطلب ہون،

ایک بار آپ کسی غزوہ مین درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے ایک کافر آیا اور اسی حالت خواب مین تلوار کھینچکر بولا "محمد اب تمکو مجھ سے کون بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا "خدا" اس عزم و استقلال اور جرات صادقہ نے اس کو اس قدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس نے تلوار میان مین کر لی اور پاس بیٹھ گیا،[2]

شجاعت | (یہ وصف انسانیت کا اصلی جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے، عزم، استقلال، حقگوئی، راست گفتاری، پُردلی، یہ تمام باتین شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہین) آنحضرت صلعم کو سیکڑون مصائب و خطرات اور بیسیون معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہین کھائی غزوۂ بدر کی گھمسان لڑائی مین ۳۰۰ نہتے مسلمانون کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملون سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکز نبوت ہی کے دامن مین آکر پناہ لیتے تھے، حضرت علیؓ جن کے دست دبازو نے بڑے بڑے معرکے سر کئے، کہتے ہین کہ بدر مین جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگون نے آپ ہی کی آڑ مین آکر پناہ لی، آپ سب سے زیادہ شجاع تھے، مشرکین کی صف سے اُس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا،[3]

غزوۂ حنین مین ہوازن کے بے پناہ تیرون کی بارش ہوئی تو مسلمانون کی کثیر التعداد فوج دفعۃً میدان سے ہٹ گئی لیکن آپ مع چند جان نثارون کے بدستور میدان مین کھڑے رہے اس وقت بار بار

---

[1] صحیح بخاری حنین، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۳ غزوۂ ذات الرقاع [3] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۲۶-

آپ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے، لیکن جان نثار مانع آتے تھے، اب دشمنون کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپ کی ذات تھی، بااینہمہ پائے اقدس مین لغزش نہین ہوئی، حضرت براء جو اس معرکہ مین شریک تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حنین مین تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا ہان یہ سچ ہے، لیکن مین گواہی دیتا ہون کہ آنحضرت صلعم اپنی جگہ سے نہین ہٹے تھے، خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ہی کے پہلو مین آکر پناہ لیتے تھے، ہم مین سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا[1]"

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم سب سے زیادہ شجاع تھے، ایک دفعہ مدینہ مین شور ہوا کہ دشمن آگئے، لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہوگئے، لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت صلعم تھے، جلدی مین آپ نے اس کا بھی انتظار نہین کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے، گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہوکر آپ تمام خطرون کے مقامات مین گشت لگا آئے اور واپس آکر لوگون کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہین[2]،

آنحضرت صلعم نے کبھی کسی کو اپنے دستِ خاص سے قتل نہین کیا، ابی بن خلف آپکا سخت دشمن تھا، بدر مین فدیہ دیکر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا کہ "میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسکو مین ہر روز جوار کھلایا کرتا ہون، اسی پر چڑھ کر محمد کو قتل کرون گا،" احد مین اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفون کو چیرتا ہوا آپ کے پاس پہنچگیا، مسلمانون نے چاہا کہ اس کو بیچ مین روک لین، لیکن آپنے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ

---

[1] صحیح مسلم غزوۂ حنین، [2] صحیح بخاری کے متفرق ابواب مین یہ حدیث ہے مثلاً باب الشجاعۃ فی الحرب، و باب اذا فزعوا باللیل،

لیکر آپ اسکی طرف بڑھے، اور آہستہ سے اس کی گردن مین انی چبھو دی، وہ چنگھاڑ ملکر بھاگا، لوگون نے کہا یہ توکوئی بڑا زخم نہین، تم اس قدر خوف زدہ کیون ہو؟ اُس نے کہا ہان سچ ہی لیکن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے[1]،)

راست گفتاری | (راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہی اور اس کا وجود انکی ذات سے کبھی منفک نہین ہوسکتا، اس بنا پر آنحضرت صلعم کے اخلاق کے عنوان مین اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی، لیکن اس موقع پر ہم صرف ان شہادتون کو قلمبند کرنا چاہتے ہین جو دشمنون کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہین،

آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار مین جو لوگ آپ سے واقف تھے انھون نے آپ کو کاذب اور دروغگو یقین نہین کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپ کے حواس درست نہین ہین یا اب عقل بجا نہین رہی ہے یا یہ کہ ان مین اب شاعرانہ تخیل پرستی آگئی ہی اسی بنا پر انہون نے آپ کو مجنون کہا مسحور کہا شاعر کہا لیکن کاذب نہین کہا،

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے، اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا نضر بن حارث نے جو قریش مین سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا کہا اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہی اب تک تم اسکی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمدؐ تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم مین سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول اور امین تھا، اب جب اس کے بالون مین سپیدی آچلی اور تمھارے سامنے یہ باتین پیش کین، تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم مین نے ان کی باتین سنی ہین، محمدؐ مین یہ کوئی

---

[1] شرح شفا قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۶۴ بحوالہ بیہقی بسند صحیح و مصنف عبدالرزاق و ابن سعد و واقدی۔

بات نہین تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہو[1]،

ابوجہل کہا کرتا تھا محمد ہین تمکو جھوٹا نہین کہتا البتہ تم جو کچھ کہتے ہو اُن کو صحیح نہین سمجھتا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے[2]،

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ	ہم جانتے ہین کہ اے پیغمبران کا فرونکی باتین تمکو غمگین کرتی ہین،
فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنْ بِآيَاتِ اللّٰهِ	کیونکہ وہ تمکو جھٹلاتے نہین البستہ یہ ظالم اللہ کی آیتون کا
يَجْحَدُوْنَ (انعام)	انکار کرتے ہین،

جب آنحضرت صلعم کو بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو، تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھکر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہوگئے تو فرمایا اگر مین تم سے یہ کہون کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا "ہان! کیونکہ ہمنے تمکو کبھی جھوٹ بولتے نہین[3] دیکھا"

قیصر روم نے دربار مین **ابوسفیان** سے پوچھا کہ تمہارے ہان جو مدعی پیدا ہوا ہے اس دعوی سے پہلے کبھی تمنے اس کو دروغگو بھی پایا، ابوسفیان نے کہا نہین، آخر مین قیصر نے جو تقریر کی اس مین کہا مین نے تم سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہین، مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیون پر افترا باندھنے سے کب[4] باز رہتا،)

ایفائے عہد | (ایفائے عہد آپ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے، چنانچہ قیصر نے اپنے دربار مین آپ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کیے ان مین ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی

---

[1] ابن ہشام [2] جامع ترمذی تفسیر انعام [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تبت [4] صحیح بخاری باب بدء الوحی -

محمد نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں[1]، وحشی جنھون نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے، اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیے جو وفد مرتب کیا اس مین انکا نام بھی تھا، لیکن انکو ڈر تھا کہ کہین مجھ سے انتقام نہ لیا جائے، لیکن خود دشمنون نے انکو یقین دلایا کہ تم بے خوف وخطر جاؤ، محمد سفراء کو قتل نہین کرتے، چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت مین حاضر ہوئے، اور اسلام لائے[2]، صفوان بن امیہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنون مین تھے، جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے، عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا، آنحضرت صلعم نے عمامۂ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے، عمیر عمامۂ مبارک لیکر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تمکو بھاگنے کی ضرورت نہین، تمکو امان ہے، جب خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہان، یہ سچ ہے[3]،

ابورافع ایک غلام تھے، حالت کفر مین قریش کی طرف سے سفیر بنکر مدینہ منورہ آئے، روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت اُن کے دل مین جاگزین ہو گئی، عرض کی یا رسول اللہ! اب مین کبھی کافرون کے پاس لوٹ کر نہ جاؤن گا، ارشاد ہوا مین عہد شکنی کر سکتا، اور نہ قاصدون کو اپنے پاس روک سکتا، تم اسوقت واپس جاؤ، اگر وہان پہنچکر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آجانا، چنانچہ وہ اس وقت واپس گئے، اور پھر اسلام لائے[4]،

صلح حدیبیہ مین ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائیگا، عین اسوقت جب معاہدہ کی یہ شرطین زیر تحریر تھین، ابوجندل پابزنجیر اہل مکہ کی قید سے

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] صحیح بخاری غزوۂ احد، [3] ابن ہشام [4] ابوداؤد باب الوفا، بالعہد،

بھاگ کر آئے اور رسول اللہ صلعم سے فریادی ہوئے تمام مسلمان اس درد انگیز منظر کو دیکھکر تڑپ اُٹھے[1] لیکن آنحضرت صلعم نے باطمینان تمام انکی طرف مخاطب ہوکر فرمایا "اے ابوجندل! صبر کرو ہم بدعہدی نہین کرسکتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا"

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہو کہ عبداللہ بن ابی الحمسا نے آنحضرت صلعم سے کچھ معاملہ کیا اور آپ کو بٹھاکر چلے گئے کہ آکر حساب صاف کردیتا ہون، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا تین دن کے بعد آئے، تو آنحضرت صلعم اسی جگہ تشریف رکھتے تھے، ان کو دیکھکر فرمایا مین تین دن سے یہان تمہارے انتظار مین بیٹھا ہون[2]،

غزوۂ بدر مین کافرون کے مقابلہ مین مسلمانون کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہئے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکین بہتر ہو لیکن آپ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے، ابوحذیفہ بن الیمان اور ابوحسیل دو صحابی مکہ سے آرہے تھے، راہ مین کفار نے انکو روکا کہ محمدؐ کے پاس جارہے ہو انھون نے انکار کیا آخر اس شرط پر انکو رہائی ملی کہ وہ جنگ مین آپ کا ساتھ نہ دین گے، یہ دونون صاحب آنحضرت صلعم کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی، فرمایا تم دونون واپس جاؤ، ہم ہر حال مین وعدہ وفا کرین گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے[3]،

زہد وقناعت

مصنفین یورپ کا عام خیال ہو کہ آنحضرت صلعم جب تک مکہ مین تھے پیغمبر تھے، مدینہ پہنچکر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیرنگین ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے، صحیح بخاری باب الجہاد مین روایت ہو کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہان

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط آخری فقرے ابن ہشام مین ہین [2] ابوداؤد کتاب الادب [3] صحیح مسلم باب الوفا بالعہد جلد ۲ صفحہ ۸۹،

تین صاع جو پر گرو تھی، جن کپڑون مین آپ نے وفات پائی ان مین اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ ہی جب تمام عرب حدود شام سے لیکر عدن تک فتح ہو چکا ہی اور مدینہ کی سرزمین مین زر و سیم کا سیلاب آچکا ہے،

اس مین شبہ نہین کہ آپ کی مہمات فرائض مین رہبانیۃ کا قلع قمع کرنا بھی تھا جس کی نسبت خدا نے نصاری کو ملامت کی تھی کہ رھبانیۃ ابتدعوھا اس بنا پر آپ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کیے ہین[1] لیکن اصلی میلان طبع زخارف دنیوی سے اجتناب تھا، (فرمایا کرتے فرزند آدم کو ان چند چیزون کے سوا اور کسی چیز کا حق نہین رہنے کے لیے گھر، ستر پوشی کے لیے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی[1]) حضرت عایشہ فرماتی ہین وَلَا یُطْوٰی لہ ثوب کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہ کر کے نہین رکھا گیا یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہین ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جا سکتا،

ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عمر گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے اتفاقاً آپ کسی طرف سے آگئے پوچھا کیا شغل ہی، عبد اللہ بن عمر نے عرض کی دیوار کی مرمت کر رہا ہون، ارشاد ہوا کہ اتنی مہلت کہان[2] ؟

گھر مین الشرفاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا،

کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویا ہو واہلہ لایجدون عشاء[3]

آپ اور آپ کے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہجاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہین ہوتا تھا،

پیہم دو دو مہینے تک گھر مین آگ نہین جلتی تھی، حضرت عائشہ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولین کہ پانی اور کھجور، البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا

---

[1] جامع ترمذی ابواب الزہد، [2] ابن ماجہ کتاب اللباس [3] جامع ترمذی معیشۃ النبی،

دودھ بھیجدیتے تھے تو پی لیتے تھے[1]، آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہین دیکھی[2]، میدہ جس کو عرب مین حواری اور نقی کہتے ہین کبھی نظر سے نہین گذرا، سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہین اُنسے لوگون نے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلعم کے زمانہ مین چھلنیان نہ تھین؟ بولے نہین، لوگون نے کہا پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے، بولے منھ سے پھونک کر بھوسی اڑادیتے تھے، جو رہجاتا تھا اسی کو گوندہ کر پکا لیتے[3]،

حضرت عایشہ فرماتی ہین کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہوکر روٹی نہین کھائی[4]،

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر مین محدثین اور ارباب سیر لکھتے ہین کہ آپ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے، یہ واقعہ بظاہر روایات مذکورۂ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونون صحیح ہین، بے شبہہ آپ بقدر نفقہ آمدنی مین سے لے لیتے، باقی فقرا اور اہل حاجت کو دیدیتے تھے لیکن آپ اپنے لیے جو رکھ لیتے تھے وہ بھی اہل حاجت کے نذر ہوجاتا تھا، احادیث مین آپ کی فاقہ کشی اور تنگدستی کے واقعات نہایت کثرت سے منقول ہین، چند روایتین اس موقع پر ہم درج کرتے ہین،

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس مین حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہون، آپ نے ازواج مطہرات مین سے کسی کے ہان کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیجدو، جواب آیا کہ گھر مین پانی کے سوا کچھ نہین، آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا، وہان سے بھی یہی جواب آیا، مختصر یہ کہ آٹھ نو گھرون مین سے کہین پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی[5]،

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس مین حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق، [2] ایضاً [3] ایضاً [4] شمائل [5] ایضاً [6] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ مصر، و صحیح بخاری صفحہ ۵۲۵،

سے کسکر باندھا ہے، سبب پوچھا تو حاضرین مین سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے[1]،

حضرت ابو طلحہ کہتے ہین کہ ایک دن مین نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ مسجد مین زمین پر لیٹے ہوئے ہین اور بھوک کیوجہ سے بار بار کروٹین بدلتے ہین[2]،

ایک دفعہ صحابہ نے آنحضرت صلعم کیخدمت مین فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھولکر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے، آپ نے شکم کھولا تو ایک کے بجاے دو دو پتھر تھے[3]۔

اکثر بھوک کیوجہ سے آواز اس قدر کمزور ہوجاتی تھی کہ صحابہ آپ کی حالت سمجھ جاتے تھے، ایکدن ابو طلحہ گھر مین آئے اور بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ مین نے ابھی رسول اللہ کو دیکھا انکی آواز کمزور ہوگئی ہے[4]،

ایک دن بھوک مین ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ مین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ملے، یہ دونون صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے، آپ سب کو لیکر حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر آئے، انکا معمول تھا کہ آنحضرت صلعم کے لیے دودھ تیار رکھتے تھے، آج آپ کے آنے مین دیر ہوئی تو انھون نے بچون کو کھلادیا، آنحضرت صلعم ان کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان مین چلے گئے تھے، انکی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئین اور عرض کی حضور کا آنا مبارک، آپ نے پوچھا ابو ایوب کہان ہین، نخلستان پاس ہی تھا وہ آواز سنکر دوڑے آئے اور مرحبا کہکر عرض کی یہ حضور کے آنے کا وقت نہین، آپ نے حالت بیان کی، وہ نخلستان مین جاکر کھجورون کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا مین گوشت طیار کرتا ہون، ایک بکری ذبح کی آدھے کا سالن آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لاکر رکھا تو آنحضرت نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھکر فرمایا کہ فاطمہؓ

---

[1] صحیح مسلم صفحہ ۱۹۲، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] صحیح مسلم صفحہ ۱۹۱،

کو بھوا ذوکئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہین ہوا ہے پھر خود صحابہ کے ساتھ ملکر کھانا نوش فرمایا، متعدد قسم کے کے کھانے دیکھکر آنکھون مین آنسو بھر آئے، اور فرمایا کہ "خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت مین نعیم سے سوال ہوگا وہ یہی چیزین ہین[1]"

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلعم صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہی؟ عرض کرتین نہین، آپ فرماتے کہ اچھا مین نے روزہ رکھ لیا[2]،

عفو وحلم ارباب سیر نے تصریح کی ہی اور تمام واقعات شاہد ہین کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے انتقام نہین لیا، صحیحین مین حضرت عایشہ سے مروی ہی کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ مین انتقام نہین لیا، بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو[3]،

(جنگ اُحد کی شکست سے زیادہ روسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گران تھی، تاہم دس برس کے بعد غزوۂ طائف مین جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانون پر پتھر برسا رہے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم وعفو انسان (خود آنحضرت صلعم) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انھین سمجھ عطا کر اور ان کو آستانۂ اسلام پر جھکا، چنانچہ ایسا ہی ہوا ۹ھ مین جب اُن کے وفد نے مدینہ کا رُخ کیا تو آپ نے صحن مسجد مین انکو مہمان اتارا اور عزت وحرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے[4]

قریش نے آپ کو گالیان دین، مارنے کی دھمکی دی، رستون مین کانٹے[5] بچھائے جسم اطہر پر نجاستین ڈالین، گلے مین پھندا ڈال کر کھینچا، آپ کی شان مین گستاخیان کین، نعوذ باللہ کبھی جادوگر کبھی پاگل کبھی شاعر

---

[1] ترغیب وترہیب جلد ۲ صفحہ ۵۰ (یہ واقعہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ مین بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہی) [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۰۹ کتاب الادب [4] صحیح بخاری بدا الخلق [5] ابوداؤد ذکر طایف ومسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۱۸۔

کہا، لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی، غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے، ایک صاحب جنھوں نے آنحضرت صلعم کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضور فرما رہے تھے کہ "لوگو، لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے" پیچھے پیچھے ابوجہل تھا، وہ آپ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں، یہ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو" راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے" (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۶۳)

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع **افک** کا واقعہ تھا جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی، حضرت عائشہ آپ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابوبکر جیسے یار غار اور افضل الصحابہ کی صاحبزادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنھوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا، دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح، یہ باتیں انسانی صبر و تحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں، تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمامتر بانی رئیس المنافقین **عبداللہ بن ابی** تھا، اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا، تاہم آپ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا "مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھ کو ستاتا ہے اس سے میری داد کون لے سکتا ہے؟" حضرت سعد بن معاذ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اٹھ کر کہا میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں آپ نام بتائیں، تو اس کا سر اڑا دوں، سعد بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے، مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف کے حمایتی کھڑے ہو گئے قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں آپ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔ واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی اور تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی۔ تاہم عبداللہ بن ابی اس بنا پر

چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا، اور ثبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی، تہمت لگانے والون مین جنکو سزا دی گئی، ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے انکی معاش کے کفیل حضرت ابوبکرؓ تھے تہمت کے جرم مین حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بند کر دیا اُس پر یہ آیت اتری،

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا	تم مین سے جو لوگ صاحب فضیلت اور ذی مقدور ہین انکو قسم
أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	نہین کھانا چاہیے کہ قرابت دارون مسکینون اور مجاہدون سے
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ	سلوک نہ کرین گے تمکو عفو اور درگذر سے کام لینا چاہیے کیا تم یہ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (نور)	نہین چاہتے کہ خدا تم کو بخشدے، خدا غفور رحیم ہے،

حضرت ابوبکرؓ نے انکا روزینہ بدستور جاری کر دیا،

تہمت لگانے والون مین (جیسا کہ صحیح ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نور مین تصریح ہے) حضرت حسانؓ بھی تھے، حضرت عائشہؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا، لیکن یہ آنحضرت صلعم کے فیض صحبت کا اثر تھا کہ جب عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسان کو بُرا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے روک دیا کہ یہ (حسان) آنحضرت صلعم کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے[1]،

مدینہ کے منافق یہودیون مین سے لبید بن اعصم نے آپ پر سحر کیا، تاہم آپ نے کچھ تعرض نہ فرمایا (حضرت عائشہ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا مین لوگون مین شورش نہین پیدا کرانا چاہتا[2])

زید بن سعنہ جس زمانہ مین یہودی تھے لین دین کا کاروبار کرتے تھے آنحضرت صلعم نے ان سے کچھ قرض لیا میعاد ادا مین ابھی کچھ دن باقی تھے تقاضے کو آئے آنحضرت صلعم کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست

[1] صحیح بخاری قصۂ افک، [2] صحیح بخاری صفحہ ۹۰۴،

کہکر کہا عبدالمطلب کے خاندان والو، تم ہمیشہ یون ہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو، حضرت عمر غصہ سے بیتاب ہوگئے، اسکی طرف مخاطب ہوکر کہا او دشمن خدا تو رسول اللہ کی شان مین گستاخی کرتا ہے، آنحضرت صلعم نے مسکرا کر فرمایا، عمر! مجکو تم سے اور کچھ امید تھی اس کو سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے، اور مجھ سے کہنا چاہیے تھا کہ مین اس کا قرضہ ادا کردون، یہ فرماکر حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کرکے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دیدو، [1]

(ایک دفعہ آپ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا، پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہوجاتا، اتفاق سے ایک یہودی کے یہان شام سے کپڑے آئے، حضرت عایشہ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجیے آنحضرت صلعم نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا، اس گستاخ نے کہا مین سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یون ہی اڑالین اور دام نہ دین، آنحضرت صلعم نے یہ ناگوار جملے سنکر صرف اس قدر فرمایا کہ "وہ خوب جانتا ہے کہ مین سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہون" [2]

ایک دفعہ کھیت پر تشریف لے جارہے تھے، ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپ رک گئے اور اس سے مخاطب ہوکر فرمایا "صبر کرو" وہ آپ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کیساتھ) بولی "ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے" آپ چلے آئے، لوگون نے عورت سے کہا تو نے نہین پہچانا، وہ رسول اللہ تھے، دوڑی ہوئی آئی اور کہا مین حضور کو پہچانتی نہ تھی، ارشاد فرمایا "صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے"، [3]

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے آپ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے، راہ مین ایک جلسہ تھا، آپ ٹھہر گئے، عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا وہ بھی جلسہ مین موجود تھا آپ کی سواری

---

[1] یہ روایت بیہقی، ابن حبان، طبرانی اور ابونعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے، (شرح شفا از شہاب خفاجی) [2] جامع ترمذی کتاب البیوع [3] بخاری کتاب الجنائز،

کی گرداڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت صلعم سے کہا دیکھو گرد نہ اڑاؤ (جب آنحضرت صلعم قریب پہونچے تو اس نے کہا "محمد! اپنا گدھا ہٹاؤ، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کردیا" آنحضرت صلعم نے سلام کیا، پھر سواری سے اترے، اور اسلام کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا "تمہارے گھر آکر ہمکو نہ ستاؤ، جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو" عبداللہ بن رواحہ جو مشہور شاعر تھے انہون نے کہا آپ ضرور تشریف لائین، بات بڑھتے بڑھتے یہان تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلوارین نکل آئین، آنحضرت صلعم نے دونون فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا) جلسہ سے اٹھکر آپ سعد بن عبادہ کے پاس آئے اور ان سے کہا تمنے عبداللہ کی باتین سنین، سعد بن عبادہ نے عرض کی کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائین، یہ وہ شخص ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کرلیا تھا[1]،

غزوۂ حنین مین آپنے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا "یہ تقسیم خدا کی رضامندی کے لیے نہین ہے" آپ نے سنا تو فرمایا "خدا موسیٰ پر رحم کرے ان کو لوگون نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا[2]"

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس مین آیا، آپ مسجد مین تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی آداب مسجد سے واقف نہ تھا وہین کھڑے ہوکر پیشاب کرنے لگا لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دین، آپ نے فرمایا "جانے دو، اور پانی کا ایک ڈول لاکر بہا دو، خدا نے تم لوگون کو دشواری کے لیے نہین بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے[3]"

حضرت انس جو خادم خاص تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے مجکو کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا، مین نے کہا نہ جاؤنگا، آپ چپ رہ گئے، مین یہ کہکر باہر چلا گیا، دفعۃً آنحضرت صلعم نے پیچھے سے آکر میری گردن

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۲۴، [2] صحیح بخاری. غزوۂ حنین صفحہ ۶۲۱ [3] صحیح بخاری صفحہ ۳۵،

پکڑلی، مین نے مڑکر دیکھا تو آپ ہنس رہے ہین، پھر پیار سے فرمایا "انیس! جس کام کے لیے کہا تھا اب تو جاؤ" مین نے عرض کی اچھا جاتا ہون، حضرت انس نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ مین نے سات برس آپ کی ملازمت کی کبھی یہ نہ فرمایا کہ تمنے یہ کام کیون کیا، یا یہ کیون نہین کیا۱؎

حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہین کہ آپ کی عادت تھی کہ ہم لوگون کے ساتھ مسجد مین بیٹھ جاتے، اور باتین کرتے جب اٹھکر گھر مین جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے، ایک دن حسب معمول مسجد سے نکلے ایک بدو آیا اور اس نے آپ کی چادر اس زور سے پکڑکر کھینچی کہ آپ کی گردن سرخ ہوگئی آپ نے مڑکر اسکی طرف دیکھا بولا کہ میرے اونٹون کو غلہ سے لاددیجئے تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہی آپ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو، تب غلہ دیا جائے گا، وہ بار بار کہتا تھا خدا کی قسم مین ہرگز بدلہ نہ دونگا آپنے اس کے اونٹون پر جو اور کھجورین لدوا دین۲؎ اور کچھ تعرض نہ فرمایا،

(قریش (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کو گالیان دیتے تھے برا بھلا کہتے تھے ضد سے آپ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا) نہین کہتے تھے بلکہ مذمّم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے، لیکن آپ اس کے جواب مین اپنے دوستون کو خطاب کرکے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہین تعجب نہین آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیون کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہی وہ مذمّم کو گالیان دیتے اور مذمّم پر لعنت بھیجتے ہین، اور مین محمد ہون۳؎"

جس زمانہ مین آپ فتح مکہ کے لیے تیاریان کر رہے تھے اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادون کی خبر نہو، حاطب بن بلتعہ ایک صحابی تھے انھون نے چاہا کہ قریش کو اسکی اطلاع کردین چنانچہ ایک خط لکھکر انہون نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا آپکو اسکی خبر ہوگئی

۱؎ صحیح مسلم وابوداؤد کتاب الادب ۲؎ ابوداؤد کتاب الادب (یہی واقعہ حضرت انس سے بخاری ومسلم مین بھی مروی ہی) بتغیر یسیر ۳؎ مشکوۃ باب اسماء النبی

حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اسی وقت بھیجے گئے[1] جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے، حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انہون نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معذرت چاہی، یہ وہ موقع تھا کہ ہر سیاست دان مجرم کی سزا کا فتوٰی دیتا لیکن آنحضرت صلعم نے اس لیے انکو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے بدر مین تھے، عورت جو اس جرم مین شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہین فرمایا[1]، حالانکہ یہ خط اگر دشمنون تک پہنچ جاتا تو مسلمانون کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا،

فرات بن حیان ایک شخص تھا، ابو سفیان کی طرف سے مسلمانون کی جاسوسی پر مامور تھا اور آنحضرت صلعم کی ہجو مین اشعار کہا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت صلعم نے اس کے قتل کا حکم دیا، لوگ اسکو پکڑ کر لے چلے جب انصار کے ایک محلہ مین پہنچا تو بولا کہ مین مسلمان ہون، ایک انصاری نے آکر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہے کہ مین مسلمان ہون، آپ نے فرمایا کہ تم مین کچھ لوگ ایسے ہین جن کے ایمان کا حال ہم انھین پر چھوڑتے ہین، ان مین سے ایک فرات بن حیانؓ ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلعم نے انکو یمامہ مین ایک زمین عنایت فرمائی جس کی آمدنی ۴۰۰۰[2] تھی)

دشمنون سے عفو و درگذر اور حسن سلوک

(انسان کے ذخیرۂ اخلاق مین سب سے زیادہ کمیاب، اور نادر الوجود چیز دشمنون پر رحم اور ان سے عفو و درگذر ہے لیکن حامل وحی و نبوت کی ذات اقدس مین یہ جنس فراوان تھی، دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت مین آکر یہ فرضیت مکروہِ تحریمی بنجاتی ہے، تمام روایتین اس بات پر متفق ہین کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہین لیا،

---

[1] صحیح بخاری فتح مکہ [2] ابو داؤد کتاب الجہاد باب الجاسوس الذمی، یہ حدیث سفیان ثوری کے واسطہ سے دو طریقون سے مروی ہے، ایک مین ابوہمام الدلال ہے اور یہی ابو داؤد کا طریق ہے یہ طریق ضعیف ہے۔ دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہے جو صحیح ہے امام احمد نے بھی مسند مین یہ روایت نقل کی ہے [3] اصابہ ترجمۂ فرات مذکور،

دشمنون سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آنحضرت صلعم کے خون کے پیاسے تھے، اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتین اٹھائی تھین لیکن اُن سب کو یہ کہکر چھوڑ دیا'

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء　　تم پر کوئی ملامت نہین جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرت صلعم کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ کا قاتل تھا مکہ مین رہتا تھا، جب مکہ مین اسلام کی قوت نے ظہور کیا وہ بھاگ کر **طائف** آیا، طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا اور وحشی کے لیے یہ بھی امن نرہا، لیکن اس نے سنا کہ آنحضرت صلعم سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہین آتے ناچار خود رحمت عالم کے دامن مین پناہ لی اور اسلام قبول کیا، آنحضرت صلعم نے صرف اس قدر فرمایا کہ "میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھکر مجھے چچا کی یاد آتی ہے[1]"۔

ہند، **ابو سفیان** کی بیوی جس نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کئے، فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت صلعم پہچان نہ سکین اور بےخبری مین بیعتِ اسلام کر کے سندِ امان حاصل کرلے پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت صلعم نے ہندہ کو پہچان لیا لیکن اِس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا، **ہندہ** اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی "یارسول اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ مین نہ تھا لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ مین دوسرا نہین[2]"۔

عکرمہ، دشمنِ اسلام ابوجہل کے فرزند تھے، اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت صلعم کے

---

[1] صحیح بخاری قتل حمزہ، [2] صحیح بخاری ذکر ہندہ۔

سخت ترین دشمن تھے، فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، انکی بیوی مسلمان ہوچکی تھین، وہ یمن گئین، اور عکرمہ کو تسکین دی، اور انکو مسلمان کیا، اور خدمت اقدس مین لیکر حاضر ہوئین، آنحضرت صلعم نے جب انکو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے انکی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے،

مرحبا بالراکب المهاجر[2]، اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو

صفوان بن امیہؓ قریش کے روسائے کفر مین سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، انھون نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت صلعم کے قتل پر مامور کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے، اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائین، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلعم کیخدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! صفوان بن امیہ جو اپنے قبیلہ کے رئیس ہین وہ ڈر سے بھاگ گئے ہین، کہ اپنے کو سمندر مین ڈال دین، ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے، انکر عرض کی یا رسول اللہ امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمایے جسکو دیکھکر انکو میرا اعتبار آئے، آپ نے اپنا عمامہ انکو عنایت فرمایا جسکو لیکر وہ صفوان کے پاس پہنچے، صفوان نے کہا مجھے وہان جانے مین اپنی جان کا ڈر ہے، عمیر نے جواب دیا "صفوان! ابھی تمہین محمدؐ کے حلم و عفو کا حال معلوم نہین"، یہ سنکر وہ عمیر کے ساتھ دربار نبوی مین حاضر ہوے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عمیر کہتے ہین کہ تم نے مجھے امان دیا ہے، فرمایا "سچ ہے"، صفوان نے کہا "تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو"، ارشاد ہوا کہ "دو نہین تمکو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے"

اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہوگئے، یہ واقعہ بتفصیل ابن ہشام مین مذکور ہے،

---

[1] موطائے امام مالک کتاب النکاح [2] مشکوٰۃ کتاب الادب بحوالہ ترمذی،

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جسکے ہاتھ سے آنحضرت صلعم کی صاجزادی زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، کفار نے مزاحمت کی ہبار بن الاسود نے جان بوجھکر ان کو اونٹ سے گرا دیا، جس سے انکو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا، اس کے علاوہ اور بہ بعض جرائم کا وہ مرتکب ہوا تھا، اوراسی بنا پر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاریان قتل مین داخل تھا چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ داعیِ ہدایت نے خود آستانۂ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت صلعم کیخدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ یا رسول اللہ مین بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے، میری نسبت آپ کو جو خبرین پہنچی تھین، وہ صحیح تھین، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہون، دفعۃً باب رحمت وا تھا، اور دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔[1]

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لیکر فتح مکہ تک جتنی لڑائیان اسلام کو لڑنی پڑین ان مین سے اکثر مین ان کا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کرکے لائے گئے، اور حضرت عباسؓ انکو لیکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے، تو آپ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمرؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش مین ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا، اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنا دیا، فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر مین داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہوگا"[2] کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے۔؟

---

[1] ابن اسحاق واصابہ ذکر ہبار، [2] صحیح بخاری وصحیح مسلم فتح مکہ مع فتح الباری،

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا، اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنو حنیفہ کا قبیلہ تھا جس مین مسیلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا، ثمامہ بن اثال اس قبیلہ کے روسا مین تھا، اتفاق سے وہ مسلمانون کے ہاتھ لگ گیا، گرفتار کر کے مدینہ لے آئے، آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ اسکو مسجد کے ستون مین باندھ دیا جائے، اس کے بعد آپ مسجد مین تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو، اس نے کہا "اے محمدؐ! اگر تم مجھے قتل کر دوگے تو ایک خونی کو کر دوگے، اور اگر احسان کروگے تو ایک شکرگذار پر احسان ہوگا اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو تو تم مانگو مین دونگا" یہ جواب سنکر آپ خاموش رہے، دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی، تیسرے روز بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو اور آزاد کر دو، ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ مین جا کر غسل کیا اور مسجد مین واپس آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، اور عرض کی "یا رسول اللہ دنیا مین کوئی شخص میری نظر مین آپ سے زیادہ مبغوض نہ تھا، اور اب آپ سے زیادہ دنیا مین مجھے کوئی محبوب نہین کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھون مین برا نہ تھا، اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا، اور اب وہی پسندین ہے"

قریش کی ستمگری وجفاکاری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہین، یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب مین تین برس تک ان ظالمون نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہین سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے، اور یہ سب بے درد ان کی آوازین سنکر ہنستے اور خوش ہوتے تھے، لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم نے اس کے معاوضہ مین قریش کیساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ مین غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن اثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ

مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انھوں نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہؐ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملیگا" اس بندش سے مکہ مین اناج کا کال پڑگیا، آخر گھبراکر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہین گیا، حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھالو، چنانچہ پھر حسب دستور غلہ جانے لگا،[۱]

کفار اور مشرکین سا تھ برتاؤ

کفار کے ساتھ آپ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہین لیکن مورخین یورپ مدعی ہین کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہین جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا، اسلیے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کرین گے جو اس زمانہ کے ہین جبکہ مخالفین کی قوتین پامال ہوچکی تھین اور آنحضرت صلعم کو پورا اقتدار حاصل ہوچکا تھا،

(ابوبصرہ غفاری کا بیان ہے کہ وہ جب کافر تھے مدینہ مین آنحضرت صلعم کے پاس آکر مہمان رہے رات کو گھر کی تمام بکریون کا دودھ پی گئے لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا رات پھر تمام اہلبیت نبوی بھوکا رہا،[۲]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہین، شب کو ایک کافر آنحضرت صلعم کا مہمان ہوا آپ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا پھر تیسری، پھر چوتھی یہان تک کہ سات بکریان دوہی گئین اور وہ سب دودھ پیتا چلا گیا، آنحضرت صلعم نے کوئی تنغص ظاہر نہ فرمایا شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہوگیا،[۳]

۱؎ ثمامہ کا پورا واقعہ صحیح بخاری صفحہ ۶۲۷ و باب وفد بنی حنیفہ مین ہے آخری ٹکڑا ابن ہشام مین مذکور ہے ۲؎ مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۹۷، ۳؎ جامع ترمذی باب ان المومن یاکل فی معاءٍ واحدٍ

حضرت اسماء بیان کرتی ہین کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ مین ان کی مان جو مشرکہ تھین اعانت خواہ مدینہ حضرت اسماء کے پاس آئین ان کو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے آنحضرتؐ کے پاس آکر دریافت کیا آپ نے فرمایا "ان کے ساتھ نیکی کرو"[1] حضرت ابوہریرہ کی مان کافرہ تھین اور بیٹے کے ساتھ مدینہ مین رہتی تھین جہالت سے آنحضرت صلعم کو گالیان دیتی تھین، ابوہریرہ نے خدمت اقدس مین عرض کی آپ نے بجاے غیظ و غضب دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے[2]،

آنحضرت صلعم کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد تھا، روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا ان کے پاس رہتا، ناداری کی حالت مین وہ بازار سے سود اسلف قرض لاتے اور جب کہین سے کوئی رقم آجاتی تو اس سے ادا کر دیا کرتے، ایک دفعہ بازار جا رہے تھے ایک مشرک نے دیکھا ان سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو، انھون نے قبول کیا، ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگرون کے ساتھ آیا اور ان سے کہا "او حبشی!" انھون نے اس بدتہذیبی کے جواب مین "لبیک" کہا، بولا کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہین۔ تم نے اس مدت مین قرضہ ادا نہ کیا تو تمسے بکریان چرواکے چھوڑون گا" یہ عشاء پڑھکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور سارا حال بیان کر کے کہا کہ خزانہ مین کچھ نہین ہے کل وہ مشرک آکر مجکو فضیحت کریگا اس لیے مجکو اجازت ہو کہ مین کہین نکل جاؤن پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا تو واپس آجاؤن گا، غرض رات کو جاکر سو رہے اور سامان سفر یعنی تھیلا جوتی ڈھال سر کے نیچے رکھ لی۔ صبح اُٹھکر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا آنحضرت صلعم نے یاد فرمایا ہے۔ یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازہ پر کھڑے

---

[1] صحیح بخاری باب صلة الوالد المشرک [2] صحیح بخاری،

ہین، آنحضرت صلعم نے فرمایا مبارک ہو، یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہین، انھون نے بازار مین جاکر سب چیزین فروخت کین اور مشرک کا قرضہ ادا کر کے مسجد نبوی مین آئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہوگیا[1]۔

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے جو ہجرت کا ساتوان سال ہی، حضرت بلالؓ آنحضرت صلعم کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے، ایک مشرک ان کو حبشی کہکر پکارتا ہی اور کہتا ہی کہ تجھ سے بکریان چرواکے چھوڑ دون گا، حضرت بلالؓ اسکی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہین، آنحضرت صلعم یہ تمام سنتے ہین لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہین فرماتے، نہ بلال کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے، اتفاق سے غلہ آجاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اسکی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کیجاتی ہے، یہ حلم، یہ عفو، یہ تحمل رحمت عالم کے سوا اور کس سے ہوسکتا ہی؟

سب سے مشکل معاملہ **منافقین** کا تھا، یہ کفار کا ایک گروہ تھا جس کا رئیس عبد اللہ بن ابی تھا آنحضرت صلعم جس زمانہ مین مدینہ مین تشریف لائے اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کرلیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرمان روا بنا دیا جائے، جنگ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قایم ہوگئی، یہ لوگ درپردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیرین کرتے تھے، **قریش** اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے انکو مسلمانون کے مخفی رازون کی خبر دیتے رہتے، باوین ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے، جمعہ جماعت مین شریک ہوتے اور لڑائیون مین ساتھ جاتے تھے، آنحضرت صلعم ان کے حالات اور ایک ایک

[1] ابو داؤد جلد دوم باب قبول ہدایا المشرکین۔

کے نام ونشان سے واقف تھے لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام، دلون کے اسرار سے

نہین، بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہین اس لیے آپ انپر کفر کے احکام جاری نہین فرماتے تھے، یہانتک

تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا لیکن فیاض دلی اور عفو وحلم کے اقتضاء سے آپ ان سے ہمیشہ حسن

اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے،

ایک دفعہ ایک غزوہ مین ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا، انصاری نے کہا "یاللانصار"

یعنی انصار کی دہائی، مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونون مین تلوار چل جائے،

آنحضرت صلعم نے فرمایا "یہ کیا جاہلیت کی باتین ہین"؟ دونون رک گئے، عبد اللہ بن ابی نے سنا تو کہا "مدینہ چلکر

ذلیل مسلمانون کو نکال دون گا" ساتھیون سے کہا آسان بات یہ ہی کہ تم لوگ مہاجرین کی خبرگیری سے

ہاتھ اٹھالو یہ خود تباہ ہوجائین گے، چنانچہ قرآن مجید مین یہ واقعہ مذکور ہی،

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا، (منافقون)	یہی لوگ ہین جو کہتے ہین کہ پیغمبر کے ساتھیون پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہوجائین،
يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ، (ایضاً)	کہتے ہین کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلین گے تو معزز لوگ کمینون کو مدینہ سے نکال دین گے،

آنحضرت صلعم نے عبد اللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے، اس نے صاف انکار

کیا، حضرت عمر موجود تھے بولے یارسول اللہ اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے

فرمایا لوگ چرچا کرین گے کہ محمد اپنے ساتھیونکو قتل کرتے ہین[1]،

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ منافقون

جنگ احد مین عبد اللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیون کے ساتھ واپس چلا آیا جس سے مسلمانون کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا تاہم آنحضرت صلعم نے درگذر فرمایا اور وہ جب مرا تو اس احسان کے معاوضہ مین کہ حضرت عباس کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا مسلمانون کی ناراضی کے باوجود آپ نے اپنا قمیص مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا [1]،

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ

خلق عمیم مین کافر و مسلم دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابر رحمت دشت و چمن پر یکسان برستا تھا (یہود کو آنحضرت صلعم سے جس شدت کی عداوت تھی اسکی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ان مین انھین کی تقلید فرماتے [2]،

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسر بازار کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی" ایک صحابی یہ کھڑے سن رہے تھے ان سے رہا نہ گیا انھون نے پوچھا کیا "محمد صلعم پر بھی"؟ اس نے کہا "ہان" انھون نے غصہ مین ایک تھپڑ اس کے مار دیا، آنحضرت صلعم کے عدل اور اخلاق پر دشمنون کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ کی خدمت مین حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا آپ نے ان صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی [3]،

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ اسکی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی، اس نے کہا کہ آپ جو فرماتے ہین اس کو بجا لاؤ، چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا [4]،

---

[1] بخاری ج ۱ یہ واقعہ متعدد روایتون اور متعدد طریقون سے منقول ہے [2] صحیح بخاری [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز

ایک دفعہ سرراہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ کھڑے ہو گئے[1]،

ایک دفعہ چند یہودی آپ کی خدمت مین آئے اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت) کہا حضرت عایشہؓ نے غصہ مین آکر ان کو بھی سخت جواب دیا لیکن آپ نے روکا اور فرمایا "عایشہ بدزبانی نہ کرو اللہ تعالیٰ ہر بات مین نرمی پسند کرتا ہے[2]"

یہودیون کے ساتھ داد وستد کرتے تھے ان کے سخت وناجائز تقاضون اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے، یہودیون اور مسلمانون مین اگر معاملات مین اختلاف پیش آتا تو مسلمانون کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے چنانچہ اس قسم کی متعدد مثالین دوسرے عنوانات مین مذکور ہین۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ محمدؐ! دیکھو ایک مسلمان نے مجکو تھپڑ مارا ہے آپ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا،

نصاری کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ نے انکی مہمانداری کی، مسجد نبوی مین انکو جگہ دی بلکہ انکو اپنے طریق پر مسجد مین نماز پڑھنے کی بھی اجازت دیدی اور جب عام مسلمانون نے اُن کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا[3]

یہود ونصاری کے ساتھ کھانے پینے نکاح ومعاشرت کی اجازت دی اور ان کے لیے مخصوص امتیازی احکام شریعت اسلامیہ مین جاری فرمائے)

غریبون کے ساتھ محبت وشفقت (مسلمانون مین امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولتمند بھی اور فاقہ کش بھی لیکن آنحضرت صلعم کا برتاؤ سب کے ساتھ یکسان تھا، بلکہ غریبون کے ساتھ آپ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلون کو صدمہ نہین پہنچاتی تھی، ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز [2] صحیح مسلم کتاب الا ب جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ [3] زاد المعاد

آپ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہِ احدیت سے اس پر باز پرس ہوئی مکہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے اور آپ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتفاق سے عبد اللہ بن ام مکتوم جو آنکھوں سے معذور اور غریب تھے اُدھر آنکلے اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھکر آپ سے باتیں کرنے لگے، رؤسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور مغرور تھے ان کو یہ برابری ناگوار گذری۔ آپنے ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس امید پر انھیں سے باتیں کرتے رہے کہ شاید یہ اشقیا اسلام کی سعادت کو قبول کریں اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اتری[1]

عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی، وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی، وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰی وَهُوَ يَخْشٰی، فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی، كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ، فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهٗ

(عبس)

پیغمبر نے ترش روئی کی اور منھ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا (اے پیغمبر!) تجھے کیا خبر کہ تیری باتوں سے وہ پاک ہو جاتا، یا نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اسکو نفع پہنچاتی لیکن جو بے پروائی برتتا ہے اسکی طرف تو متوجہ ہوتا ہے اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک صاف نہ بنے لیکن جو تیرے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اس کو قبول کرے۔

یہی غربا اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جان نثار بنے تھے، آنحضرت صلعم ان کو لیکر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو رؤسائے قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھکر استہزاءً کہتے تھے،

اَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑکر احسان کیا ہے

[1] ترمذی۔ تفسیر سورہ مذکور،

لیکن آپ ان کے اس استہزا کو خوشی سے برداشت کرتے تھے ،

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے آپ نے ان کی طرف خطاب کرکے فرمایا "تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ انھیں غریبوں کی بدولت آتی ہے[۱]"

اسامہ بن زید سے فرمایا "میں نے در جنت پر کھڑے ہوکر دیکھا کہ زیادہ تر غریب و مفلس ہی لوگ اس میں داخل ہیں[۲]۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اسی اثنا میں آپ تشریف لے آئے اور انھیں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے، یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا "فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے، عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ یہ سنکر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی انھیں میں ہوتا[۳]"،

ایک دفعہ آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گذرا، آپ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ "اسکی نسبت تمھاری کیا رائے ہے؟" اس نے جواب دیا کہ یہ امرا کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں، خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کیجائے" یہ سنکر آپ خاموش ہوگئے، کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب،

۱؎ مشکوۃ باب فضل الفقرا بروایت صحیح مسلم، ۲؎ حوالہ مذکور بروایت بخاری و مسلم ۳؎ حوالہ مذکور بروایت دارمی۔

اسی راہ سے گذرے، آپ نے پھر اس سے استفسار فرمایا کہ "انکی نسبت کیا کہتے ہو؟" عرض کی "یارسول اللہ یہ فقراے مہاجرین مین سے ہے، اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کردیا جائے، اور سفارش کرے تو رد کردی جائے، اور اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے" ارشاد ہوا کہ "تمام روے زمین بھر اگر اس امیر جیسے آدمی ہون تو اس سے یہ ایک غریب[1] بہتر ہے"

آنحضرت صلعم اکثر دعا مین فرمایا کرتے تھے "خداوندا مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا، اور مسکینون ہی کے ساتھ میرا حشر کر" حضرت عایشہ نے دریافت کیا یارسول اللہ صلعم یہ کیون؟ فرمایا "اس لیے کہ یہ دولت مندون سے پہلے جنت مین جائین گے" پھر فرمایا "اے عایشہ کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیر گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیون نہو، اے عایشہ غریبون سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تمکو اپنے سے نزدیک کریگا[2]"

ایک دفعہ چند غریب مسلمانون نے آکر خدمت اقدس مین عرض کی کہ یارسول اللہ! امرا ہم سے درجۂ اخروی مین بھی بڑھتے جاتے ہین، نماز، روزہ جس طرح ہم کرتے ہین وہ بھی کرتے ہین لیکن صدقات و خیرات سے جو نیکیاں انکو ملتی ہین ان سے ہم محروم ہین۔ آپ نے فرمایا کیا "مین تم کو وہ بات نہ بتاؤن جس سے تم اگلون کے برابر ہو جاؤ، اور پچھلون سے بڑھ جاؤ، اور پھر کوئی تمھاری برابری نہ کرسکے" عرض کی ہان یارسول اللہ! بتایے" ارشاد ہوا ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ دفعہ سبحان اللہ، اور الحمد للہ۔ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ہمارے دولت مند بھائیون نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کردیا، فرمایا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء یعنی

[1] حوالہ مذکور بروایت صحیح بخاری و صحیح مسلم، [2] مشکوۃ باب فضل الفقرا بروایت ترمذی و بیہقی و ابن ماجہ،

یہ خدا کا دین ہے جس کو چاہے دے[۱]،

مسلمانوں سے جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا کہ

توخذ من امرائھم و تردّ علی فقرائھم ہر قبیلہ کے یا ہر شہر کے امراء سے لیکر وہین کے غربا مین تقسیم کردیجائے،

صحابہ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہین بھیجتے تھے[۲]،

مساوات کے بیان مین یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ و بلالؓ کو جنکا شمار فقراے مہاجرین مین ہے ڈانٹا تھا، آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم نے ان لوگون کو آزردہ تو نہین کیا، یہ سنکر حضرت ابوبکر ان لوگون کے پاس واپس آئے اور معافی مانگی، اور ان لوگون نے معاف کیا،

عوالی مین ایک عورت رہتی تھی، وہ بیمار پڑی، اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مرجائے گی، آپ نے لوگون سے کہا کہ وہ مرجائے تو مین جنازہ کی نماز خود پڑھاؤن تو اس کے بعد دفن کیجائے، اتفاق سے اُس نے کچھ رات گئے انتقال کیا، اس کا جنازہ جب تیار ہوکر لایا گیا تو آپ آرام فرما چکے تھے، صحابہ اس وقت آپ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھے، اور رات ہی کو دفن کردیا، صبح کو آپ نے دریافت فرمایا تو لوگون نے واقعہ عرض کیا، آپ یہ سنکر کھڑے ہوگئے اور صحابہ کو ساتھ لیکر دوبارہ اسکی قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی[۳]۔

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہین کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافردار حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی

---

[۱] صحیح بخاری و مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ [۲] ابوداؤد۔ زکوۃ [۳] یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ مین بھی ہے لیکن یہان سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی اللیل سے لیا گیا ہے۔

کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالین بدن سے بندھی ہوئی، تلوارین گلون مین پڑی ہوئی، انکی یہ حالت دیکھکر آپ بیحد متاثر ہوئے، چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب مین آپ اندر گئے باہر آئے، پھر حضرت بلال رض کو اذان دینے کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانون کو ان کی امداد و اعانت کے لیے آمادہ کیا[1]،)

دشمنانِ جان سے عفو و درگذر

(جانی دشمنون اور قاتلانہ حملہ آورون سے عفو و درگذر کا واقعہ پیغمبرون کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہان ملسکتا ہے جس شب کو آپ نے ہجرت فرمائی ہے، کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد صلعم کا سر قلم کردیا جائیگا، اس لیے دشمنون کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا، اگرچہ اسوقت ان دشمنون سے انتقام لینے کی آپ مین ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب ان مین سے ایک ایک شخص کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی، اور انکی جان صرف آنحضرت صلعم کے رحم وکرم پر موقوف تھی، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان مین سے کوئی شخص اس جرم مین کبھی مقتول نہین ہوا،

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت صلعم کے سر کی قیمت مقرر کی تھی، اور اعلان کیا تھا کہ جو محمد صلعم کا سر لائیگا یا زندہ گرفتار کریگا اس کو سو اونٹ انعام مین دیے جائینگے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار، ہاتھ مین نیزہ لیے ہوئے آپ کے قریب پہنچے، آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھکر اپنی نیت بد سے توبہ کی، اور خواہش کی کہ مجکو سند امان لکھدی جائے، چنانچہ سند امان لکھکر ان کو دیگئی[2]، مگر اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقۂ اسلام مین داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان مین نہین آیا[3]،

---

[1] صحیح مسلم صدقات [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ، [3] سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کا حال استیعاب و اصابہ وغیرہ مین دیکھو،

عمیر بن وہب آنحضرت صلعم کا سخت دشمن تھا، مقتولین بدر کے انتقام کے لیے جب سارا قریش بیتاب تھا، تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ چپکے سے جاکر نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کا کام تمام کر دے، عمیر اپنی تلوار زہر مین بجھا کر مدینہ آیا، لیکن وہان پہنچنے کے ساتھ اس کے تیور دیکھکر لوگون نے پہچان لیا، حضرت عمر نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی لیکن آپ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتین کین اور اصلی راز ظاہر کر دیا، یہ سنکر سناٹے مین آگیا، لیکن آپ نے اس سے کوئی تعرض نہین فرمایا، یہ دیکھکر وہ اسلام لایا، اور مکہ مین جاکر اسلام کی دعوت پھیلائی، یہ واقعہ ۲ھ کا ہے[1]

ایک دفعہ آپ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، راہ مین ایک میدان آیا۔ دھوپ تیز تھی، لوگون نے درختون کے نیچے بستر لگا دیے، آنحضرت صلعم نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا، اور تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی، کفار موقع کے منتظر رہتے تھے، لوگون کو غافل دیکھکر ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آکر بیخبری مین تلوار اتار لی، دفعۃً آپ بیدار ہوئے تو دیکھا ایک شخص سرہانے کھڑا ہے، اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ مین ہے، آپ کو بیدار دیکھکر بولا کیون محمد! اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا "اللہ" یہ پر اثر آواز سنکر اسنے تلوار نیام مین کرلی، اتنے مین صحابہ آگئے، آپ نے ان سے واقعہ دھرایا، اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہین فرمایا۔[2]

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہ اس کو گرفتار کر کے آنحضرت صلعم کے سامنے لائے، وہ آپ کو دیکھکر ڈر گیا، آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا "ڈرو نہین، اگر تم مجکو قتل کرنا چاہتے بھی تو نہین کر سکتے تھے"[3]

---

[1] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۲۰۸، [3] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۱۔

فتح مکہ کے زمانہ مین ایک دفعہ اسّی آدمیون کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر آیا اور چھپکر آنحضرت صلعم کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہوگئے، لیکن آنحضرت صلعم نے انکو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہین کیا، (قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے [1]۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم (فتح) اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لیے)

خیبر مین ایک یہودیہ نے آنحضرت صلعم کو کھانے مین زہر دیا، آپ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا، آپ نے یہودیون کو بلاکر دریافت کیا تو انہون نے اقرار کیا، لیکن آپ نے کسی سے کچھ تعرض نہین فرمایا لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی نے انتقال کیا تو آپ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خود آنحضرت صلعم کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا [2]،

دشمنون کے حق مین دعاے خیر (دشمنون کے حق مین بد دعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبرون کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے، جو لوگ ان کو گالیان دیتے ہین، وہ ان کے حق مین دعائے خیر کرتے ہین، اور جو ان کے تشنۂ خون ہوتے ہین، وہ انکو پیار کرتے ہین۔ ہجرت سے قبل مکہ مین مسلمانون پر اور خود آنحضرت صلعم پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے، اس داستان کے دہرانے کے لیے بھی سنگدلی درکار ہے اسی زمانہ مین خباب بن ارتؓ ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! دشمنون کے حق مین بد دعا فرمایئے یہ سنکر چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا [3]۔ ایک دفعہ چند صاحبون نے ملکر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا کہ "مین دنیا کے لیے لعنت نہین بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہون [4]"

وہ قریش جنھون نے تین برس تک آپ کو محصور رکھا اور جو آپ کے پاس غلہ کے ایک دانہ

---

[1] جامع ترمذی تفسیر فتح [2] صحیح بخاری، وفاۃ النبی صلعم [3] صحیح بخاری بعثت النبی صلعم [4] مشکوۃ اخلاق النبی بحوالہ صحیح مسلم

کے پہنچنے کے روادار نہ تھے، اُن کی شرارتوں کی پاداش مین دعائے نبوی کی استجابت نے ابر رحمت کا سایہ ان کے سر سے اُٹھالیا، اور مکہ مین اس قدر سخت قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، ابوسفیان نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ "محمدؐ! تمہاری قوم ہلاک ہورہی ہے، خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو" آپ نے بلاعذر فوراً دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات[1] دی۔

جنگ احد مین دشمنون نے آپ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلوارین چلائین، دندان مبارک کو شہید کیا، جبینِ اقدس کو خون آلودہ کیا، لیکن ان حملون کا وار آپ نے جس سپر پر روکا، وہ صرف یہ دعا تھی،

اللھم اھدِ قومی فانھم لایعلمون، خدایا! ان کو معاف کر، کہ یہ نادان ہین۔

وہ **طائف** جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزاء اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طایف جس نے داعی اسلام کو اپنی پناہ مین لینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ طائف جس نے پاے مبارک کو لہولہان کیا تھا، اُس کی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے، جواب ملتا ہے کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا[2] ہو" جس بارہ برس کے بعد بھی طایف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے، جان نثارون کی لاشون پر لاشین گر رہی ہین، صحابہ عرض کرتے ہین کہ "یا رسول اللہ! ان کے حق مین بد دعا کیجیے"، آپ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہین، لوگ سمجھتے ہین کہ حضور ان کے حق مین بد دعا فرمائین گے، لیکن زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہین "خداوندا! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر، اور دوستانہ ان کو مدینہ لا"۔ وہ تیر جو میدانِ جنگ مین نشانہ پر نہین لگے تھے، وہ مدینہ کے صحن مسجد مین زبان مبارک سے نکلکر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے، یعنی وہ مدینہ آکر خاص مسجد نبوی مین ٹھہکر جہان وہ مہمان ٹھہرائے گئے،

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان جلد دوم [2] صحیح بخاری۔

تھے، مسلمان ہوئے[1]،

دوس کا قبیلہ یمن مین رہتا تھا، **طفیل** بن عمرو دوسی اس قبیلہ کے رئیس تھے، وہ قدیم الاسلام تھے، مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا، ناچار وہ خدمت اقدس مین حاضر ہوے اور اپنے قبیلہ کی حالت عرض کرکے گزارش کی کہ ان کے حق مین بددعا فرمایئے لوگون نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی مین کوئی شک نہین رہا لیکن رحمت عالم نے جن الفاظ مین یہ دعا فرمائی وہ یہ[2] تھے،

اللھم اھد دوسًا وائت بھم خداوندا! دوس کو ہدایت کر اور ان کو لا۔

حضرت **ابوہریرہ**ؓ کی ماں مشرک تھین، اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، وہ ابا کرتی تھین، ایک دن انھون نے اسلام کی دعوت دی تو انکی ماں نے آنحضرت صلعم کی شان مین گستاخی کی، حضرت ابوہریرہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے، اور اسی حالت مین آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا، آپ نے دعا کی "الٰہی! ابوہریرہ کی مان کو ہدایت نصیب کر" وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کواڑ بند ہین اور مان نہارہی ہین غسل سے فارغ ہوکر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا[3]۔

عبداللہ بن ابی بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا، اور کوئی موقع اسنے آنحضرت صلعم اور مسلمانون کے خلاف خفیہ سازشون اور علانیہ استخفاف واہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کفار قریش کے ساتھ اسکی خفیہ خط وکتابت تھی، غزوۂ احد مین عین موقع پر اپنے ہمراہیون کے ساتھ مسلمانون کی فوج سے الگ ہوگیا۔ واقعۂ افک مین حضرت عایشہ پر الزام لگانے والون مین وہ سب سے آگے تھا، لیکن باایہمہ اسکی

---

[1] ابن سعد غزوۂ طایف [2] صحیح مسلم مناقب دوس [3] صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہ۔

فرد جرم کو رحمت عالم کا حلم وعفو ہمیشہ دھوتا رہا۔ وہ مرا تو آپ نے اسکی مغفرت کی نماز پڑھی، اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "یا رسول اللہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہین، حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا اور یہ کہا"، آپ یہ سنکر متبسم ہوے اور فرمایا "ہٹو اے عمر" جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا "اگر مجھے اختیار دیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اگر ستر دفعہ مین نماز پڑہون تو اسکی بخشش ہوسکتی ہے، تو مین اس سے بھی زیادہ پڑھتا"[1]

بچون پر شفقت | بچون پر نہایت شفقت فرماتے تھے، معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ مین جو بچے ملتے ان مین سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے[2] راستہ مین بچے ملجاتے تو ان کو خود سلام کرتے[3]

ایک دن **خالد بن سعید** خدمت اقدس مین آئے، ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن مین تھا آپ نے فرمایا سنتہ سنتہ، حبشی زبان مین حسنہ کو سنتہ کہتے ہین، چونکہ انکی پیدایش حبش مین ہوئی تھی، اس لیے آپ نے اس مناسبت سے حبشی لفظ مین حسنہ کے بجاے سنتہ کہا، آنحضرت صلعم کے پشت پر جو مہر نبوت تھی ابھری ہوئی تھی، بچون کی عادت ہوتی ہے غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہین، وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگین، خالد نے ڈانٹا آنحضرت صلعم نے روکا کہ کھیلنے دو[4]۔

ایک دفعہ آپ کے پاس کہین سے کپڑے آئے جن مین ایک سیاہ چادر بھی تھی جس مین دونون طرف آنچل تھے آپ نے حاضرین سے کہا یہ چادر کس کو دون، لوگ چپ رہے آپ نے فرمایا "ام خالد کو لاؤ[5]" وہ آئین تو آپ نے ان کو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا "پہننا اور پرانی کرنا" چادر مین جو بوٹے تھے آپ ان کو دکھا دکھا کے فرماتے تھے "ام خالد دیکھنا یہ سنا ہے یہ سنا ہے[6]" اوپر گذر چکا ہے کہ ام خالد حبش مین پیدا ہوئی تھین اور کئی سال

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز [2] ابوداؤد کتاب الادب، [3] بخاری جلد دوم صفحہ ۹۲۶ [4] اصابہ مین ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھین کہ لوگ ان کو گود مین اٹھا کر لائے، (اصابہ ترجمہ ام خالد) [5] بخاری کتاب اللباس سنا حبشی مین حسن کو کہتے ہین۔

تک وہین رہی تھین اس لیے ان سے حبشی زبان مین خطاب کیا۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن مین انصار کے نخلستان مین چلا جاتا اور ڈھیلون سے مار کر کھجورین گراتا۔ لوگ مجکو خدمت اقدس مین لے گئے، آپ نے پوچھا کہ ڈھیلے کیون مارتے ہو، مین نے کہا کھجورین کھانے کے لیے، ارشاد فرمایا کہ کھجورین جو زمین پر ٹپکتی ہین انکو اٹھا کر کھا لیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارو، یہ کہکر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی[۱]،

ماں بچے کی محبت کے واقعات سے آپ پر سخت اثر ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی، دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھین، اسوقت حضرت عائشہ کے پاس کچھ نہ تھا، ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی وہی اٹھا کر دیدی، عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور دونون مین برابر تقسیم کر دیا، آنحضرت صلعم باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ واقعہ سنایا، ارشاد ہوا کہ جس کو خدا اولاد کے محبت مین ڈالے اور وہ ان کا حق بجا لائے، وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا[۲]"

حضرت انسؓ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے کہ مین نماز شروع کرتا ہون اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر مین ختم کرون گا، دفعۃً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کر دیتا ہون کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی[۳]۔

(یہ محبت اور شفقت مسلمان بچون تک محدود نہ تھی، بلکہ مشرکین کے بچون پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ مین چند بچے جھپٹ مین آکر مارے گئے، آپ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے، ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ وہ مشرکین کے بچے تھے، آپ نے فرمایا "مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہین،

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد [۲] بخاری صفحہ ۸۰۰ [۳] بخاری کتاب الصلوۃ۔

خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے[1]"

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے[2]. بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا، اس نے کہا "تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو، میرے دس بچے ہیں مگر آج تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں[3]"

جابر بن سمرہ صحابی تھے، وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلعم کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر کی طرف چلے، میں بھی ساتھ ہو لیا، کہ ادھر سے چند اور لڑکے نکل آئے آپ نے سب کو پیار کیا، اور مجھے بھی پیار کیا[4]۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں آپ کا داخلہ ہو رہا تھا، انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھیں، جب آپ کا ادھر گذر ہوا فرمایا "اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو؟ سب نے کہا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا "میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں[5]"

حضرت عائشہ کمسنی میں بیاہ کر آئی تھیں، محلہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں، آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپ کا لحاظ کر کے ادھر ادھر چھپ جاتیں، آپ انھیں تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے[6]۔

غلاموں پر شفقت | آنحضرت صلعم غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ "یہ تمہارے

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۳۵۔ [2] معجم صغیر طبرانی باب المیم معجم محمدؐ، [3] صحیح بخاری و مسلم کتاب الادب۔ [4] صحیح مسلم باب طیب رائحۃ النبی صلعم [5] سیرت جلد اول ہجرت، [6] ابوداؤد کتاب الادب باب اللعب،

بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ"، آنحضرت صلعم کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو آپ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے لیکن وہ حضور کے احسان وکرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے، ماں، باپ، قبیلہ، رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، **زید بن حارثہ** غلام تھے آنحضرت صلعم نے ان کو آزاد کر دیا، ان کے باپ ان کو لینے آئے لیکن وہ اس آستانۂ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے، اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا، زید کے بیٹے اسامہ سے آپ اسقدر محبت کرتے تھے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو میں اسکو زیور پہناتا، خود اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے،

غلاموں کو لفظ "غلام" کا سنکر اپنی نظر میں اپنی آپ ذلت محسوس ہوتی تھی، آنحضرت صلعم کو انکی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، فرمایا کوئی "میرا غلام" "میری لونڈی" نہ کہے "میرا بچہ" "میری بچی" کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند خدا ہے، آقا کہیں۔ آنحضرت صلعم کو غلاموں پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ "غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرنا"

حضرت **ابو ذر** بہت قدیم الاسلام صحابی تھے، اور آنحضرت صلعم ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے، ایک دفعہ انھوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو برا بھلا کہا، غلام نے آنحضرت صلعم سے جاکر شکایت کی، آپ نے ابو ذر کو زجر فرمایا کہ تم میں اب تک جہالت باقی ہے، یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، خدا نے تمکو ان پر فضیلت عطا کی ہے، اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو، جو خود کھاؤ وہ انکو کھلاؤ، جو خود پہنو وہ انکو پہناؤ، انکو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں، اور اگر اتنا کام دو تو خود بھی انکی اعانت کرو[1]"

ایک دفعہ ابو مسعود انصاری اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی ابو مسعود! تم کو جس قدر

---

[1] بخاری باب المعاصی من امر الجاہلیۃ و ابو داؤد کتاب الادب،

اس غلام پر اختیار ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے" ابو مسعود نے مڑکر دیکھا تو آنحضرت صلعم تھے عرض کی یا رسول اللہ میں نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا، فرمایا "اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتشِ دوزخ تم کو چھولیتی"۔

ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا عرض کی "یا رسول اللہ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ خاموش رہے، اس نے پھر عرض کی، آپ نے پھر خاموشی اختیار کی، اس نے تیسری بار عرض کی، آپ نے فرمایا ہر روز ستر بار معاف کیا کرو"

آنحضرت صلعم کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے، اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی، ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لونڈی کو تھپڑ مارا، آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو، لوگوں نے کہا "یا رسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادمہ ہے" آپ نے فرمایا "اچھا اس وقت تک خدمت گذاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہوجاؤ، جب حاجت نہ رہے تو وہ آزاد ہے[1]"

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے جن کے وہ بہت شاکی تھے، وہ ان کو مارتے تھے، بُرا بھلا کہتے تھے لیکن وہ دونوں باز نہ آتے تھے، انھوں نے آکر آنحضرت صلعم سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا، آپ نے فرمایا "تمہاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر، ورنہ سزا کی جو مقدار زاید ہوگی اس کے برابر تمہیں بھی خدا سزا دیگا" یہ سنکر وہ بیقرار ہوگئے اور گریہ وزاری شروع کی، آنحضرت صلعم نے فرمایا یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ یہ سنکر انھوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ بہتر یہ ہے کہ میں انکو اپنے سے جدا کردوں آپ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں[2]"

---

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الادب باب حق المملوک میں مذکور ہیں [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۸۰ -

غلامون کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے جبراً ان مین تفریق کر دیتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا اور پھر دونون مین علیحدگی کرنی چاہی غلام نے خدمت نبوی مین آکر شکایت کی آپ نے منبر پر خطبہ دیا کہ "لوگ کیون غلامون کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہین، نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے[1]"

اسی رحم و شفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافرون کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے اور آپ انھین آزاد فرما دیتے[2] تھے، مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپ اس مین سے غلامون کو بھی حصہ[3] دیتے تھے جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہین ہوتا تھا اسلیے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس مین سے سب سے پہلے آپ انھین کو عنایت فرماتے تھے،)

مستورات کے ساتھ برتاؤ دنیا مین یہ صنف ضعیف (عورتین) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہے اس لیے کسی نامور شخص کے حالات مین یہ پہلو کبھی پیش نظر نہین رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتون کی حق رسی کی اور عزت و منزلت کے دربار مین انکو مردون کے برابر جگہ دی اس لیے شارع اسلام کے واقعات زندگی مین ہمکو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔

صحیح بخاری مین آنحضرت صلعم کے ایلاء (ازواج مطہرات سے چند روزہ علحدگی) کی جو روایت مذکور ہے اس مین حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مکہ مین ہملوگ عورتون کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے، مدینہ مین نسبتہً عورتون کی قدر تھی، لیکن نہ اس قدر جسکی وہ مستحق تھین" آنحضرت صلعم نے جسطرح اپنے ارشاد و احکام سے اُنکے

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد۔ و مسند ابن حنبل جلد اول ص ۲۴۸ [3] ابوداؤد باب قسمۃ الفئی۔

حقوق قایم کیے آپ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایان کر دیا، ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہین، یہان ہم عام واقعات لکھتے ہین۔

آنحضرت صلعم کے دربار مین چونکہ ہر وقت مردون کا ہجوم رہتا تھا، عورتون کو وعظ و پند سننے اور مسائل کے دریافت کرنے کا موقع نہین ملتا تھا، مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردون سے ہم عہدہ برآ نہین ہو سکتے، اس لیے ہمارے لیے ایک خاص دن مقرر کر دیا جائے، آنحضرت صلعم نے انکی درخواست قبول فرمائی[1] اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

جن لوگون نے آغاز اسلام مین حبش کو ہجرت کی تھی، ان مین اسما بنت عمیس بھی تھین، خیبر کی فتح کے زمانہ مین مہاجرین حبش مدینہ مین آئے تو وہ بھی آئین، ایک دن وہ حضرت حفصہ سے ملنے گئین، اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمر بھی موجود تھے، انکو دیکھکر پوچھا یہ کون ہین، حضرت حفصہ نے نام بتایا، حضرت عمر نے کہا "ہان وہ حبش والی وہ سمندر والی" اسما بنت عمیس نے کہا ہان وہی، حضرت عمر نے کہا "ہمنے تم لوگون سے پہلے ہجرت کی، اور اس لیے رسول اللہ صلعم پر ہمارا زیادہ حق ہے" اسما کو سخت غصہ آیا، بولین "ہرگز نہین تم لوگ رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتے تھے، وہ بھوکون کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال ہو کہ گھر سے دور بیگانے حبشیون مین رہتے تھے، لوگ ہمکو ستاتے تھے، اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا"

یہ باتین ہو رہی تھین کہ رسول اللہ صلعم آ گئے، اسما نے کہا "یا رسول اللہ! عمر نے یہ یہ کہا" آپ نے فرمایا تمنے کیا جواب دیا، انھون نے ماجرا سنایا، آپ نے فرمایا "عمر کا حق مجھپر تمسے زیادہ نہین ہے، عمر اور ان کے

[1] صحیح بخاری کتاب العلم ہل یجعل للنساء یوماً علی حدۃ۔

ساتھیون نے صرف ایک ہجرت کی" اور تم لوگون نے دو ہجرتین کین"

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق جوق اسمار کے پاس آتے، اور آنحضرت صلعم کے الفاظ اُن سے بار بار دہرواکر سنتے۔ حضرت اسمار کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا مین کوئی چیز آنحضرت صلعم کے اُن الفاظ سے زیادہ تر مسرت انگیز نہ تھی[1]

حضرت انس بن مالکؓ جو خادم خاص تھے ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا، (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ کی بھی خالہ تھین) معمول تھا جب آپ قُبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لاکر پیش کرتین اور آپ نوش فرماتے، آپ سو جاتے تو بالون مین سے جوئین نکالتین[2]۔

حضرت انس کی والدہ ام سلیم سے آپ کو نہایت محبت تھی آپ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے وہ بچھونا بچھا دیتین، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اُٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی مین جمع کر لیتین، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن مین جو خوشبو ملائی جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملا جائے[3]۔

ایک دفعہ حضرت انسؓ کی دادی ملیکہ نے آپ کی دعوت کی کھانا خود تیار کیا تھا آنحضرت صلعم نے کھانا نوش فرماکر فرمایا "آؤ مین تمکو نماز پڑھا دون" گھر مین صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہوگئی تھی حضرت انسؓ نے پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیے بچھایا، آنحضرت صلعم نے امامت کی، حضرت انس اور انکی دادی" اور یتیم (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے آپ نے دو رکعت نماز ادا کی" اور واپس آئے[4]۔

حضرت ابوبکر کی صاحبزادی (اسمار) جو حضرت عائشہ کی علاتی بہن تھین حضرت زبیر سے بیاہی

[1] صحیح بخاری غزوۂ خیبر [2] بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۳۹۱ [3] بخاری کتاب الاستیذان
[4] بخاری باب الصلوٰۃ علی الحصیر

تھیں مدینہ میں آئیں تو اس وقت حضرت زبیر کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا حضرت اسماءؓ خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھانس لاتیں اور کھانا پکاتیں، حضرت زبیر کو جو زمین آنحضرت صلعم نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں، ایک دن وہ گٹھلیاں لیے ہوئے آ رہی تھیں کہ آنحضرت صلعم نے دیکھا آپ اسوقت اونٹ پر سوار تھے اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لیں حضرت اسماءؓ شرمائیں آنحضرت صلعم نے یہ دیکھکر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا مجکو اس قدر غنیمت معلوم ہوا کہ گویا میں غلامی سے آزاد ہو گئی۔[1]

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی آنحضرت صلعم سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں کہ حضرت عمرؓ آئے تو سب اٹھکر چل دیں آنحضرت صلعم ہنس پڑے حضرت عمرؓ نے کہا خدا آپ کو خنداں رکھے کیوں ہنسے، فرمایا مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں حضرت عمرؓ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا "اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت صلعم سے نہیں ڈرتیں سب نے کہا "تم رسول اللہ صلعم کی نسبت سخت مزاج ہو"![2]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آپ منہ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے، عید کا دن تھا، چھوکریاں گا بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "ان کو گانے دو یہ ان کی عید کا دن ہے"![3]

عورتیں عموماً نہایت دلیری کے ساتھ آپ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہ

[1] بخاری صفحہ ۷۸۶، کتاب النکاح [2] صحیح بخاری مناقب عمر بن خطاب۔ [3] مسلم کتاب العیدین۔

کو انکی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہین ظاہر فرماتے تھے،)

چونکہ عورتین عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہین ان کی خاطر داری کا نہایت خیال رکھتے تھے،

انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خوان تھے یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے ایک دفعہ سفر مین ازواج مطہرات ساتھ تھین، انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے، اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ نے فرمایا انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتین) ٹوٹنے نہ پائین۔

حیوانات پر رحم | حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے، ان بے زبانون پر جو ظلم مدت سے عرب مین چلے آتے تھے موقوف کرا دیے۔ اونٹ کے گلے مین قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا اس کو روک دیا زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اس کو منع کر دیا جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ "دم ان کا مورچھل اور ایال ان کا لحاف ہے" جانورونکو دیر تک سازمین باندھکر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ "جانورون کی پیٹھون کو اپنی نشستگاہ اور کرسی نہ بناؤ"، اسیطرح جانورون کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا۔ ایک بیرحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیراندازی کرتے تھے اس سنگدلی کی بھی قطعاً ممانعت کر دی،)

ایک دفعہ ایک گدھا راہ مین نظر پڑا جسکا چہرہ داغا گیا تھا۔ فرمایا کہ جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو، علامت یا بعض دیگر ضرورتون کی وجہ سے اونٹون اور بکریون کو داغنا پڑتا تھا ایسی حالت مین آپ ان اعضاء کو داغتے جو زیادہ نازک نہین ہوتے، حضرت انس کہتے ہین کہ مین ایک دفعہ بکریون کے

۱؎ صحیح مسلم باب اللباس والزینۃ۔

ریوڑ مین گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلعم بکریون کے کان داغ رہے ہین[1]۔

(ایک بار آپ کسی سفر مین جا رہے تھے لوگون نے مقام پر منزل کیا، وہان ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا ایک شخص نے وہ انڈا اٹھا لیا چڑیا بیقرار ہو کر پر مار رہی تھی آنحضرت صلعم نے دریافت کیا کہ "اس کا انڈا چھینکر کس نے اس کو اذیت پہنچائی" ان صاحب نے کہا "یا رسول اللہ مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے" آپنے فرمایا "وہین رکھ دو[2]"

ایک صحابی خدمت اقدس مین حاضر ہوئے ان کے ہاتھ مین چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے بچے تھے آپ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آ رہی تھی جا کر دیکھا تو یہ بچے تھے مین نے انکو نکال لیا پرندہ نے یعنی ان بچون کی مان نے یہ دیکھا تو وہ میرے سر منڈلانے لگی آپ نے فرمایا جاؤ اور بچون کو وہین پھر رکھ آؤ[3]"

ایک بار راستہ مین ایک اونٹ نظر سے گذرا جس کے پیٹ اور پیٹھ شدت گرسنگی سے ایک ہو گئے تھے، فرمایا کہ "ان بے زبانون کے متعلق خدا سے ڈرو[4]" ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ مین آپ تشریف لے گئے، ایک گرسنہ اونٹ نظر پڑا۔ آپ کو دیکھکر بلبلایا۔ آپ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا، پھر لوگون سے اس کے مالک کا نام پوچھا، معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے، ان سے آپ نے فرمایا کہ "اس جانور کے معاملہ مین تم خدا سے نہین ڈرتے[5]"

رحمت و محبت عام | (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بنکر آئی تھی حضرت مسیح نے

[1] یہ حدیثین ترمذی و ابوداؤد وغیرہ مین مذکور ہین۔ [2] ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ البہائم۔ [3] مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ
[4] ابوداؤد کتاب الجہاد [5] ابوداؤد باب مذکور۔

کہا تھا کہ میں اُن کا شاہزادہ ہوں" لیکن شہزادہ اُن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں لیکن اُن کے شاہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا،

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ — محمدؐ ہم نے تجکو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے،

تم آنحضرت صلعم کے حلم وعفو مسامحت و درگذر کے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے، نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت میں دوست دشمن، کافر مسلم، بوڑھے بچے، عورت مرد، آقا و غلام، انسان وحیوان ہر ایک صنف ہستی برابر کی حصہ دار تھی،

ایک صاحب نے آپ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضبناک ہو کر فرمایا کہ میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں آیا ہوں[1] رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں[2] آپ نے دنیا کو پیغام دیا۔

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا — ایک دوسرے پر بغض وحسد نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو

وکونوا عباد اللہ اخوانا، — اور اے خدا کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا،

احب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما[3] — لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلم ہوگے

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لا یؤمن احد کم حتی یحب للناس ما یحب لنفسه وحتی یحب المرء لا یحبه الا للّٰه عزوجل، — تم میں سے کوئی اسوقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لیے وہی محبوب رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہو اور جب تک وہ دوسرے کو بغیر غرض صرف خدا کے لیے پیار نہ کرے۔

(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۷۲)

[1] زرقانی صفحہ ۲۸۹ جلد ۳ [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ صفحہ ۹۰ [3] جامع ترمذی ابواب الزہد بسند غریب،

ایک شخص نے مسجد نبوی مین آکر دعا کی "خدایا! مجکو اور محمد کو مغفرت عطا کر" آپ نے فرمایا "خدا کی وسیع رحمت کو تمنے تنگ کر دیا"[1]، ایک اور روایت مین ہو کہ ایک اعرابی مسجد نبوی مین[2] آیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بولا خداوندا! مجھپر اور محمد پر رحمت بھیج! اور ہماری رحمت مین کسی اور کو شریک نہ کر" آپ نے صحابہ کی طرف خطاب کرکے فرمایا بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ! (یعنی آپ نے اس قسم کی دعا کو ناپسند فرمایا۔)

رقیق القلبی | آنحضرت صلعم نہایت نرم دل اور رقیق القلب تھے، (مالک بن حویرث ایک وفد کے رکن بنکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تھے، ان کو بیس دن تک مجلس نبوی مین شرکت کا موقع ملا تھا وہ فرماتے تھے

کان (رسول اللہ صلعم) رحیما رقیقا[3]، آنحضرت صلعم رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے،)

حضرت زینب رض کا بچہ مرنے لگا تو انھون نے آنحضرت صلعم کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے مجبوراً آپ تشریف لے گئے، حضرت سعد رض بن عبادہ، معاذ بن جبل رض، ابی بن کعب رض، زید بن ثابت رض بھی ساتھ تھے بچہ کو لوگ ہاتھ مین لیکر سامنے لائے، وہ دم توڑ رہا تھا، بے اختیار آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے حضرت سعد کو تعجب ہوا کہ یارسول اللہ! یہ کیا، فرمایا خدا انھی بندون پر رحم کرتا ہے جو اورون پر رحم کرتے ہین[4]

غزوہ احد کے بعد جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو گھر گھر شہیدون کا ماتم برپا تھا مستورات اپنے اپنے شہیدون پر نوحہ کر رہی تھین، یہ دیکھکر آپ کا دل بھر آیا اور فرمایا حمزہ رض (عم رسول اللہ صلعم) کا کوئی نوحہ خوان نہین[5]۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، [2] ابو داؤد کتاب الادب۔ شاید یہ دونون واقعے ایک ہون۔ [3] بخاری صفحہ ۸۸۸ باب رحمۃ الناس [4] صحیح بخاری صفحہ ۸۴۴، باب المرضیٰ [5] سیرۃ جلد اوّل، احد۔

ایک بار ایک صحابی جاہلیت کا اپنے ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی عرب مین لڑکیون کے مار ڈالنے کا کہین کہین دستور تھا مین نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین مین گاڑ دیا وہ "ابا ابا" کہکر پکار رہی تھی اور مین اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا، اس بیدردی کو سنکر آنحضرت صلعم کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے، آپ نے فرمایا کہ "اس قصہ کو پھر دہراؤ" ان صحابی نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا، آپ بے اختیار روئے یہان تک کہ روتے روتے محاسن مبارک تر ہوگئے۔[1]

حضرت عباسؓ بدر مین گرفتار ہو کر آئے تو لوگون نے ان کے ہاتھ پانون بہت جکڑ کر باندھ دیے تھے اور وہ درد سے کراہتے تھے، ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک مین بار بار پہنچ رہی تھی لیکن اس خیال سے انکے ہاتھ نہین کھولتے تھے کہ لوگ کہین گے کہ یہ اپنے عزیزون کے ساتھ غیر مساویانہ رحمدلی ہے تاہم نیند نہین آتی تھی آپ بے چین ہو ہو کر کروٹین بدل رہے تھے، لوگون نے بیقراری کا سبب سمجھکر انہین ڈھیلی کر دین، حضرت عباسؓ کی کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپ نے استراحت فرمایا۔

مصعب بن عمیرؓ ایک صحابی تھے، جو اسلام سے پہلے بہت ناز و نعمت مین پلے تھے ان کے والدین بیش قیمت سے بیش قیمت لباس انکو پہناتے تھے، خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہوگئے یہ دیکھکر کہ لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے والدین کی محبت دفعۃً عداوت سے بدلگئی ایک دفعہ وہ آنحضرت صلعم کیخدمت مبارک مین اس حال مین آئے کہ وہ جسم جو حریر و قاقم مین ملبوس رہتا تھا اس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا، یہ پر اثر منظر دیکھکر آپ آبدیدہ ہوگئے۔[2]

بیمارون کی عیادت مین دوست دشمن، مومن کافر کسی کی تخصیص نہ تھی (سنن نسائی	عیادت و تعزیت و غمخواری وغیرہ

[1] مسند دارمی صفحہ اول [2] ترغیب و ترہیب جلد دوم صفحہ ۲۴۴ بحوالہ ترمذی و مسند ابو یعلی۔

باب التکبیر علی الجنازۃ مین ہی کان النبی صلعم احسن شیئ عیادۃ المریض، آنحضرت صلعم بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے، بخاری وابوداؤد وغیرہ) مین روایت ہی کہ ایک یہودی غلام مرض الموت مین بیمار ہوا تو آپ عیادت کو تشریف[1] لے گئے۔

عبداللہ بن ثابت جب بیمار ہوئے اور آپ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی آواز دی وہ خبر نہوئے، فرمایا افسوس ابوالربیع! تمپر ہمارا زور اب نہین چلتا، یہ سنکر عورتین بے اختیار چیخ اٹھین اور رونے لگین، لوگون نے روکا آپ نے ارشاد فرمایا اس وقت رونے دو، مرنے کے بعد البتہ رونا نہین چاہیے، عبداللہ بن ثابت کی لڑکی نے کہا مجکو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیے تھے آپنے فرمایا اُن کو نیت کا ثواب مل چکا[2]۔

حضرت جابر بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا، پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے[3] ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر پیدل ان کی عیادت کو گئے ان پر غشی طاری تھی، پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا جابر ہوش مین آگئے اور عرض کی یا رسول اللہ اپنا ترکہ کس کو دون، اس پر یہ آیت اتری، یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ[4]،

ایک صاحب بیمار ہوئے آپ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے جب انھون نے انتقال کیا تو لوگون نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپ کو تکلیف ہوگی خبر نہ کی اور دفن کر دیا، صبح کو معلوم ہوا تو آپنے شکایت کی، اور قبر پر جاکر نماز جنازہ پڑھی[5]۔

عبداللہ بن عمرو نے غزوۂ احد مین شہادت پائی تھی اور کافرون نے اُن کے ہاتھ پاؤن

[1] صحیح بخاری باب عیادۃ المشرک، [2] ابوداؤد باب الجنائز [3] ایضاً [4] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۵۷ تفسیر آیت مذکور، [5] بخاری کتاب الجنائز۔۔

کاٹ ڈالے تھے، ان کی لاش آنحضرت صلعم کے سامنے لا کر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی، انکے صاحبزادے (جابر) آئے اور جوش محبت مین چاہا کہ کپڑا اٹھا کر دیکھین حاضرین نے روکا انھون نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا لوگون نے پھر روک دیا، آنحضرت صلعم نے درد پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے، چادر کا اٹھانا تھا کہ عبداللہ کی بہن بے اختیار چلا اٹھین آنحضرت صلعم نے فرمایا رونے کی بات نہین فرشتے ان کو اپنے پرون کے سایہ مین لئے گئے[1]۔

ایک دفعہ حضرت سعدؓ بن عبادہ بیمار ہوئے آپ عیادت کو تشریف لے گئے ان کو دیکھکر آپ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھون سے آنسو نکل آئے آپ کو روتا دیکھکر سب رو پڑے[2]،

ایک حبشی مسجد مین جھاڑو دیا کرتا تھا[3] مرگیا تو لوگون نے آپ کو خبر نہ کی، ایک دن آپ نے اس کا حال دریافت فرمایا لوگون نے کہا وہ انتقال کرگیا، ارشاد ہوا تم نے مجکو خبر نہ کی، لوگون نے اسکی تحقیر کی، (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی) آپ نے لوگون سے اسکی قبر دریافت کی اور جاکر جنازہ کی نماز پڑھی[4]۔

جنازہ جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے، بخاری مین روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو یا اسکے ساتھ جاؤ، ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اُس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے[5]،

اگرچہ آپ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے خصوصًا اعزہ کی وفات کا آپ کو سخت صدمہ ہوتا تھا تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے، حضرت جعفرؓ (حضرت علی کے بھائی تھے) سے آپکو

---

[1] بخاری جنائز صفحہ ۲۰۱ [2] بخاری جنائز صفحہ ۱۷۴ [3] (بخاری باب الصلوۃ علی القبر مین ابوہریرہ کی روایت ہے، راوی نے شک کیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت۔ لیکن دوسری روایتون مین اس کا عورت ہونا بہ تحقیق ذکر ہے۔ ام محجن اسکا نام تھا) [4] بخاری صفحہ ۱۸۰ کتاب الجنائز [5] بخاری صفحہ ۱۷۵ جلد اول کتاب الجنائز۔

نہایت محبت تھی، جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ مجلس ماتم میں بیٹھے، اسی حالت میں کسی نے آکر کہا کہ جعفر کی عورتیں رو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جاکر منع کردو، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپ نے دوبارہ منع کرا بھیجا، پھر بھی وہ باز نہ آئیں، سہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ نہ مانیں تو فرمایا کہ جاکر اُنکے منہ میں خاک ڈال دو۔[1]

لطف طبع | کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے ایک دفعہ حضرت انس کو پکارا تو فرمایا او، دو کان والے[2] اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انس نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت صلعم کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے، حضرت انس کے چھوٹے بھائی کا نام ابو عمیر تھا، وہ کمسن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا اتفاق سے وہ مرگیا، ابو عمیر کو بہت رنج ہوا، آپ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا یا اباعُمیر ما فعل النغیر[3] یعنی ابو عمیر! تمہارے ممولے نے یہ کیا کیا۔

ایک شخص نے خدمت اقدس میں عرض کی کہ مجھکو کوئی سواری عنایت ہو، ارشاد ہوا کہ میں تم کو اونٹنی کا بچہ دونگا" انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں اونٹنی کا بچہ لیکر کیا کرونگا" آپ نے فرمایا کہ کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔[4]

ایک بڑھیا خدمت اقدس میں آئی کہ حضور میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھکو بہشت نصیب ہو، آپنے فرمایا بڑھیاں بہشت میں نہ جائیں گی، اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس سے کہدو کہ بڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہوکر جائیں گی۔[5]

ایک بدوی صحابی تھے جنکا نام زاہر تھا وہ دیہات کی چیزیں آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے

[1] بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبۃ [2] شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری [4] شمائل ترمذی۔

تھے ایک دفعہ وہ شہر مین آئے گانون سے جو چیزین لاے تھے ان کو بازار مین فروخت کر رہے تھے اتفاقاً آپ اُدھر سے گذرے، زاہر کے پیچھے جاکر ان کو گود مین دبالیا انھون نے کہا کون ہے چھوڑ دو، مڑکر دیکھا تو سرورِ عالم تھے اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرت صلعم کے سینہ سے لپٹا دی، آپ نے فرمایا کوئی اس غلام کو خریدتا ہے! وہ بولے کہ یارسول اللہ مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدیگا نقصان اُٹھائیگا، آپ نے فرمایا لیکن خدا کے نزدیک تمھارے دام زیادہ ہین[1]۔

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم مین گرانی ہے، فرمایا شہد پلاؤ، وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے آپ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی، سہ بارہ آئے پھر وہی جواب ملا، چوتھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا کہ خدا سچا ہے، (قرآن مجید مین ہے کہ شہد مین شفا ہے) لیکن تمھارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاکر پھر شہد پلاؤ، اب کی پلایا تو شفا ہوگئی[2] معدہ مین مادہ فاسد کثرت سے موجود تھا جب پورا تنقیہ ہوگیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبت

اولاد سے نہایت محبت تھی۔ معمول تھا جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر حضرت فاطمہ کے پاس جاتے، اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتین، ایک دفعہ کسی غزوہ مین گئے اس اثنا مین حضرت فاطمہ نے دونون صاحبزادون (حسنین علیہما السلام) کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازہ پر پردے لٹکائے، آنحضرت صلعم واپس تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہؓ کے گھر نہین گئے، وہ سمجھ گئین، فوراً پردون کو چاک کرڈالا اور صاحبزادون کے ہاتھ سے کنگن اُتار لیے، صاحبزادے روتے ہوئے خدمت اقدس مین حاضر ہوئے آپ نے کنگن لے کر بازار مین

[1] شمائل ترمذی [2] بخاری صفحہ ۸۴۹ باب الدواء بالعسل

بھیجدیے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لادو۔

حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت مین تشریف لاتین تو آپ کھڑے ہو جاتے، انکی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے،

ابو قتادہؓ کا بیان ہی کہ ہم لوگ مسجد نبوی مین حاضر تھے کہ دفعۃً رسول اللہ صلعم امامہ (آنحضرت صلعم کی نواسی تھین) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے، اور اسی حالت مین نماز پڑھائی، جب رکوع مین جاتے تو ان کو اُتار دیتے پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا کی[1]۔

حضرت انسؓ کہتے ہین کہ مین نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہین دیکھا جس قدر آپ کرتے تھے، آپکے صاحبزادے حضرت ابراہیم عوالی مین پرورش پاتے تھے جو مدینہ سے تین چار میل ہے، ان کے دیکھنے کے لیے مدینہ سے پیادہ پا جاتے، گھر مین دھوان ہوتا رہتا تھا، گھر مین جاتے بچہ کو انّا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منھ چومتے پھر مدینہ کو واپس آتے[2]،

ایک دفعہ اقرع بن حابس عرب کے ایک رئیس خدمتِ اقدس مین آئے، آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کا منھ چوم رہے تھے، عرض کی کہ میرے دس بچے ہین مین نے کبھی کسیکو بوسہ نہین دیا، ارشاد فرمایا کہ جو اورون پر رحم نہین کرتا اس پر بھی رحم نہین کیا جاتا (یعنی خدا اس پر رحم نہین کرتا)

حسنین علیہما السلام سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہین، حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچون کو لانا، وہ صاحبزادون کو لاتین، آپ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے،

---

[1] نسائی صفحہ ۱۲۰ باب ادخال الصبیان فی المساجد، صحیح بخاری مین بھی یہ حدیث مذکور ہی [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ -

ایک دفعہ مسجد مین خطبہ فرما رہے تھے، اتفاق سے حسنین علیہما السلام سُرخ کرتے پہنے ہوئے آئے کمسنی کیوجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے، آپ ضبط نہ کرسکے منبر سے اتر کر گود مین اُٹھا لیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہی اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ، فرمایا کرتے تھے حسین میرا ہے اور مین حسین کا ہون، خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہی،

ایک دفعہ امام حسن یا امام حسین دوش مبارک پر سوار تھے کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہی آپنے فرمایا اور سوار بھی کیسا ہی،[۱]

ایک دفعہ امام حسن یا امام حسین (راوی کو تعین یاد نہین رہا) آپکے قدم پر قدم رکھکر کھڑے تھے آپنے فرمایا اوپر چڑھ آؤ انھون نے آپ کے سینہ پر قدم رکھدیے، آپ نے منھ چوم کر فرمایا اے خدا! مین اس سے محبت رکھتا ہون تو بھی رکھ،[۲]

ایک دفعہ آپ کہین دعوت مین جارہے تھے امام حسین علیہ السلام، رہ مین کھیل رہے تھے آپنے آگے بڑھکر ہاتھ پھیلا دیے، وہ ہنستے ہوئے پاس آآکر نکل جاتے تھے بالآخر آپ نے ان کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھکر سینہ سے لپٹا لیا پھر فرمایا کہ حسین میرا ہے اور مین اسکا ہون۔[۳]

اکثر امام حسن علیہ السلام کو گود مین لیتے اور ان کے منھ مین منھ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا مین اس کو چاہتا ہون اور اس کو بھی چاہتا ہون جو اس کو چاہے۔

آپ کے داماد (حضرت زینب کے شوہر) جب بدر سے قید ہوکر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کرسکے تو

---

[۱] یہ تمام روایتین شمائل ترمذی مین مذکور ہین اخیر حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہی کہ بعض اہل علم نے اسکو ضعیف الحافظ کہا ہے [۲] ادب المفرد بخاری صفحہ ۱۵ [۳] ادب المفرد بخاری صفحہ ۷۳۔

تو گھر کہلا بھیجا حضرت زینب نے اپنے گلے کا ہار بھیجدیا یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینب کے جہیز مین حضرت خدیجہ نے ان کو دیا تھا، آنحضرت صلعم نے ہار دیکھا تو بیتاب ہو گئے اور آنکھون سے آنسو نکل آئے، پھر صحابہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینب کو بھیجدون سب نے بسر و چشم منظور کیا۔

حضرت زینب کی کمسن صاحبزادی کا نام امامہ تھا ان سے آپ کو بہت محبت تھی آپ نماز پڑھنے مین بھی انکو ساتھ رکھتے جب آپ نماز پڑھتے تو وہ دوشِ مبارک پر سوار ہو جاتین۔ رکوع کے وقت آپ ان کو کاندھے سے اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتین روایتون کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم خود ان کو کاندھون پر بٹھا لیتے، اور اتار دیتے تھے لیکن ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے، وہ خود سوار ہو جاتی ہون گی اور منع نہ فرماتے ہونگے،

(آپ کی ایک نواسی حالت نزع مین تھین صاحبزادی نے بلا بھیجا آپ تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت مین آغوش مبارک مین رکھدی گئی آپ نے اسکی حالت دیکھی تو آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ آپ یہ کیا کر رہے ہین، آپ نے فرمایا یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندون کے دلون مین ڈال دیا ہے[1]۔

حضرت ابراہیم کی وفات مین بھی آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا تھا آنکھین آنسو بہا رہی ہین دل غمزدہ ہو رہا ہے لیکن منھ سے ہم وہی باتین کہین گے جس کو خدا پسند کرتا ہی[2] لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل و اولاد تک کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عموماً بچون سے آپ کو اُنس تھا)

---

[1] بخاری کتاب المرضی صفحہ ۸۴۴، [2] بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۷۴

ازواج مطہرات

حضرت خدیجہؓ

سلسلۂ نسب یہ ہے، خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچکر ان کا خاندان رسول اللہ صلعم کے خاندان سے ملجاتا ہی، آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھین انکی والدہ فاطمہ بنت زائدہ تھین، انکے والد اپنے قبیلہ مین ممتاز تھے، مکہ مین آکر سکونت اختیار کی اور بنو عبد الدار کے حلیف[1] بنے، عامر بن لوی کے خاندان مین فاطمہ بنت زائدہ سے نکاح کیا، ان کے بطن سے حضرت خدیجہ پیدا ہوئین، انکی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی، ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہند[2] تھا، اور دوسرے کا **حارث**، ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عایذ مخزومی کے عقد نکاح مین آئین، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اسکا نام بھی ہند تھا، اسی بنا پر حضرت خدیجہ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھین، ہند نے اول اسلام قبول کیا، آنحضرت صلعم کا مفصل حلیہ انہی کی روایت سے منقول ہی، نہایت فصیح وبلیغ تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل مین شریک تھے اور شہید[3] ہوئے،

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رسول اللہ صلعم کے عقد نکاح مین آئین جسکے مفصل حالات گذر چکے، آنحضرت صلعم سے چھ اولادین ہوئین، دو صاحبزادے کہ دونون بچپن مین انتقال کر گئے، اور چار صاحبزادیان، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ ان سب کے حالات آگے آئین گے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ذکر خدیجہ، کتاب النسا، [2] طبقات ابن سعد [3] اصابہ ذکر ہند۔

حضرت خدیجہ کی ایک بہن ہالہ تھین وہ اسلام لائین اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد تک زندہ رہین،

حضرت خدیجہ سے آنحضرت صلعم کو بے انتہا محبت تھی، وہ جب عقد نکاح مین آئین تو انکی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت صلعم پچیس سال کے تھے نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہین۔ انکی زندگی تک آنحضرت صلعم نے دوسری شادی نہین کی۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر مین کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حضرت خدیجہ کی ہمنشین عورتون کے پاس گوشت بھجواتے تھے حضرت عائشہ کہتی ہین کہ گو مین نے خدیجہ کو نہین دیکھا لیکن مجکو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہین آتا تھا، جسکی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے ایک دفعہ مین نے اس پر آپ کو رنجیدہ کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ "خدا نے مجکو ان کی محبت دی ہے"[1]

ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت صلعم سے ملنے آئین اور استیذان کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی انکی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی آپ کے کانون مین آواز پڑی تو حضرت خدیجہ یاد آگئین اور آپ جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہونگی" حضرت عائشہ بھی موجود تھین انکو نہایت رشک ہوا بولین کہ "آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہین جو مر چکین اور خدا نے ان سے اچھی بیویان دین"، صحیح بخاری مین یہ روایت یہین تک ہے لیکن استیعاب مین ہے کہ اسپر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "ہرگز نہین جب لوگون نے میری تکذیب کی تو انھون نے تصدیق کی جب لوگ کافر تھے تو وہ مسلمان لائین جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انھون نے میری مدد کی۔

---

[1] صحیح مسلم فضائل خدیجہ۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

ازواج مطہرات مین یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلعم کے عقد نکاح مین آئین، وہ ابتداے نبوت مین مشرف باسلام ہو چکین تھین اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، انکی شادی پہلے سکران بن عمرو سے ہوئی تھی حضرت سودہ انھین کے ساتھ اسلام لائین اور انھی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی، حبشہ سے مکہ کو واپس آئین سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا جس کا نام عبد الرحمن تھا، انھون نے جنگ جلولا مین شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت صلعم نہایت پریشان و غمگین تھے، یہ حالت دیکھکر خولہ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا ہان، گھر بار بال بچون کا انتظام سب خدیجہ کے متعلق تھا، آپ کے ایما سے وہ حضرت سودہ کے والد کے پاس گئین اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا، اَنعِم صَبَاحًا پھر نکاح کا پیغام سنایا، انھون نے کہا ہان محمد شریف کفو ہین لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہوگئے تو آنحضرت خود تشریف لے گئے اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا، چار سو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبد اللہ بن زمعہ (حضرت سودہ کے بھائی) جو اسوقت کافر تھے آئے، اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہوگیا چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت شعاری پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا،

[illegible] طبقات مین ہے کہ رمضان سنہ ۱۰ نبوی مین نکاح ہوا [illegible] [illegible] یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ خود حضرت خدیجہ کے وفات کے سنہ مین اختلاف ہے۔

حضرت عائشہ اور سودہ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ مین ہوا اس لیے مورخین مین اختلاف ہو کہ کس کو تقدم حاصل ہو ابن اسحاق کی روایت ہو کہ سودہ کو تقدم ہے عبد اللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہو کہ وہ حضرت عائشہ کے بعد نکاح مین آئین -

شکل وشباہت حضرت سودہ بلند بالا اور فربہ اندام تھین اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہین سکتی تھین حجۃ الوداع مین جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انھون نے آنحضرت صلعم سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ اُن کو بھیڑ بھاڑ مین چلنے سے تکلیف ہوگی،

آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھین حضرت عمر کو یہ ناگوار ہوتا تھا اس بنا پر آنحضرت صلعم کی خدمت مین پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے، لیکن ابھی ان کی استدعا قبول نہین ہوئی تھی کہ حضرت سودہ رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلین چونکہ ان کا قد نمایان تھا، حضرت عمر نے کہا سودہ ہمکو ہمنے پہچان لیا، اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی[ط]،

اخلاق وعادات آنحضرت صلعم کے اخلاق وعادات مین سخاوت وفیاضی ایک نمایان وصف تھا،

[ط] بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۰۶، آیت حجاب کے شان نزول مین سخت اختلاف ہو ایک روایت تو یہی ہو دوسری روایت یہ ہو کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ آپ کے یہان نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہین کاش آپ ان کو پردے کا حکم دیتے، ابن جریر نے اپنی تفسیر مین مجاہد سے روایت کی ہو کہ آنحضرت صلعم صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے حضرت عائشہ بھی شریک طعام تھین ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہ کے ہاتھ سے چھو گیا رسول اللہ صلعم کو ناگوار گذرا اس پر آیت حجاب اتری عام طور پر مشہور ہو کہ حضرت زینب کے دعوت ولیمہ مین آیت حجاب نازل ہوئی چنانچہ صحاح مین یہ واقعہ بتفصیل موجود ہو، حافظ ابن حجر نے ان روایتون مین یہ تطبیق دی ہو کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے جن مین آخری سبب حضرت زینب کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شان نزول ہو کیونکہ خود آیت مین واقعہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہین (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۱۹) ۔

اس بنا پر صحابہ میں جس کو آپ سے جس قدر تقرب حاصل تھا اسی قدر اس پر اس وصف خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا، ازواج مطہرات کو آپ کے اخلاق و عادات و فیض صحبت سے متمتع ہونیکا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا اس لیے یہ وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے حضرت سودہ اس وصف میں باستثناء حضرت عائشہ سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ بولا درہم، بولیں کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہکر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔

اطاعت و فرمانبرداری بھی ان کا خاص وصف ہے اور اس وصف میں وہ تمام ازواج مطہراتؓ سے ممتاز ہیں۔

روایت حدیث ان کے ذریعہ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے، صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس اور یحییٰ بن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

وفات حضرت سودہ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، واقدی کے نزدیک انھوں نے امیر معاویہ کے زمانۂ خلافت ۵۴ھ میں وفات پائی، حافظ ابن حجر ان کا سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں، امام بخاری نے تاریخ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں انتقال کیا، ذہبی نے تاریخ کبیر میں اس پر اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمر کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات کی، حضرت عمر نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے، اس بنا پر ان کا زمانۂ وفات ۲۲ھ ہوگا، خمیس میں ہے کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے؎۱

حضرت عائشہؓ؎۲

عائشہ نام تھا، اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے ام عبداللہ

۱؎ زرقانی ج ۳ ص ۲۶۲ میں تفصیل مذکور ہے، تاہم ابن سعد میں صرف پہلی روایت نقل کی ہے۔ ۲؎ حضرت عائشہؓ کے حالات اور حضرت ان کے علمی اجتہادات کے لیے الگ مستقل تصنیف درکار ہے، یہاں صرف ضروری سوانح زندگی لکھ دیے گئے ہیں۔

کنیت کرتی تھین، مان کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی، بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئین،

سنہ ۱۰ نبوی مین آنحضرت صلعم کے ساتھ نکاح ہوا اسوقت شش سالہ تھین آنحضرت صلعم سے پہلے
جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھین حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت
صلعم سے نکاح کی تحریک کی، آپ نے رضامندی ظاہر کی، خولہ نے ام رومان سے کہا انھون نے حضرت
ابوبکر سے مذکور کیا بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہون اور مین نے کبھی وعدہ خلافی نہین کی لیکن
مطعم نے خود اس بنا پر انکار کردیا کہ اگر حضرت عائشہ ان کے گھر مین گئین تو گھر مین اسلام کا قدم آجائیگا، بہرحال
حضرت ابوبکر نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم سے عقد کردیا، چار سو درہم مہر قرار پایا لیکن مسلم بن
حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچسو درہم ہوتا تھا،

نکاح کے بعد مکہ مین آنحضرت صلعم کا قیام ۳ سال تک رہا سنہ ۱۳ مین آپ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر
ساتھ تھے اہل وعیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے جب مدینہ مین اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر نے عبداللہ بن اریقط کو
بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ کو لے آئین آنحضرت صلعم نے بھی زید بن حارثہ ابورافع کو حضرت فاطمہ ام کلثوم
اور حضرت سودہ وغیرہ کے لانے کے لیئے روانہ فرمایا، مدینہ مین آکر حضرت عائشہ سخت بخار مین مبتلا ہوئین، بشدادِ
مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے، صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا اسوقت حضرت
عائشہ کی عمر ۹ سال کی تھی سہیلیون کے ساتھ جھولا جھول رہی تھین کہ ام رومان نے حضرت عائشہ کو آواز
دی انکو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، مان کے پاس آئین، انہون نے منہ دھویا، بال درست کئے گھر مین
لے گئین، انصار کی عورتین انتظار مین تھین یہ گھر مین داخل ہوئین تو سب نے مبارکباد دی، چاشت کے
وقت آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی، شوال مین نکاح ہوا تھا اور شوال ہی مین

یہ رسم بھی ادا کی گئی، زمانۂ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا اس بناپر اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لیے مکروہ خیال کرتے تھے، اس خیال کے مٹانے کے لیے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا۔

وفات حضرت عایشہ نے آنحضرت صلعم کے ساتھ ۹ برس تک زندگی بسر کی، نو سال کی عمر میں وہ آپ کے پاس آئین، اور جب آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی آنحضرتؐ کے بعد حضرت عایشہ قریباً ۴۸ سال تک زندہ رہین ۵۸ھ مین وفات پائی اسوقت انکی عمر ۶۶ سال کی تھی، وصیت کے مطابق جنۃ البقیع مین رات کے وقت دفن ہوئین قاسم بن محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن، عبد اللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبد اللہ بن زبیر نے قبر مین اتارا اس وقت حضرت ابو ہریرہ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انھون نے نماز جنازہ پڑھائی،

آنحضرت صلعم کو حضرت عایشہ سے بہت محبت تھی اسی نسبت سے آپ نے مرض الموت مین تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ کے حجرے مین بسر کیے، اس محبت کا اظہار جن طریقون سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث و سیر مین نہایت کثرت سے واقعات درج ہین۔

علمی زندگی حضرت عائشہ کی علمی زندگی بھی نمایان حیثیت رکھتی ہے خضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان کے زمانہ مین فتوی دیتی تھین اکابر صحابہ پر انھون نے دقیق اعتراضات کیے ہین جنکو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ مین جمع کر دیا ہے، ان سے ۲۲۱۰ حدیثین مروی ہین جن مین ۱۷۴ حدیثون پر شیخین نے اتفاق کیا ہے بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثین روایت کی ہین ۶۸ حدیثون مین امام مسلم منفرد ہین بعض لوگون کا قول ہے کہ احکام شرعیہ مین سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے زرقانی مین ہے کہ صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آجاتا تھا تو اس کو حضرت عایشہ ہی حل کرتی تھین انکے

شاگردون کا بیان ہے کہ ہم نے اُن سے زیادہ خوش تقریر نہین دیکھا، تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت اور ادب وانساب مین ان کو کمال تھا، شعرا کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے، حاکم نے مستدرک مین اور ابن سعد نے طبقات مین تفصیل ان واقعات کو لکھا ہی اور مسند ابن حنبل وغیرہ مین بھی جستہ جستہ ان کے فضل وکمال کے دلائل وشواہد ملتے ہین -)

حضرت حفصہ رض

حضرت حفصہ حضرت عمر کی صاحبزادی تھین، ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا بعثت سے پانچ برس پہلے مین اس سال جب قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئین انکی پہلی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی، اور انہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی خنیس نے غزوۂ بدر مین زخم کھائے اور واپس آکر انھین زخمون کی وجہ سے شہادت[1] پائی خنیس نے اپنی یادگار مین حضرت حفصہ کے بطن سے کوئی اولاد نہین چھوڑی[2]، حضرت حفصہ رض کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی، سو، اتفاق سے اسی زمانہ مین حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمر رض نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان رض سے کی انھون نے کہا مین اس معاملہ مین غور کرون گا حضرت عمر رض نے حضرت ابوبکر رض سے

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۷۰ عام طور پر یہی مشہور ہی لیکن اصابہ مین ہی کہ غزوہ احد مین شہید ہوئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا ہے کہ حضرت عمر نے رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان سے انکے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہی کہ حضرت رقیہ کا انتقال غزوۂ بدر کے بعد ہوا اور اسی وجہ سے حضرت عثمان شریک غزوہ بدر نہ ہوسکے اس سے ثابت ہوتا ہی کہ خنیس نے غزوۂ بدر کے بعد وفات پائی دوسری روایت مین ہی کہ حضرت عثمان مغموم بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمر ادھر سے گزرے اور پوچھا کہ حفصہ سے نکاح کرتے ہو اسکی عدت گزر گئی - اگر خنیس نے احد مین شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ سنہ ۴ھ ہوتا حالانکہ ان کا نکاح سنہ ۳ھ مین ہوا (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۵۲ ۱۵۲) [2] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۷۷۰ -

ذکر کیا انھون نے خاموشی اختیار کی حضرت عمر کو انکی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالتؐ نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش کی نکاح ہوگیا تو حضرت ابوبکر حضرت عمر سے ملے اور کہا کہ جب تمنے مجھ سے حفصہ کے نکاح کی درخواست کی اور مین خاموش رہا تو تم کو ناگوار گذرا لیکن مین نے اسی بناء پر کچھ جواب نہین دیا کہ رسول اللہ نے انکا ذکر کیا تھا اور مین آپ کا راز فاش کرنا نہین چاہتا تھا اگر رسول اللہؐ نے ان سے نکاح نہ کرلیا ہوتا تو مین اس کے لیے آمادہ تھا،[1]

حضرت حفصہ آخر حضرت عمر کی بیٹی تھین، اس لیے مزاج مین ذرا تیزی تھی صحیح بخاری مین واقعۂ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمر کا بیان ہی کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت مین عورتون کو کوئی چیز نہین سمجھتے تھے مین ایک دن کسی معاملہ مین غور کر رہا تھا اتفاق سے میری بی بی نے مجکو مشورہ دیا مین نے کہا تم کو ان معاملات مین کیا دخل ہی؛ بولین کہ تم میری بات پسند نہین کرتے، حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ کو برابر کا جواب دیتی ہی، مین اٹھا اور حفصہ کے پاس آیا، مین نے کہا بیٹی! تم رسول اللہ کو جواب دیتی ہو، یہانتک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہین، بولین ہان ہم ایسا کرتے ہین مین نے کہا خبردار! مین تمہین عذاب الٰہی سے ڈراتا ہون، تم اس کے گھمنڈ مین نہ آجانا جس نے رسول اللہ کو فریفتہ کرلیا ہی،[2] (یعنی عائشہ)

ترمذی مین ہی کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ رو رہی تھین آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انھون نے کہا مجکو حضرت حفصہ نے کہا ہی کہ تم یہودی کی بیٹی ہو، آپ نے فرمایا "تم نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح مین ہو، حفصہ تم پر کس بات مین فخر کرسکتی ہی"[3]

ایک بار حضرت عائشہ اور حفصہ نے حضرت صفیہ سے کہا کہ ہم رسول اللہ کے نزدیک تم سے زیادہ

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۶۱، [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۳۰، [3] ترمذی صفحہ ۶۴۷ کتاب المناقب۔

معزز ہین، ہم آپ کی بیوی بھی ہین اور چچا زاد بہن بھی" حضرت صفیہ کو ناگوار گذرا انھون نے آنحضرت صلعم سے اسکی شکایت کی آپ نے فرمایا "تم نے یہ کیون نہین کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو میرے شوہر محمدؐ میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہین"

حضرت عایشہ اور حضرت حفصہ حضرت ابوبکر اور عمر کی بیٹی تھین، جو تقرب نبوی مین دوش بدوش تھے اس بنا پر حضرت عایشہ اور حضرت حفصہ دیگر ازواج کے مقابلہ مین باہم ایک تھین لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونون آنحضرت صلعم کے ساتھ سفر مین تھین، رسول اللہ راتون کو حضرت عایشہ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتین کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور مین تمھارے اونٹ پر سوار ہون تاکہ مختلف مناظر دیکھنے مین آئین حضرت عایشہ راضی ہو گئین آنحضرت صلعم حضرت عایشہ کے اونٹ کے پاس آئے جسپر حفصہ سوار تھین جب منزل پر پہونچے اور حضرت عائشہ نے آپ کو نہین پایا تو اپنے پانون کو اذخر ایک گھاس ہے جس مین سانپ بچھو رہتے ہین اسکے درمیان لٹکا کر کہنے لگین "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے"[1]

وفات | حضرت حفصہ نے ۴۵ھ مین جو امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا وفات پائی، وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبداللہ بن عمر سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمر نے انکو کی تھی یعنی غابہ کی جائداد وقف کی اور کچھ مال صدقہ مین دیا۔ مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی اور

---

[1] اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج مطہرات مین اس قسم کی روایتین صرف حضرت حفصہ و عایشہ کے متعلق مذکور ہین اس لیے اس کے اسباب کی تلاش کرنی چاہیے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ ...

بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا، یہاں سے قبر تک حضرت ابوہریرہؓ جنازہ کو لے گئے، ان کے بھائی عبداللہ، عاصم، سالم، عبداللہ، حمزہ، عبداللہ بن عمرؓ کے لڑکون نے قبر مین اُتارا۔[1]

زینب ام المساکینؓ

زینب نام تھا، چونکہ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھین، اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئین، آنحضرت صلعم سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح مین تھین، عبداللہ بن جحش نے جنگ احد ۳ھ مین شہادت پائی اور آنحضرت صلعم نے اُسی سال ان سے نکاح کر لیا، نکاح کے بعد آنحضرت صلعم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھین کہ ان کا انتقال ہوگیا، آنحضرت صلعم کی زندگی مین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھین جنھون نے وفات پائی آنحضرت صلعم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین وفات کے وقت انکی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ

ہند نام، ام سلمہ کنیت تھی، باپ کا نام سہیل اور مان کا عاتکہ تھا، پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح مین آئین (جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہین اور) جو ان کے چچازاد اور رسول اللہ صلعم کے رضاعی بھائی تھے، اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائین اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت

---

[1] حضرت حفصہ کے بھی سنہ وفات مین اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ انھون نے جمادی الاول ۴۱ھ مین وفات پائی اسوقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو انکی عمر ۶۳ سال کی ہوگی ایک روایت ہے کہ انھون نے حضرت عثمان کی خلافت مین ۲۷ھ مین انتقال کیا یہ روایت اس بنا پر پیدا کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے جس سال افریقہ فتح ہوا حفصہ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمان کی خلافت مین ۲۷ھ مین فتح ہوا لیکن یہ سخت غلطی ہے افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہے اس دوسری فتح کا فخر معاویہ بن خدیج کو حاصل ہے اور یہ فتح ۴۵ھ مین ہوئی وہب بن مالک نے حفصہ کا سال وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہے۔

کی، چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے حبشہ ہی مین پیدا ہوئے حبشہ سے مکہ مین آئین اور یہان سے مدینہ کو ہجرت کی ہجرت مین ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہین جو ہجرت کرکے مدینہ مین آئین۔

ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ بڑے شہسوار تھے مشہور غزوات بدر و احد مین شریک ہوئے، غزوہ احد مین چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکے، اور جمادی الثانی ۴ھ مین وفات پائی، ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت صلعم نے ۹ تکبیرین کہین، لوگون نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ آپ کو سہو تو نہین ہوا، فرمایا یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے،

ابو سلمہ کی وفات کے وقت ام سلمہ حاملہ تھین وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو آنحضرت صلعم نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انھون نے چند عذر پیش کئے۔

۱ مین سخت غیور عورت ہون۔

۲ صاحب عیال ہون،

۳ میرا سن زیادہ ہے۔

آنحضرت صلعم نے ان سب زحمتون کو گوارا کیا،

وفات اہل سیر متفق اللفظ ہین کہ ازواج مطہرات مین سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی لیکن ان کے سنہ وفات مین نہایت اختلاف ہے، واقدی نے ۵۹ھ بتایا ہے، ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہے، اور تقریب مین اسی کو صحیح کہا ہے۔ **امام بخاری** نے تاریخ کبیر مین لکھا ہے کہ ۵۸ھ مین وفات پائی بعض روایتون مین ہے کہ ۶۱ھ مین جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر آئی اسوقت ان کا انتقال ہوا ہے، ابن عبد اللہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے،

اِس اختلاف روایت کی حالت مین سنہ وفات کی تعیین مشکل ہو تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعۂ حرّہ تک زندہ تھین۔ مسلم مین ہو کہ حارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عبد اللہ بن صفوان ام سلمہ کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین مین دھنس جائے گا، یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرّہ پیش آیا تھا، واقعہ حرہ ۶۳ھ مین پیش آیا ہے، اس لیے اس سے پہلے انکی وفات کی تمام روایتین صحیح نہین۔

ابن عبد البر نے لکھا ہو کہ حضرت ام سلمہ کی وصیت کی بنا پر سعید بن زید نے نماز جنازہ پڑھائی، لیکن اس روایت کی صحت مین کلام ہو، سعید بن زید نے باختلاف روایت ۵۱ھ یا ۵۲ھ یا ۵۸ھ مین انتقال کیا ہے، اور یہ یقینی طور پر ثابت ہو کہ اس وقت ام سلمہ زندہ تھین، واقدی نے لکھا ہو کہ ابو ہریرہؓ نے انکا جنازہ پڑھایا۔ اگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابو ہریرہ خلاف وصیت کیونکر جنازہ پڑھ سکتے تھے، بہرحال ازواج مطہرات مین سب کے بعد حضرت ام سلمہ نے وفات پائی، اور وفات کے وقت انکی عمر ۸۴ سال کی تھی۔

فضل وکمال ازواج مطہرات مین حضرت عائشہ کے بعد فضل وکمال مین انھین کا درجہ ہو، ابن سعد نے طبقات مین انکی تصریح کی ہو، روایت حدیث اور نقل احکام مین حضرت عائشہ کے سوا اور تمام بی بیون پر ان کو فضیلت حاصل ہے، صلح حدیبیہ مین جب صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی مین تامل تھا تو حضرت ام سلمہ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی، اور یہ انکی دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری مین بہ تفصیل مذکور ہے۔

حضرت زینب رض

ازواج مطہرات مین جو بیبیان حضرت عایشہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھین اُن مین حضرت زینب رض بھی تھین، خود حضرت عایشہ کہتی ہین کانت تسامینی یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھین، اور انکو اس کا حق بھی تھا، نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت صلعم کی پھوپی زاد بہن تھین جمال مین بھی ممتاز تھین آنحضرت صلعم کو بھی اُنسے نہایت محبت تھی، زہد و تورع مین یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اُس اتہام مین خود حضرت زینب رض کی بہن حمنہ شریک تھین تو آنحضرت صلعم نے ان سے حضرت عائشہ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہون نے صاف لفظون مین کہدیا۔

مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا — مجکو حضرت عایشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہین،

حضرت عائشہ رض کو ان کے اس صدق و راستی کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت مین نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھین جب آنحضرت صلعم نے انکو عقد مین لانا چاہا تو انہون نے کہا کہ مین بغیر استخارہ کے کوئی رائے قایم نہین کرتی،

ایک دفعہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے حضرت زینب رض اس معاملہ مین کچھ بول اٹھین، حضرت عمر نے ڈانٹا آپ نے فرمایا ان سے درگذر کرو یہ اواہ ہین (یعنی خاشع و متضرع ہین)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھین خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھین، اور اس کو خدا کی راہ مین لٹا دیتی تھین ایک دفعہ حضرت عمر رض نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انھون نے اُس پر ایک کپڑا ڈالدیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا میرے خاندانی رشتہ دارون اور یتیمون کو تقسیم کردو، برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے، انہون نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے دیکھا تو پچاسی (۸۵) درہم نکلے جب تمام

مال تقسیم ہوچکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد مین عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤن یہ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہوگیا۔

وفات | آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا،

اَسْرَعُکُنَّ لِحَاقاً بِی اَطْوَلُکُنَّ یداً — تم مین مجھ سے جلد وہ ملیگی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات اُس کو حقیقت سمجھین چنانچہ باہم اپنے ہاتون کو ناپا کرتی تھین حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشینگوئی کا مصداق ثابت ہوئین۔ اور ازواج مطہرات مین سب سے پہلے انتقال کیا کفن کا خود سامان کرلیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دین تو ان مین سے ایک کو صدقہ کردینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر مین داخل ہوگا انہون نے کہا وہ شخص جو اُن کے گھر مین داخل ہوا کرتا تھا، چنانچہ اسامہ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر مین اتارا۔

سنہ۲۰ھ مین انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی **واقدی** نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم سے جس وقت نکاح ہوا اُس وقت ۳۵ سال کی تھین۔

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھین جو قبیلۂ بنی المصطلق کا سردار تھا، مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی جو غزوۂ مریسیع مین قتل ہوا، اس لڑائی مین کثرت سے لونڈی غلام مسلمانون کے ہاتھ آئے ان ہی لونڈیون مین حضرت جویریہ بھی تھین، جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن

قیس بن شماس انصاری کے حصہ مین آئین۔

اسلام مین اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہین، اس طریقہ کو فقہا کی اصطلاح مین کتابت کہتے ہین اسی اصول کے موافق حضرت جویریہ مکاتبہ بنگئین، انکو شرط کے موافق ۹، اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی، وہ رسول اللہ کے پاس آئین اور کہا "یا رسول اللہ مین مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہون جو اپنی قوم کا سردار ہے، مجھپر جو مصیبتین آئی ہین وہ آپ سے مخفی نہین، مین ثابت بن قیس کے حصے مین آئی اور نو اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا، یہ رقم میرے امکان مین نہ تھی لیکن مین نے آپ کے بھروسہ پر اس کو منظور کر لیا، اور اب آپ سے اس کا سوال کرنے کے لیے آئی ہون"، آپ نے فرمایا "تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہین؟" انھون نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا "مین یہ رقم ادا کر دیتا ہون، اور تم سے نکاح کر لیتا ہون" وہ راضی ہوگئین آپ نے ثابت بن قیس کو بلایا، وہ بھی راضی ہو گئے، آپ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا، یہ چرچا پھیلا تو لوگون نے قبیلۂ بنی **مصطلق** کے تمام لونڈی غلامون کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگون سے رشتۂ مصاہرت قائم کر لیا، آزاد شدہ غلامون کی تعداد ایک روایت مین سات سو بتائی گئی ہے، حضرت عائشہ کہتی ہین کہ "جویریہ کی برکت سے سیکڑون گھرانے آزاد کر دیے گئے"، بعض روایتون مین ہے کہ آنحضرت صلعم سے خود حضرت جویریہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ نے تمام قیدیون کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔

حضرت جویریہ نے ۵۰ھ مین وفات پائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین اسوقت انکا سن ۶۵ برس کا تھا۔

حضرت ام حبیبہؓ

رملہ نام ام حبیبہ کنیت تھی آنحضرت صلعم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئین اور عبید اللہ بن جحش سے

عقد ہو گیا آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے تو دونون مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی ایک روایت ہے کہ ان کی بیٹی حبیبہ جنکی کنیت کے ساتھ وہ مشہور رہین حبشہ ہی مین پیدا ہوئین، حبشہ مین جا کر عبید اللہ بن جحش نے عیسائیت قبول کر لی لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہین، اختلاف مذہب کی بنا پر عبید اللہ بن جحش نے اُن سے علحدگی اختیار کی اور اب وہ وقت آگیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ **ام المومنین** بننے کا شرف بھی حاصل ہو چنانچہ آنحضرت صلعم نے عمرو بن امیۃ الضمری کو نجاشی کی خدمت مین بغرض نکاح بھیجا جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت صلعم نے مجکو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے، انھون نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا، اور اس مژدہ کے صلہ مین ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیان دین جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور وہان کے مسلمانون کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا[1] اور آنحضرت صلعم کی طرف سے سے چار سو دینار مہر ادا کیا[2]۔

تمام لوگون کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی تو لوگون نے بعد نکاح اٹھنا چاہا لیکن نجاشی نے کہا، "دعوت ولیمہ تمام پیغمبرون کی سنت ہے، ابھی بیٹھنا چاہیے، چنانچہ کھانا آیا لوگ دعوت کھا کر رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم ام حبیبہ کو ملی تو انھون نے پچاس دینار ابرہہ کو دیے لیکن اس نے

[1] سال نکاح مین اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ سنہ مین نکاح ہوا لیکن بعض روایتون مین سنہ بھی بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نے عمرو بن الضمری کو بغرض نکاح بھیجا ہو۔ اور سنہ مین نکاح پڑھایا گیا ہو، اس مین بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہان ہوا۔ اور کس نے پڑھایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حبشہ مین نکاح ہوا اور نجاشی نے نکاح پڑھایا۔ [2] صحیح روایت یہی ہے لیکن اور بھی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے بعض روایتون مین نو سو دینار ہے، بعضون کے نزدیک چار ہزار دینار ہے۔ ابوداؤد مین دینار کے بجاے چار ہزار درہم ہے زہری کی روایت مین چالیس اوقیہ کی تعداد کا ذکر ہے اس لیے اگر چاندی ہوگی تو اس کے سولہ سو درہم ہوتے ہین۔

اس رقم کو ان کنگن کے ساتھ جو پہلے دیئے گئے تھے یہ کہکر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجکو منع کر دیا ہی، دوسرے روز ان کی خدمت مین عود، زعفران، عنبر وغیرہ لے کر آئی جنکو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ کی خدمت مین لائین، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہو گئے تو نجاشی نے ان کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین روانہ کیا۔

ام حبیبہ نے سنہ ۴۴ھ مین وفات[1] پائی اور مدینہ مین دفن ہوئین۔

حضرت میمونہ

میمونہ نام، باپ کا نام حارث اور مان کا نام ہند تھا، پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح مین تھین مسعود نے طلاق دیدی تو ابو رہم بن عبد العزیٰ نے نکاح کر لیا، ابو رہم کے انتقال کے بعد رسول اللہ کے نکاح مین آئین نکاح کے متعلق مختلف روایتین ہین ایک روایت ہے کہ انھون نے اپنے آپکو ہبہ کیا۔

دوسری روایت ہی کہ آنحضرت صلعم نے مدینہ سے اپنے غلام ابو رافع کو اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا، اور انھون نے ایجاب و قبول کیا لیکن صحیح روایت یہ ہی کہ حضرت عباس رض نے اس نکاح کی تحریک کی اور انھین نے نکاح پڑھایا۔

وفات یہ عجیب حسن اتفاق ہی کہ مقام سرف مین انکا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی مین انھون نے انتقال بھی کیا، حضرت عبد اللہ بن عباس نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر مین اتارا۔ صحاح مین ہی کہ جب انکا

---

[1] بعضون نے سال وفات سنہ ۴۲ھ لکھا ہے ابن ابی خیثمہ کے نزدیک انکا سال وفات سنہ ۵۹ھ ہی بعض لوگون نے سنہ ۵۰ھ اور بعضون نے سنہ ۵۵ھ بیان کیا ہی ایک روایت مین یہ بھی ہی کہ دمشق مین مدفون ہوئین۔

جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا یہ رسول اللہ صلعم کی بی بی ہین جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، با ادب آہستہ سے چلو۔

سالِ وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انھون نے سنہ ۵۰ھ مین وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ

صفیہ اصل نام نہ تھا، **زرقانی** نے لکھا ہے کہ عرب مین مال غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہو جاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے، چونکہ وہ جنگ خیبر مین اسی طریقہ کے موافق آنحضرت صلعم کے نکاح مین آئین تھین، اس لیے **صفیہ** کے نام سے مشہور ہوگئین، ورنہ اصلی نام زینب تھا، باپ کا نام حیی بن اخطب اور مان کا نام ضرہ تھا، حضرت صفیہ کو باپ اور مان دونون کے جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ قبیلہ بنو النضیر کا سردار، اور مان قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی، حضرت صفیہ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح مین آئین کنانہ جنگ خیبر مین مقتول ہوا، حضرت صفیہ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئین جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت صلعم سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت صلعم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انھون نے حضرت صفیہ کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت مین آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنو نضیر و **قریظہ** کو دحیہ کو دیدیا وہ تو صرف آپ کے قابل ہے، آپ نے حکم دیا کہ دحیہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہون، وہ **صفیہ** کو لیکر آئے تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا، خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام **صہبا** مین رسم عروسی ادا کی، اور جو کچھ سامان لوگون کے پاس تھا، اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی، وہان سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا

اور اپنے عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات مین داخل ہوگئین،

حضرت صفیہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے، ایکبار آپ سفر مین تھے ازواج مطہرات بھی ساتھ تھین حضرت صفیہ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہوگیا، حضرت زینب رض کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دیدو۔ انہون نے کہا کیا مین اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دون؟ اس پر آنحضرت صلعم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے،

ایک بار آپ حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رورہی ہین آپ نے رونے کی وجہ پوچھی، انہون نے کہا کہ عایشہ اور زینب کہتی ہین کہ ہم تمام ازواج مین افضل ہین ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہین، آپ نے فرمایا تم نے یہ کیون نہ کہدیا کہ ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد میرے شوہر ہین اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہوسکتی ہو؟

حضرت صفیہ نے ۵۰ھ مین وفات پائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین۔

اولاد

آنحضرت صلعم کی اولاد کی تعداد مین سخت اختلاف ہی، متفق علیہ روایت یہ ہی کہ آپکے چھ اولادین تھین، قاسم۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم، فاطمہ۔ ان تمام لڑکیون نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئین لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبزادون کا نام اور لیا ہے، طاہر طیب۔ اس بنا پر اولاد ذکور کی تعداد لڑکیون کے برابر ہو جاتی ہے۔

اِس بارہ مین تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہی کہ آنحضرت صلعم کے بارہ اولادین تھین جنمین آٹھ لڑکے اور چار لڑکیان تھین، لڑکیون کی تعداد مین کسی قسم کا اختلاف نہین البتہ صاحبزادون کی تعداد مین سخت اختلاف ہی مجموعی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے جن مین قاسم اور ابراہیم پر تمام راویون کا اتفاق ہی حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ سے اور بقیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا[1] سے تھی۔

حضرت قاسم

آپ کی اولاد مین سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے (اور غالباً نبوت سے گیارہ بارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہون گے) مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے، ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال تک زندہ رہے، ابن فارس نے لکھا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

(آنحضرت صلعم کی اولاد مین جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے اسیطرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا) عام روایت یہ ہی کہ قبل بعثت وفات پائی۔ آنحضرت صلعم کی کنیت **ابوالقاسم** انھین کے انتساب سے ہی، آپ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے، صحابہ رض بھی جب آپکا محبت سے نام لیتے ابوالقاسم ہی کہتے، ایکدن آپ بازار سے گذر رہے

[1] زرقانی صفحہ ۲۲۱۔

تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا اباالقاسم کہکر آواز دی آپ نے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا یارسول اللہ مین اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہون - رفع اشتباہ کے لیے پھر آپنے منع فرمایا کہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے -

حضرت زینب رضہ

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیون مین سب سے بڑی تھین، زبیر بن بکار کا قول ہو کہ حضرت قاسم کے بعد پیدا ہوئین لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت صلعم کی سبسے پہلی اولاد حضرت زینب رضہ ہی ہین بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلعم کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئین -

آنحضرت صلعم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ مین رہ گئے تھے حضرت زینب رضہ کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع لقیط سے ہوئی، غزوہ بدر مین ابو العاص گرفتار ہوگئے جب یہ رہا کیے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جا کر حضرت زینب کو بھیجدین گے، ابو العاص نے مکہ جاکر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے، مقام ذی طوی مین پہونچے، تو کفار قریش کے چند آدمیون نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینب کو نیزے سے زمین پر گرادیا، وہ حاملہ تھین حمل ساقط ہوگیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ "اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیرون کا نشانہ ہوگا" لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا "تیر روک لو ہمکو کچھ گفتگو کرنی ہے" انہون نے تیر ترکش مین ڈال دیے، ابوسفیان نے کہا "محمد صلعم کے ہاتھ سے جو مصیبتین پہنچی ہین تمکو معلوم ہین، اب اگر تم علانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال کر لے گئے تو لوگ کہین گے کہ ہماری کمزوری ہی ہمکو زینب کے روکنے کی ضرورت نہین جب شور وہنگامہ کم ہوجائے اسوقت چپکے چوری لے جانا، کنانہ

نے یہ راے تسلیم کی اور چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لیکر روانہ ہوئے، زید بن حارثہ کو آنحضرت صلعم نے پہلے سے بھیجدیا تھا وہ بطن یا جج مین تھے، کنانہ نے زینب کو ان کے حوالے کیا وہ انکو لیکر روانہ ہوگئے حضرت زینب مدینہ مین آئین اور اپنے شوہر ابو العاص کو حالت شرک مین چھوڑا، ابو العاص دوبارہ ایک سریہ مین گرفتار ہوئے، اس وقت بھی حضرت زینب نے انکو پناہ دی، مکہ جاکر انھون نے لوگون کی امانتین حوالے کین، اور اسلام لائے اسلام لانیکے بعد ہجرت کرکے مدینہ مین آئے حضرت زینب نے ان کو حالت شرک مین چھوڑا تھا اس لیے دونون مین باہم تفریق ہوگئی تھی، وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب دوبارہ انکے نکاح مین آئین، ترمذی وغیرہ مین حضرت ابن عباس سے روایت ہی کہ کوئی جدید نکاح نہین ہوا لیکن دوسری روایت مین جدید نکاح کی تصریح ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہی لیکن فقہا نے دوسری روایت پر عمل کیا ہی، اور حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت کی تاویل کی ہی کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ مین کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس نے اسکو نکاح اول سے تعبیر کیا، ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابو العاص نے حضرت زینب کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا، اور آنحضرت صلعم نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی، نکاح جدید کے بعد حضرت زینب بہت کم زندہ رہین، ۷ھ یا ۸ھ مین (باختلاف روایت) ابو العاص اسلام لائے تھے، اور اس لیے ۸ھ مین حضرت زینب نے انتقال کیا۔

بلہ اصابہ مین ہی کہ ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جمادی الاول ۶ھ مین روانہ ہوئے، آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ کو ۱۷۰ سوارون کے ساتھ بھیجا۔ مقام عیص مین قافلہ ملا۔ کچھ لوگ گرفتار کیے گئے، اور مال واسباب لوٹ مین آیا، انھین مین ابو العاص تھے، ابو العاص آئے، تو حضرت زینب نے انکو پناہ دی اور انکی سفارش سے آنحضرت نے ان کا مال بھی واپس کرادیا۔

ام ایمن، حضرت سودہ بنت زمعہ، اور ام سلمہ نے غسل دیا۔ اور آنحضرت صلعم نے نماز جنازہ پڑھائی ابوالعاص اور آنحضرت صلعم نے قبر مین اُتارا۔

حضرت زینب نے دو اولاد چھوڑی امامہ اور علی۔ علی کی نسبت ایک روایت ہی کہ بچپن مین وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہی کہ سن رشد کو پہونچے ابن عساکر نے لکھا ہی کہ یرموک کے معرکہ مین شہادت پائی امامہ سے آنحضرت صلعم کو نہایت محبت تھی آپ ان کو اوقات نماز مین بھی جدا نہین کرتے تھے صحاح مین ہے کہ آپ ان کو کاندھے پر رکھکر نماز پڑھتے تھے جب رکوع مین جاتے تو دوش مبارک سے اتار دیتے جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے۔ آنحضرت صلعم کیخدمت مین ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزین ہدیے مین بھیجین جن مین ایک زرین ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشہ مین کھیل رہی تھین، آپ نے فرمایا مین اسکو اپنی محبوب ترین اہل کو دونگا، ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عایشہ کو حاصل ہوگا لیکن آپ نے امامہ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے مین ڈال دیا، ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو امامہ کے نکاح کی وصیت کی تھی حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا تو انہون نے حضرت علی سے انکا نکاح کر دیا حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کرلین مغیرہ نے نکاح کیا اور اُن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام یحیی تھا لیکن بعض روایتون مین ہی کہ امامہ کے کوئی اولاد نہین ہوئی، امامہ نے مغیرہ کے ہان وفات پائی

حضرت رقیہؓ

جرجانی نے لکھا ہی کہ آنحضرت صلعم کی لڑکیون مین سب سے چھوٹی تھین لیکن مشہور روایت یہ ہی کہ حضرت زینب کے بعد ۳۳ سنہ قبل نبوت مین پیدا ہوئین پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی، ابن سعد نے لکھا ہی کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی۔

آنحضرت صلعم کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کی شادی بھی ابو لہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی، جب آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا، ابولہب نے بیٹوں کو جمع کرکے کہا "اگر تم محمد کی بیٹیوں سے علحدگی اختیار نہین کرتے تو تمھارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے" دونون فرزندون نے باپ کے حکم کی تعمیل کی، آنحضرت صلعم نے حضرت رقیہ کی شادی حضرت عثمان سے کردی۔

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے ساتھ انکا نکاح زمانۂ جاہلیت مین ہوا لیکن خود ایک روایت حضرت عثمان سے مروی ہے جس مین زمانۂ اسلام کی تصریح ہے، نکاح کے بعد حضرت عثمان نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہ بھی ساتھ گئین، مدت تک آنحضرت صلعم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک عورت نے آکر خبر دی کہ "مین نے ان دونون کو دیکھا ہی" آنحضرت صلعم نے دعا دی، اور فرمایا کہ ابراہیم اور لوط کے بعد عثمان پہلے شخص ہین جنھون نے بی بی کو لیکر ہجرت کی ہی،

حبش مین حضرت رقیہ کے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا لیکن صرف ۶ سال زندہ رہا، حضرت عثمان حبش سے مکہ کو واپس آئے اور وہان سے مدینہ کی طرف ہجرت کی حضرت رقیہ مدینہ مین آکر بیمار ہوئین یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا حضرت عثمان ان کی تیمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہو سکے عین اسی دن جس روز زید بن حارثہ نے مدینہ آکر فتح کا مژدہ سنایا، وفات پائی، غزوۂ بدر کی وجہ سے آنحضرت صلعم ان کے جنازہ مین شریک نہ ہوسکے۔

حضرت ام کلثومؓ

کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہین، ۳ھ مین جو غزوۂ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہ کا انتقال

در ربیع الاوّل مین حضرت عثمان نے حضرت ام کلثوم کے ساتھ نکاح کر لیا، بخاری مین ہی کہ جب حضرت
بیوہ ہوئین تو حضرت عمر نے حضرت عثمان کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمان نے تامل کیا،
دوسری روایتون مین ہی کہ جب آنحضرت صلعم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عمر سے کہا "مین تمکو
ن سے بہتر شخص کا پتا دیتا ہون، اور عثمان کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈھتا ہون، تم اپنی لڑکی کی
مجھ سے کر دو اور مین اپنی لڑکی کی شادی عثمان سے کر دیتا ہون" بہرحال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد
ت ام کلثوم ۶ برس تک حضرت عثمان کے ساتھ رہین، شعبان ۹ھ مین انتقال کیا آنحضرت صلعم نے نماز
ہ پڑھائی اور حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید نے قبر مین اتارا،

حضرت فاطمۃ الزہراء

فاطمہ نام، زہرا لقب تھا، ان کی ولادت مین اختلاف ہے، ایک روایت ہی کہ ۱ بعثت مین پیدا ہوئین،
سحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی، آنحضرت صلعم کی بعثت
سال کی عمر مین ہوئی تھی، اس بنا پر بعضون نے دونون روایتون مین یہ تطبیق دی ہی کہ ۱ بعثت کے
مین حضرت فاطمہ پیدا ہوئی ہون گی اور چونکہ دونون کی مدت مین بہت فاصلہ ہی اس لیے یہ اختلاف
ت ہو گیا ہو گا، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی پیدا
بعض روایتون مین ہی کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئین۔

حضرت فاطمہ (اگر انکا سال ولادت ۱ بعثت صحیح تسلیم کر لیا جائے) جب پندرہ سال ساڑھے
مہینے کی ہوئین تو ۲ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت علی کے ساتھ نکاح کر دیا، اس وقت حضرت علی
۲۱ برس پانچ مہینے کا تھا، حضرت فاطمہ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور ان کے

بعد حضرت عمر نے کی تھی لیکن آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہین دیا، جب حضرت علی نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہی؟ بولے ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہین، آپ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ضروری ہے، زرہ کو فروخت کرڈالو، حضرت عثمان نے ۴۸۰ درہم پر خریدی، اور حضرت علی نے قیمت لاکر آنحضرت صلعم کے سامنے ڈال دی۔ آنحضرت صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائین، عقد ہوا اور آنحضرت صلعم نے جہیز مین ایک پلنگ اور ایک بستر دیا۔ اصابہ مین لکھا ہی کہ آپ نے ایک چادر دو چکیان، اور ایک مشک بھی دی، اور یہ عجب اتفاق ہی کہ یہی دو چیزین عمر بھر انکی رفیق رہین۔

نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے کہا کہ ایک مکان لیلین چنانچہ حارثہ بن النعمان کا مکان ملا، اور حضرت علی نے حضرت فاطمہ کیساتھ اس مین قیام کیا،

آنحضرت صلعم ہمیشہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے تعلقات مین خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے چنانچہ جب حضرت علی اور حضرت فاطمہ مین کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی، تو آنحضرت صلعم دونون مین صلح کرا دیتے تھے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ گھر مین تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے لوگون نے پوچھا آپ گھر مین گئے تھے تو اور حالت تھی، اب آپ اس قدر خوش کیون ہین، فرمایا مین نے ان دو شخصون مین مصالحت کرائی ہی جو مجکو محبوب ترین ہین۔

ایک مرتبہ حضرت علی نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلعم کے پاس شکایت لیکر چلین پیچھے پیچھے حضرت علی بھی آئے، حضرت فاطمہ نے شکایت کی آپ نے فرمایا "بیٹی تمکو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے" حضرت علی پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہون نے حضرت فاطمہ سے کہا اب مین تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کرون گا،،

(ایک دفعہ حضرت علی نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا۔ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے، آپ نے مسجد میں خطبہ دیا اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی، فرمایا میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی" چنانچہ حضرت علی اس ارادہ سے باز آگئے اور حضرت فاطمہ کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نہ کیا[1]۔)

حضرت فاطمہ کے پانچ اولادیں ہوئیں حسن، حسین، محسن، ام کلثوم، زینب، محسن نے بچپن ہی میں انتقال کیا، حضرت زینب، امام حسن، امام حسین علیہما السلام اور ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔

حضرت فاطمہ نے رمضان سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلعم کے انتقال کے ۶[2] ماہ بعد وفات پائی، اس وقت انکا سن ۲۹ سال کا تھا، سن کی تعیین میں سخت اختلاف ہے، بعضوں نے ۲۴ سال، بعضوں نے ۲۵ سال، اور بعضوں نے ۳۰ سال بتایا ہے لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اگر سنہ ۴۱ کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہوسکتا تھا، البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کیجائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہوسکتا ہے۔

حضرت ابراہیم رضؓ

آنحضرت صلعم کی سب سے آخری اولاد ہیں ذوالحجہ سنہ ۸ ہجری بمقام عالیہ جہاں حضرت ماریہ قبطیہ رہتی تھیں پیدا ہوئے، اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربۂ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے، ابو رافع کی بی بی سلمٰی نے جو آنحضرت

---

[1] صحیح بخاری ذکر اصہار النبی صلعم [2] اس میں بھی اختلاف ہے بعضوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد صرف تین دن زندہ رہیں بعضوں نے چار مہینے بتایا ہے بعضوں کے نزدیک دو مہینے کے بعد انتقال ہوا کسی نے ایک مہینہ کسی نے ۳ مہینے بعد اور بعضوں نے ۲ مہینے ۵ دن بعد لکھا ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہ کے ذریعہ سے ۶ مہینے والی روایت مذکور ہے۔

یا آپ کی پھوپی صفیہ کی لونڈی تھیں دایہ گری کی خدمت انجام دی، ابورافع سے جب آنحضرت صلعم کو انکی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ نے اس کے صلہ مین ایک غلام عطا فرمایا، ساتوین دن عقیقہ ہوا آپ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی، اور حضرت ابراہیم کے نام پر نام رکھا، دودہ پلانے کے لیے تمام انصار نے خواہش کی لیکن آپ نے انکو ام بردہ خولہ بنت منذر بن زید الانصاری کے حوالہ کیا اور اُس کے معاوضہ مین کھجور کے چند درخت دیے، بخاری مین حضرت انس سے روایت ہی کہ آپ نے یہ خدمت ام سیف کے متعلق کی، قاضی عیاض نے لکھا ہو کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہین، یہ تاویل کچھ مستبعد نہین، لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے اور وہ ابوسیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہین۔

ام سیف عوالی مدینہ مین رہتی تھین آنحضرت صلعم فرط محبت سے وہان جاتے حضرت ابراہیم کو گود مین لیتے اور چومتے، ام سیف کے شوہر لوہار تھے، اس لیے گھر دھوئین سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرت صلعم باوجود نظافت طبع گوارا فرماتے۔

ابراہیم نے ام سیف ہی کے یہان انتقال کیا، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے، نزع کی حالت تھی، گود مین اٹھالیا، آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، عبدالرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ آپ کی یہ حالت ہے، آپ نے فرمایا یہ رحمت ہی،

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند مین گہن لگجاتا ہے، اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیم نے وفات پائی سورج مین گہن لگ گیا تھا، عام طور پر مشہور ہوگیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے، آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو فرمایا چاند اور سورج خدا کی نشانیان ہین۔ کسی کی موت سے ان مین گہن نہین لگتا،،

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اُٹھایا گیا، آنحضرت صلعم نے خود نماز جنازہ پڑھائی، عثمان بن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے، قبر مین فضل بن عباس اور اسامہ نے اتارا، آنحضرت صلعم قبر کے کنارے کھڑے تھے، قبر پر پانی چھڑکا گیا اور اس پر ایک امتیازی علامت قایم کی گئی۔

ابوداؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی، ذیحجہ ۸ھ مین پیدا ہوئے تھے، اس روایت کی بناپر ۹ھ مین انتقال ہوا، واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ مین وفات کی، اس لحاظ سے تقریبًا پندرہ مہینے زندہ رہے، بعض روایتون مین ہو کہ سولہ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی، بعض لوگون نے مدتِ حیات ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے، لیکن صحاح مین حضرت عائشہؓ سے روایت ہو کہ ابراہیم ۱۷ یا ۱۸ مہینے تک زندہ رہے،

ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت

ازواج مطہرات کی تعداد ۹ تک پہنچی تھی ان مین عام اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتین تھین باہم رشک اور منافست بھی تھی، آنحضرت صلعم چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے تھے، ان کی خورش و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہین ہوسکتا تھا اس لیے انکو شکایت کا موقع ملتا تھا ان تمام حالات کے ساتھ بھی آپ کی جبین خلق پر کبھی شکن نہین پڑتی تھی۔

حضرت خدیجہ کے ساتھ آپ کو بے انتہا محبت تھی جب وہ عقد نکاح مین آئین تو آنحضرت صلعم کا ریعان شباب اور ان کا بڑھاپا تھا، تاہم آپ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہین کی، وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا تو آپ جوش محبت سے بیتاب ہوجاتے تھے (تفصیل اوپر گذر چکی ہے)

حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ ازواج مطہرات مین سب سے محبوب تر تھین لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانون مین پائے جاتے ہین حسن صورت مین حضرت صفیہ ان سے بڑھکر تھین اور دوشیزہ بھی تھین دیگر ظاہری محاسن مین بھی دیگر ازواج اُن سے کم نہ تھین لیکن حضرت عائشہ کی قابلیت۔ ذہانت۔ قوت اجتہاد۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات ایسے اوصاف تھے جو اُن کی ترجیح کا اصلی سبب تھے،

ایک دفعہ چند ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ زہراؓ کو سفیر بنا کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجا، جناب سیدہ خدمت اقدس مین حاضر ہوئین دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا، اجازت ملی تو سامنے آئین،

اور عرض کی کہ "ازواج مطہرات نے مجکو وکیل بناکر بھیجا ہی کہ آپ ابوبکر کی بیٹی کو ہم پر کیون ترجیح دیتے ہین" آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا "جان پدر! کیا تم اس کو نہین چاہتین جسکو مین چاہتا ہون" جناب سیدہ کے لیے اتنا کافی تھا، واپس جاکر ازواج مطہرات سے کہا مین اس معاملہ مین دخل نہ دون گی۔

اب اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب انتخاب کی گئین کیونکہ ازواج مین سے حضرت زینب کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ کی ہمسری کا دعویٰ تھا اس لیے وہی اس خدمت کے لیے زیادہ موزون تھین، انھون نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ اس رتبہ کی مستحق نہین ہین حضرت عائشہ چپ سن رہی تھین، اور رسول اللہ صلعم کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھین حضرت زینب جب تقریر کر چکین تو مرضی پاکر کھڑی ہوئین اور اس زور وشور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب لاجواب ہوکر رہ گئین، آنحضرت صلعم نے فرمایا کیون نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے[1]"

آنحضرت صلعم کا ارشاد ہی کہ شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہی مال، نسب، حسن، دینداری سو تم دیندار عورت[2] تلاش کرو، آنحضرت صلعم کو ہر کام مین سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا، اس لیے ازواج مین بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھین جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہوسکتی تھی، ازواج مطہرات کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا وہ خلوت وجلوت کی شریک صحبت تھین اس لیے مذہبی احکام ومسائل کے علم واطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع

---

[1] یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بخاری اور دیگر احادیث کی کتابون مین ہی، الفاظ روایت سے بظاہر شبہ پیدا ہوتا ہی کہ دونون فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسر شان کی تھی جیسا کہ عام طور پر سوکنین باہم خانگی جھگڑون مین کرتی ہین لیکن یہ کم نظری ہی حضرت عائشہ نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت دلیلین بیان کی ہون گی جسکا جواب سکوت کے سوا اور کچھ نہ ہوسکتا ہوگا [2] کتاب النکاح بخاری شریف

ملسکتا تھا، لیکن ساتھ ہی اسکی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکات شریعت کی تہ تک پہنچنے کی بھی قابلیت ہو جس مین یہ قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اُسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا۔

حضرت عائشہ مجتہدانہ دل ودماغ رکھتی تھین اس لیے قرب صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکین کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل مین وہ اکابر صحابہ سے مخالفت کرتی تھین اور انصاف بالائے طاعت است اکثر مسئلون مین ان کی فہم و دقتِ نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہی چنانچہ اُسکی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہؓ کے حالات مین گذر چکی ہے معمول تھا کہ ہر روز آپ تمام ازدوج مطہرات کے گھرون مین (جو پاس پاس تھے) تشریف لیجاتے ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان کا گھر آجاتا جنکی باری ہوتی تو شب کو وہین قیام فرماتے، یہ ابوداؤد کی روایت ہی زرقانی مین حضرت ام سلمہ کے حال مین لکھا ہی کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتدا حضرت ام سلمہ سے ہوتی تھی بعض روایتون مین ہی کہ جن کی باری ہوتی تھی انھی کے گھر پر تمام ازداج مطہرات آجاتی تھین اور دیر تک صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھین، اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج مین کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا، لیکن دل صاف تھے اور باہم ملکر لطف صحبت اُٹھاتی تھین، آنحضرت صلعم کے شرف صحبت نے جس طرح ان آئینون کو جلادی تھی اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہوسکتا ہی جس مین جناب عائشہ کو منافقین نے متہم کیا تھا اس سے بڑھکر حریفون کے لیے انتقام کا کیا موقع ملسکتا تھا لیکن با وجود اس کے کہ غیر متعلق لوگ تہمت لگانے مین آلودہ ہوگئے تاہم ازواج مطہرات کا دامن صاف رہا، حضرت عائشہ کی بڑی حریف حضرت زینب تھین، لیکن جب رسول اللہ صلعم نے ان سے استفسار فرمایا تو انہون نے کانون پر ہات رکھا کہ حاشا یہ محض تہمت ہی، حضرت عائشہ جب واقعۂ افک کا ذکر کرتی تھین تو ہمیشہ حضرت زینب کی پاک باطنی کی شکر گزاری ظاہر کرتی تھین، چنانچہ بخاری کی متعدد روایتون مین تفصیلاً

مذکور ہے۔

آنحضرت صلعم جسطرح ازواج مطہرات کی خاطرداری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا،

ایک دفعہ ازواج مطہرات سفر میں تھیں، سار بان اونٹ کو تیز ہانکنے لگے آپ نے فرمایا دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہیں۔[1]

حضرت صفیہ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں ایک دن انہوں نے کھانا پکاکر آنحضرت صلعم کے پاس بھیجا آپ اس وقت حضرت عائشہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے حضرت عائشہ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا آنحضرت صلعم نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کئے اور انکو جوڑا، پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ آنحضرت صلعم سے برہم ہوکر بلند آواز سے باتیں کررہی تھیں، اتفاقاً حضرت ابوبکر آگئے، حضرت عائشہ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ سے چلاکر بولتی ہے، آنحضرت صلعم بیچ میں آگئے، اور حضرت عائشہ کے آڑے آگئے، حضرت ابوبکر غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے کہا کیوں میں نے کس طرح تمکو بچا لیا، چند روز کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی، بولے مجکو بھی صلح میں شریک کیجئے جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی، آپ نے فرمایا ہاں اور ہاں۔[2]

---

[1] بخاری میں یہ روایت کتاب النکاح کے ذیل میں ہے لیکن ازواج کے نام نہیں، نسائی میں نام کی تصریح ہے لیکن روایت میں کسی قدر اختلاف ہے [2] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ "تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہی تو مین سمجھ جاتا ہون" بولین کیونکر؟ ارشاد ہوا جب تو خوش رہتی ہی (اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہی) تو یون قسم کھاتی ہے "محمدؐ کے خدا کی قسم" اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے "ابراہیم کے خدا کی قسم" حضرت عائشہ نے کہا "ہان یا رسول اللہ مین صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہون"[1]

حضرت عائشہ شادی کے وقت بہت کمسن تھین اور لڑکیون کے ساتھ کھیلا کرتی تھین آنحضرت صلعم اتفاقاً آجاتے تو لڑکیان بھاگ جاتین آپ اُن کو بلا کر حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیا کرتے،[2]

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہین جس کو حراب کہتے ہین، اور جس طرح ہمارے ملک مین پٹہ ہلاتے ہین حبشی اس سے کھیلتے ہین ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے حضرت عائشہ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی آنحضرت صلعم آگے کھڑے ہو گئے حضرت عائشہ دوش مبارک پر رخسارے رکھکر تماشا دیکھنے لگین اور دیر تک دیکھتی رہین یہان تک آپ نے فرمایا کیون ابھی تک تم سیر نہین ہوئین، بولین نہین، آپ چپ ہو رہے یہان تک کہ خود تھک کر ہٹ گئین۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ گڑیون سے کھیل رہی تھین آنحضرت صلعم باہر سے تشریف لائے، گڑیون مین ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر بھی تھے، آپ نے فرمایا یہ کیا ہے، بولین کہ حضرت سلیمان کے گھوڑون کے پر بھی تھے، آپ نے تبسم فرمایا[3]، عوام مین مشہور ہی کہ پہلے گھوڑون کے پر ہوتے تھے حضرت سلیمان نے اس بنا پر کہ گھوڑون کی سیر مین ان کی نماز قضا ہو گئی تھی پر کٹوا دیئے اُس وقت سے پر جاتے رہے لیکن نشان اب بھی باقی ہی حضرت عائشہ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

---

[1] صحیح مسلم [2] ایضاً [3] ابو داؤد کتاب الادب۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آؤ تیز قدمی مین مقابلہ کرین حضرت عائشہ اُس وقت دبلی پتلی تھین آگے نکل گئین، جب سن زیادہ ہوا اور پر اندام ہوگئین تو پھر مسابقت کی نوبت آئی اب کی وہ پیچھے رہ گئین آپ نے فرمایا یہ اس دن کا جواب ہے[1]

ازواج مطہرات اور اہل وعیال کی سادہ زندگی

انسان بذات خود فاقہ کشی کرسکتا ہے سخت سے سخت تکلیفین اُٹھا سکتا ہے زخارف دنیوی کو کلیۃً چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ اپنے اعزہ واقربا یا مخصوص عزیزترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہین کرسکتا یہی وجہ ہے کہ دنیا مین جن لوگون نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے انھون نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل وعیال کے جھگڑون سے الگ رکھا ہے دنیا کی مذہبی تاریخ مین صرف آنحضرت صلعم کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے آپ کے ۹ بیبیان تھین جن مین بعض نازونعمت مین پلی تھین، اور اکثر معزز گھرانون سے تعلق رکھتی تھین اس لیے ان کا قدرتی میلان غذاہاے لطیف اور لباس ہاے فاخرہ کی طرف ہوسکتا تھا، متعدد صغیر السن بچے تھے جن کو کھانے پہننے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کرسکتی تھی آنحضرت صلعم کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا اعزہ اولاد اور ازواج مطہرات کے ساتھ سخت محبت تھی آپ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کردیا تھا، اور فتوحات کی کثرت مدینہ مین مال وزر کے خزانے لٹا رہی تھی لیکن بایں ہمہ آنحضرت صلعم نے اپنی ذات کی طرح انکو بھی زخارف دنیوی کا خوگر نہین بنایا بلکہ ہر موقع پر روک ٹوک کی اس بنا پر آپ کے تمام خاندان کی زندگی آپ کے اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بنگئی،

حضرت فاطمہ آپ کی محبوب ترین اولاد تھین لیکن انھون نے آپ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ

---

[1] ابوداؤد۔

نہین اُٹھایا ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھین کہ ہاتھون مین چھالے پڑ پڑ گئے تھے بار بار مشک مین پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے گھر مین جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے چولھے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئین سے سیاہ ہو جاتے تھے[1] لیکن بااین ہمہ جب انھون نے آنحضرت صلعم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراء و یتامیٰ کا حق ہے۔

ایک دفعہ حضرت **فاطمہ**رض کے پاس آئے دیکھا کہ انھون نے ناداری سے اِس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہین تو پانون کھلجاتے ہین اور پانون چھپاتی ہین تو سر برہنہ رہ جاتا ہے[2]

صرف یہی نہین کہ خود عام طریقۂ اظہار محبت کے خلاف ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہین دیتے تھے بلکہ اِس قسم کی جو چیزین ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھین انکو بھی ناپسند فرماتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی نے ان کو سونے کا ایک ہار دیا آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کیون فاطمہ کیا لوگون سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے چنانچہ حضرت فاطمہ نے اس کو فوراً بیچکر اسکی قیمت سے ایک غلام خرید لیا[3]

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے حضرت فاطمہ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازون پر پردہ لگایا اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو چاندی کے کنگن پہنائے آپ حسب معمول حضرت فاطمہ کے یہان آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھکر واپس گئے حضرت فاطمہ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچون کے ہات سے کنگن نکال ڈالے بچے آپ کیخدمت مین روتے

---

[1] ابو داؤد۔ [2] ایضاً [3] نسائی کتاب الزینت

İmale Tafur alınan
Mahmudi
B. Cem. Şimal

اعلان

سیرۃ النبی کے دو گذشتہ حصّوں کے پہلے اڈیشن جو بڑی تقطیع پر چھپے تھے، وہ ختم ہو گئے ہیں، دوبارہ ۲۰×۲۶ کی کتابی تقطیع پر چھاپے گئے ہیں، اور موجود ہیں، یہ دو قسم کے کاغذ پر چھپے ہیں، ولایتی اور دیسی، انکی قیمتیں حسب ذیل ہیں

سیرۃ النبیؐ	ولایتی کاغذ	دیسی کاغذ
حصۂ اوّل	سے	للعہ
حصۂ دوم	صہ	سے

مسعود علی ندوی،
دارالمصنفین - اعظم گڈھ۔